وفاق المدارس العربیہ کے نئے نصاب میں شامل کتاب
شرح العقیدۃ الطحاویہ کا آسان عام فہم سلیس اردو ترجمہ اور تشریح

آسان شرح عقیدہ طحاویہ

اردو ترجمہ و تشریح

شرح العقیدۃ الطحاویۃ

للامام محمد بن محمد بن محمود البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ

خصوصیات

مختصر حالاتِ ماتن و شارح
عربی عبارت مکمل اعراب کے ساتھ
حسب ضرورت عبارت کی وضاحت
عبارت کا آسان، عام فہم اور سلیس ترجمہ

مترجم و شارح

مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم، ملیر، کراچی ◆ نائب مفتی دار الافتاء جامعہ قاسمیہ، ملیر، کراچی
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

جمع و ترتیب

مفتی نذیر احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی ◆ متخصص معہد عثمان بن عفان کراچی

ادارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ. أَمَّا بَعْدُ:

اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا دار و مدار ایمان پر ہے، اس لیے کہ ایمان اصل ہے، ایمان کے بغیر اعمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور ایمان کی صحت کے لیے عقیدے کا صحیح ہونا ضروری ہے، امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادی اصولوں کو کتاب الایمان اور کتاب التوحید کے تحت نہایت مفصل اور مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے، جبکہ امام ابوداؤد اور بعض دیگر آئمہؒ کرام نے ان اصولوں کو کتاب السنۃ کے تحت ذکر کیا ہے جہاں ان حضرات نے اثباتی انداز میں اللہ کی ربوبیت، الوہیت اور اس کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے وہاں منفی انداز میں ان فرقوں کو گمراہ قرار دیا ہے جنہوں نے اللہ کی صفات کا انکار کیا ہے۔

مسائلِ عقیدہ پر خصوصیت کے ساتھ بعض جلیل القدر اہل علم نے عقائد یا العقیدہ وغیرہ کے عنوان سے کتابیں تالیف کی ہیں، انہی کتابوں میں سے ایک مختصر رسالہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "العقیدۃ الطحاویہ" کے نام سے بھی علمی میدان میں موجود ہے، ان کے علاوہ بھی محدثین، مفسرین اور متکلمین نے نہایت عمدہ اور مؤثر انداز میں کتابیں تالیف کی ہیں، علم العقائد میں تصنیفات کا یہ سلسلہ تاہنوز جاری وساری ہے۔

علم العقیدہ یا علم الکلام میں جن کتابوں کو سب سے زیادہ مخدوم کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے ان میں سے ایک کتاب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "العقیدۃ الطحاویہ" ہے، جس کی شرح لکھنے میں بڑے بڑے اہلِ علم نے اپنی زندگیاں صرف کی ہیں، انہی شروحات میں سے ایک شرح امام اکمل الدین بابرتی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح "شرح العقیدۃ الطحاویہ" بھی ہے۔

علامہ اکمل الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اس شرح میں اہل سنت والجماعت کے تمام عقائد کو بڑے احسن اور مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے، اور باطل فرقوں کے بالمقابل اہل سنت والجماعت کے افکار و نظریات کی نمائندگی کی گئی ہے اس شرح کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اکابرین نے اسے وفاق کے نصاب میں بھی شامل کرلیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب امامِ بابرتی کی اسی شرح کا اردو ترجمہ ہے، احقر نے اس شرح کے ترجمہ کا اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ طلبہ وطالبات باآسانی اس شرح سے استفادہ کرسکیں۔

ترجمہ کو آسان بنانے کے لئے چند امور کا اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ افادہ اور استفادہ میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہ رہے، وہ چند امور یہ ہیں:

- عربی عبارت کو ذکر کرنے کے بعد اس پر مکمل اعراب لگائے گئے ہیں۔
- عام فہم اور سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔
- جہاں جہاں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اختصار کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔
- مصنف اور شارح رحمہم اللہ کے حالات اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

اللہ احقر کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمایں۔

احقر اپنے ان تمام دوستوں کا ممنون و مشکور ہے جن کے تعاون اور مشوروں سے یہ مبارک کام اپنی تکمیل کو پہنچا، خاص طور پر مولانا مفتی نذیر احمد مینگل صاحب سلمہ اللہ فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی و متخصص معہد عثمان بن عفان کراچی کا جنہوں نے کتاب کے جمع و ترتیب میں معاونت فرمائی اور استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبد الطیف طالقانی صاحب دامت برکاتہم کا جنہوں نے شفقت فرماتے ہوئے کتاب پر شروع سے آخر تک نظر فرما کر ترجمہ میں نکھار پیدا فرمائی۔

اللہ پاک ان حضرات گرامی کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین

خاکپائے اکابر

صابر محمود



مختصر حالاتِ ماتن

سلسلہ نسب

آپ کا نام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب الازدی الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

"ازد" یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلے کا نام ہے، جس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے آپ کو ازدی کہا جاتا ہے، اور "طحا" صحرائے مصر میں ایک بستی کا نام ہے، اسی کی طرح منسوب ہونے کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ طحاوی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ولادت اور حالاتِ زندگی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ گیارہ ربیع الاول ۲۳۹ھ کو طحا میں پیدا ہوئے۔

آپ کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، آپ کے والد ایک بڑے ادیب تھے، اور آپ کی والدہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیٰ المزنی کی بہن تھی اور اس وقت کے فقہاء شافعیہ میں سے تھی، جب آپ سنِ بلوغ کو پہنچے تو تحصیلِ علم کے لیے مصر منتقل ہوئے۔

جہاں پر آپ نے اپنے ماموں امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیٰ المزنی سے استفادہ کیا، جیسے جیسے علم میں وسعت پیدا ہوتی گئی ویسے ہی مسائلِ فقہ میں انہماک بڑھتا گیا، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قریب تین سو شیوخ و اساتذہ سے کسب فیض اور تربیت علم و عمل پائی۔

مصر میں موجود اور نو وارد تمام علماء کی خدمت میں جا پہنچتے اور تبادلہ خیال کرتے، علامہ ابن یونس آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: امام طحاوی ثقہ، جید عالم، فقیہ اور ایسے دانشمند انسان تھے کہ ان کی مثال نہیں۔

علامہ ذہبی نے "سير أعلام النبلاء" میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع فرمایا کہ: "الإمام الحافظُ الكبير، محدّث الدّيار المِصْرية وفقيهها" یعنی آپ امام، علامہ، بہت بڑے حافظ، دیارِ مصر کے محدث اور فقیہ ہیں۔

اس سے کچھ آگے جاکر فرماتے ہیں کہ: "من نَظَر في تواليفِ هٰذا الإمام عَلِمَ محلَّه مِنَ العِلمِ، وسَعَة معارفه "یعنی جو بھی شخص اس امام کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اسے اس کے علمی مقام اور علمی وسعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طرز استدلال سے بہت زیادہ متاثر تھے اس لیے عمر بھر مسلک حنفی کی نشر و اشاعت کرتے رہے، اسی بنا پر آپ کو حنفی مسلک کا بہت بڑا وکیل سمجھا جاتا تھا۔

اساتذہ

آپ کے اساتذۂ کرام میں آپ کے ماموں اور امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی، عبد الغنی بن رِفاعہ، ہارون بن سعید الایلی، یونس بن عبد الاعلی وغیرہ شامل ہیں۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں یوسف بن القاسم المیانجی، ابو القاسم الطبرانی، محمد بن بکر بن مطروح، احمد بن القاسم الخشاب، محمد بن الحسن بن عمر التنوخی اور محمد بن المظفر الحافظ وغیرہ شامل ہیں

تصانیف

شرح معانی الاثار	(مطبوع)
شرح مشکل الاثار	(مطبوع)
احکام القران	(مطبوع)
المختصر فی الفقہ	(مطبوع مع الشرحین للامام الجصاص والامام الاسیجابی)۔
اختلاف العلماء	(یہ کتاب امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اختصار کے ساتھ چھپی ہے۔)
الجامع الکبیر فی الشروط	(مطبوع)
الشروط الاوسط	(معلوم نہیں ہو سکا)
الشروط الصغیر	(مطبوع)۔

کتاب فی التاریخ (معلوم نہیں ہو سکا)

شرح الجامع الصغیر (معلوم نہیں ہو سکا)

النوادر الفقہیہ (معلوم نہیں ہو سکا)۔

العقیدۃ الطحاویہ، یہ کتاب مطبوع ہے، علم العقیدہ میں یہ کتاب بہت زیادہ مخدوم کتاب ہے، اس کی بہت ساری شروحات لکھی گئی ہیں، انہی شروحات میں سے ایک شرح امام محمد بن محمد بن محمود بابرتی نے بھی لکھی ہے، جس کا ترجمہ و تشریح پیش کرنے کی سعادت ہم حاصل کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے کچھ مخطوط ہیں اور کچھ مفقود۔

وفات

آپ رحمۃ اللہ علیہ جمعرات کی رات ذی القعدۃ ۳۲۱ھ کو مصر میں وفات پائی اور قرافہ نامی بستی میں دفن کیے گئے۔

حالاتِ شارح رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام و نسب:

آپ کا نام اکمل الدین محمد بن شمس الدین محمود بن جمال الدین احمد الحنفی، الروی البابرتی ہیں۔

بعض حضرات نے آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود بیان کیا ہے۔

"بابرتی" بابرت کی طرف منسوب ہے جو کہ بغداد کے مضافات میں ایک گاؤں کا نام ہے۔

ولادت اور حالاتِ زندگی

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۷۱۴ھ بمطابق ۱۳۱۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کی، جہاں پر قوام الدین الکاکی (صاحب معراج الدرایہ شرح الہدایہ اور جامع الاسرار شرح المنار) سے فقہ کا علم حاصل کیا، پھر حلب کا سفر کیا جہاں پر ناصر الدین بن العدیم نے آپ کو مدرسۂ سادجیہ میں ٹھہرایا، جہاں آپ نے ایک بڑی مدت تک قیام کیا اور وہاں کے اہلِ علم سے استفادہ کیا۔

۷۴۰ھ میں قاہرہ مصر چلے گئے جہاں پر ابو حیان الاندلسی (صاحب تفسیر البحر المحیط) سے استفادہ کیا، اور سیف الدین شیخون نے آپ کی قدر و منزلت کو جانتے ہوئے آپ کو اپنی بنائی ہوئی خانقاہ کا شیخ مقرر کر دیا اور اس کے تمام معاملات آپ کے سپرد کر دیئے، جسے آپ نے حسنِ انتظام کے ساتھ سنبھالا۔

پھر اس کے بعد سلطان ظاہر سیف الدین برقوق کے ہاں آپ کا مرتبہ اتنا بڑھ گیا کہ وہ شیخونیہ خانقاہ کے دروازے پر آکر سواری کی حالت میں آپ کے ساتھ باتیں کرتا تھا اور آپ کا انتظار کرتا رہتا تھا تاکہ آپ آجائیں اور سوار ہو جائیں۔

آپ کی صفات:

آپ کی شخصیت قوی النفس، باہمت، بارعب، فاضل، ماہر فنون اور زبردست عقل رکھنے والی اور بڑے بڑے مناصب سے بیزار شخصیت تھی، کئی مرتبہ آپ کو قاضی بننے کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے اس کو ٹھکرا دیا۔



جبکہ بڑے بڑے مناصب والے آپ کے دروازہ پر کھڑے رہتے تھے، آپ کے ایک اشارہ پر آپ کا حکم پورا کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کی تصنیفات:

۱. "الردود والنقود" کے نام سے اصولِ فقہ میں مختصر ابن الحاجب کی شرح (مطبوع)

۲. تحفة الأبرار شرح مشارق الأنوار (مخطوط)

۳. "التقریر" کے نام سے اصولِ بزدوی کی شرح۔ (محقّق غیر مطبوع)

۴. "العنایة" کے نام سے شرح الہدایۃ (مطبوع)

۵. "الأنوار" کے نام سے شرح المنار (مخطوط)

۶. تفسیر القرآن (معلوم نہیں ہو سکا)

۷. شرح العقیدۃ الطحاویۃ (یہی وہ کتاب ہے جس کا ترجمہ و تشریح پیش کرنے کی سعادت ہم حاصل کر رہے ہیں)

۸. شرح ألفية ابن معطي (في النحو والصرف والخط والكتابة) (معلوم نہیں ہو سکا)

۹. شرح التلخيص في المعاني والبيان (مطبوع)

۱۰. شرح وصية الإمام أبي حنيفة (مطبوع)

۱۱. شرح تجريد العقائد (مطبوع)

اس کے علاوہ بھی امام بابرتی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، جن میں تفسیرِ کشاف کا حاشیہ، علامہ خلاطی کی تلخیص الجامع الکبیر کی شرح وغیرہ شامل ہیں، جن میں سے بعض مخطوط ہیں، بعض مطبوع ہیں، بعض کی تحقیق ہو چکی ہے لیکن وہ مطبوع نہیں ہیں، جبکہ بعض مفقود ہیں۔

وفات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات جمعہ کی رات ۱۰ ر مضان المبارک ۷۸۶ھ کو مصر میں ہوئی، اس وقت کے بادشاہ اور اس کے ماتحت تمام لوگ آپ کی جنازہ میں شریک ہوئے۔

آپ کو آپ کی خانقاہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْوَاجِبِ وُجُودُهُ وَبَقَاؤُهُ، الْوَاسِعِ جُودُهُ وَعَطَاؤُهُ، الْقَدِيمِ بِرُّهُ وَإِحْسَانُهُ، الْعَمِيمِ طَوْلُهُ، الْمُنَزَّهِ فِي ذَاتِهِ عَنْ كُلِّ شَبِيهٍ وَمِثَالٍ، الْمُتَعَالِي فِي صِفَاتِهِ عَنِ التَّغَيُّرِ وَالزَّوَالِ، وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِهِ الَّذِي أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ دَاعِيًا، وَلِلْخَلْقِ هَادِيًا، مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَئِمَّةَ الْهُدَى، وَمَصَابِيحَ الدُّجَى.

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو کہ واجب الوجود والبقا ہے، جس کی سخاوت اور عطا وسیع ہیں، جس کا احسان عام ہے، جو اپنی ذات میں ہر طرح کی شبیہ اور مثل سے پاک ہے، اپنی صفات میں تغیر اور زوال سے بلند ہے۔

اور رحمت ہو اس کے رسول پر جسے حق کا داعی اور مخلوق کا رہنما بنا کر بھیجا، محمد ﷺ اور آپ کی آل اور صحابہ پر جو کہ ہدایت کے امام اور تاریکی کے چراغ ہیں۔

وبعدُ، فإنَّ أجلَّ العُلُوم وأعْلَاهَا، وأوجَبَها على العَاقِلِ تحصِيلاً وأولاها، عِلمُ أُصُولِ الدِّينِ، الذي يشتملُ علىٰ معرفةِ اللهِ تعالَى الَّتي هِيَ أَصْلُ كلِّ عِلمٍ، ومَنشأُ كلِّ سَعادةٍ، لأَجْلِها خُلِقَ الثَّقلانِ علىٰ ما فَسَّرَ قولَهُ تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾، "لِيَعْرِفُونِي" ابنُ عبَّاسٍ ترجمانُ القرآنِ" وقدْ سمَّاهُ النَّبيُّ ﷺ رأسَ العِلمِ حينَ سألَهُ أعرابيٌّ وقالَ لهُ: علِّمني غرائبَ العلمِ يا رسولَ اللهِ. فقالَ: «ماذا عملتَ برأسِ العلمِ؟ فقالَ الأعرابيُّ: ومارأسُ العلمِ؟ قالَ عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ: «معرفةُ اللهِ»، وذٰلكَ لأنَّ شرفَ العلمِ بشرفِ المعلومِ، واللهُ تعالَى لمَّا كانَ أجلَّ وأعظمَ مِنْ كلِّ موجودٍ كانَ العلمُ بهِ أجلَّ العلومِ وأهمَّها تحصيلاً، وأحقَّها تعظيماً وتبجيلاً، لا مطمعَ في النَّجاةِ إلا بحصولِهِ، ولا فوزَ بالدَّرجاتِ إلَّا في وصولِهِ.

اما بعد!

علوم میں سب سے اہم اور اعلیٰ اور ان میں سے عاقل پر تحصیل کے اعتبار سے سب زیادہ ضروری اور اَولیٰ اصولِ دین کا علم ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہے، جو کہ ہر علم کی اصل اور تمام سعادتوں کی بنیاد ہے، اسی کی وجہ سے ثقلین (جن وانس) کو پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: "اور میں نے جنات اور اِنسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں" کی تفسیر کی ہے، "کہ تاکہ مجھے پہچان لیں"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو علم کا سر قرار دیا جب ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ مجھے علم کی عجیب باتیں بتائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ نے علم کے سر کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟" اعرابی نے کہا: علم کا سر کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی معرفت"۔

اور یہ اس لیے ہے کہ علم کی شرافت معلوم کی شرافت کے ساتھ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں سب سے بڑا اور عظیم ہے تو اس کے متعلق علم بھی تمام علوم سے بڑا اور حصول کے اعتبار سے اہم اور تعظیم اور احترام کا زیادہ حقدار ہو گا، اس کے حصول کے بغیر نجات کی کوئی امید نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے وصول کے بغیر درجات کے حصول میں کسی کامیابی کا امکان ہے۔

وقد تفَرَّقتِ الفِرقُ فيهِ، لكنَّ الفِرقةُ النَّاجيةُ منها التي أشارَ النَّبيُّ ﷺ إليها بقولِهِ: «والذي نفسُ محمَّدٍ بيدِهِ، لتَفْتَرِقَنَّ أمَّتي علىٰ ثلاثٍ وسبعينَ فرقة، واحدةٌ في الجنَّةِ واثنتانِ وسبعونَ في النَّارِ، قيلَ: يا رسولَ اللهِ مَنْ هم؟ قالَ: «السُّنَّةُ والجماعةُ». قيلَ: وما السُّنَّةُ والجماعةُ؟ قالَ: «مَا أنا عليهِ وأصحابي». فينبغي للعاقلِ أنْ يلازمَ طريقَ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ، ويجانبَ طريقَ أهلِ الأهواءِ والبدعةِ، فإنَّ أولى الطَّريقةِ التي كانَ عليها الصَّحابةُ والتَّابعونَ ومضىٰ عليها الأسلافُ الصَّالحونَ، وقد تصدَّى لبيانِ مذهبِهِمُ كثيرٌ مِنْ أئمَّةِ الإسلامِ وفرسانِ علمِ الكلامِ، فمِنْهُمْ مَنْ أسهبَ وأطنبَ، ومنهم مَنْ توسَّطَ، ومنهم مَنِ انْتَخَبَ.

اور فرقے اس میں مختلف ہوگئے، لیکن ان میں سے فرقۂ ناجیہ جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہو گا، کہا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا: "سنت وجماعت ہیں" عرض کیا گیا: سنت وجماعت والے کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا کہ جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں" سے اشارہ فرمایا ہے۔

عقلمند آدمی کو چاہیے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے راستے کو لازم پکڑے، اور اہل ہوا اور اہل بدعت کے راستے سے کنارہ کش ہو، اس لیے کہ سب سے بہتر طریقہ وہ ہے جس پر صحابہ، تابعین اور سلفِ صالحین چلیں، اور ان کے مذہب کے بیان کرنے کی طرف بہت سارے ائمۂ اسلام اور علم الکلام کے گھڑ سواروں نے توجہ دی، ان میں سے بعض حضرات نے طوالت سے کام لیا، بعض نے متوسط طریقہ اختیار کیا، اور بعض حضرات نے منتخبات (اور مختصرات) پر اکتفا کر لیا۔

ومِنَ المختصَراتِ التي أثارتْ في حسنِهِ مطالعُهُ وحوَتْ سحرَ البيانِ جوامعُهُ وبدائعُهُ، ما صنَّفَهُ البحرُ الزَّاخِرُ الفاخرُ، أبو جعفرٍ الطحاويُّ رحمهُ اللهُ، فرغبَ النَّاسُ في قراءتِهِ وحفظِهِ، لكثرةِ فوائدِهِ

وعذوبةِ لفظِهِ فشرحتُهُ شرحاً مختصراً يُبيِّنُ أسرارَهُ، ويوضحُ مشكلاتِهِ، ويكشفُ أستارَهُ معتمِداً على الله مُفيضَ الخيرِ والجودِ، واهبِ وجودِ كلِّ موجودِ.

اور مختصرات میں سے جس کے حسن میں اس کے مظاہر روشن ہیں، جس کی جامع اور بدیع عبارات نے سحر بیان کو احاطہ کیے ہوئے ہیں، جسے ذخیرہ اندوز عظیم الشان سمندر ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کیا ہے، لوگ اس کی کثرتِ فوائد اور لفظوں کی چاشنی کی وجہ سے اسے پڑھنے اور حفظ کرنے کی طرف راغب ہوگئے، تو میں نے اس کی ایک ایسی مختصر شرح لکھی ہے جو اس کے اسرار کو بیان کرے گی، اور مشکل مقامات کو واضح کرے گی اور اس پر پڑے پردوں کو ہٹادے گی، اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے جو کہ خیر اور سخا کا فیض کرنے والا ہے، اور ہر موجود کو وجود عطا کرنے والا ہے۔

ولمَّا جاءَ في غايةِ الحُسْنِ والنَّضارةِ، ونِهايةِ اللُّطفِ والإشارةِ، كنتُ متفكِّراً مدَّةً مِنَ الزَّمانِ، وبَرهةً مِنَ الأوانِ، فيمَنْ أجعلُهُ باسمِهِ، ليبقىٰ طولَ الدَّهرِ برسمِهِ، ففرَّغتُ قلبي مِنْ مظانِّ الرَّيبِ، ووجَّهتُهُ تلقاءَ مدينِ الغيبِ، فوَقَعَ مِنْ عالَمِ القُدُسِ في سرِّي، أخفىٰ مِنْ دُرِّيٍّ، أنْ أتحفَ بِهِ مجلسَ مَنْ طَلَعَ مِنْ بُرجِ السَّعادةِ بدراً يتلألأُ نوراً، ويملأُ القلبَ بَهجةً وسُرُوراً، وأضحىٰ غُرَّةَ الجنانِ نزهةً وضياءً، وغبطةَ السَّماءِ رفعةً وسناءً، وظهرتْ عليهِ آثارُ البركةِ، وقارنه السَّعدُ والتَّوفيقُ في الحركةِ، ولاحتْ عليهِ لوائحُ السَّعادةِ، وفاحتْ منهُ روائحُ السِّيادةِ، وهوَ الأميرُ المعظَّمُ، الكبيرُ الأجلُّ الأعظمُ، مَفخَرُ الأمراءِ في العالمينَ، كهفُ الفقراءِ والمساكينَ، فريدُ العصرِ وزينةُ المصرِ، وليُّ الأيادي والنِّعمِ، صاحبُ السَّيفِ والقلمِ، الجامعُ بينَ الفضيلتينِ العلميَّةِ والعمليَّةِ، الحاوي للسعادتينِ الدينيَّةِ والدنيويَّةِ، المشرِقُ مِنْ جبينِهِ نورُ الهدىٰ، المرتفِعُ بيمينِهِ أعلامُ التُّقىٰ، المُخجِلُ البحرَ الخِضمَّ بفضلِهِ، والغادياتِ ببرِّهِ وسخائِهِ، الأميرُ الجليلُ سيفُ الدِّينِ شيخُ المِلكِ النَّاصري صرغتمش الملكي الصَّالحي، أدامَ اللهُ عِزَّهُ، ووَفَّرَ مِنَ الخيراتِ كَنزَهُ، وحَفِظَ مِنَ الغيرِ مَهْجَتَهُ، وأدامَ سرورَهُ وبَهجَتَهُ، فإنَّهُ متعيِّنٌ في هٰذا العصرِ لتربيةِ العلماءِ، معتنٍ بالإحسانِ على الفضلاءِ.

اور جب یہ حسن اور خوشنما ہونے اور نہایت لطیف اور اشارہ کے ساتھ ہے تو میں ایک بڑی مدت اور ایک زمانے کا بڑا حصہ اس حوالے سے فکر مند رہا کہ اس کی نسبت کس کی طرف کروں؟ تا کہ یہ اس کی عبارت کے اندر طویل زمانے تک باقی رہے، تو میں نے اپنے دل کو شک کے گمان سے پاک کردیا، اور اس کو غیب کی طرف متوجہ کردیا، تو عالم قدس سے میرے دل میں اندرونی خزانے سے آیا کہ میں اسے اس شخص کی مجلس میں ہدیہ کردوں کہ جو سعادت کے برج سے چاند بن کر طلوع ہوتا ہے، اور نور بن کر چمکتا ہے، اور دل کو خوشی اور سرور سے بھر دیتا ہے، اور دل کو پاکی اور روشنی سے روشن کردیتا ہے، جو رفعت اور چمک میں آسمان

کے لیے قابلِ رشک ہے، اور جس پر برکت کے آثار ظاہر ہیں، اور حرکات میں نیک بختی اور توفیق اس کے ساتھ ہیں، اور اس پر سعادت کی روشنیاں روشن ہیں، اور اس سے سیادت کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں، اور وہ معظم، بڑا، بزرگ عظیم امیر، وہ فضل ونعمت کا ولی ہے، صاحبِ تلوار و قلم ہے، علمی اور عملی دونوں فضیلتوں کا جامع ہے، دینی اور دنیوی دونوں سعادتوں کو محیط ہے، جس کی پیشانی سے ہدایت کا نور چمکتا ہے، اور جو اپنے ہاتھ سے تقوی کا علم بلند کرتا ہے، اپنے فضل سے وسیع دریاؤں اور اپنے نیکی اور سخاوت سے برسنے والے بادلوں کو شرماتا ہے۔

وہ جلیل القدر امیر سیف الدین شیخ الملک الناصری صرغتمش الملکی الصالحی ہیں، اللہ پاک ان کی عزت کو ہمیشہ قائم رکھے، اور اس کے خزانے کو خیر سے بھر دے، اور دوسروں سے اس کی جان کی حفاظت کرے، اور اس کی خوشی کو دائم رکھے، اس لیے کہ اس زمانے میں علماء کی تربیت کے لیے وہی شخص متعین ہے، فضلاء پر احسان کا اہتمام کرنے والا ہے۔

والحمدُ للهِ الذي جعلَ ألسِنةَ النَّاسِ بنشرِ ثنائِهِ منطلقةً، ورقابَ العلماءِ بأعباءِ عطائِهِ منطوقةً، فمَنْ كانَ مشتملاً علىٰ هذهِ الصِّفاتِ والمناقبِ، اشتمالَ السَّماءِ على النُّجومِ والكواكبِ، فجديرٌ أنْ تُشرَّفَ ديباجةُ الكتابِ بألقابِهِ، وينتمي إلى جنابِهِ، حتَّى يبقىٰ اسمُهُ الشَّريفُ في الكتبِ والدَّفاترِ بينَ الأنامِ، علىٰ تعاقُبِ اللَّيالي والأيَّامِ، ومرِّ الدُّهورِ والأعوامِ. ورأيتُ كلًّا تنزعُ بهِ همَّتُه إلى القربِ بخِدمتِهِ، بتحفةٍ تجودُ بها ذاتُ يدِهِ، وكانتْ حالي تقعُدُني عنْ إهداءِ تحفةٍ تشاكلُ خزانتَهُ الكريمةَ، أو تُشبهُ ما فيها مِنَ النَّفائسِ اليتيمةِ، تذكَّرتُ قولَ المتنبِّي:

لا خيلَ عندَكَ تُهْديها ولا مالَ   فليُسعِدِ النُّطقُ إنْ لمْ يُسعِدِ الحالُ

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں کہ جس نے لوگوں کی زبانوں کو اس کی تعریف پھیلانے کے لیے کھول دیا ہے، اور علماء کی گردنوں کو اس کی عطاء کردہ نعمتوں کے بوجھ تلے قوتِ گویائی دی ہے، پس جو شخص ان صفات اور تعریفات پر اس طرح مشتمل ہو جیسا کہ آسمان ستاروں اور سیاروں پر مشتمل ہے، تو وہ اس لائق ہو گا کہ کتاب کے دیباچے کو اس کے القابات سے شرف بخشا جائے، اور اس کی طرف اس کی نسبت کی جائے، تاکہ اس کا مبارک نام کتابوں اور اوراق میں لوگوں کے درمیان دن رات کے آنے جانے اور زمانوں اور سالوں کے گزر جانے کے ساتھ باقی رہے، میں نے ہر ایک کو دیکھا کہ وہ اس کی خدمت میں ایسے تحفے کے ذریعے اس کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کے ذریعے اس کے اپنے ہاتھ نے سخاوت کی ہے، جبکہ میری حالت مجھے کسی ایسے تحفہ کے پیش کرنے سے روکے رکھتی تھی جو اس کے کریم خزانے کے مثل ہو، یا اس میں موجود نایاب نفیس چیزوں کے مشابہ ہو، مجھے متنبی کا قول آیا کہ:

نہ تمہارے پاس کوئی گھوڑا ہے جسے تم ہدیہ کر سکو اور نہ ہی مال ہے   تو باتیں اچھی ہوں اگر حال اچھا نہیں ہو سکتا

ولمَّا رأيتُ العلمَ أفضلَ مرغوبٍ فيهِ عندَهُ، وأجلَّ ما يُتحفُ بهِ لديهِ، آثرتُ أنْ أهديَهُ الشَّرحَ المذكورَ، على النَّمطِ المسطورِ، والمرجوُّ مِنْ كمالِ عاطفتِهِ التلقِّي بحُسْنِ القبولِ، فإنَّ ذٰلكَ غايةُ المأمولِ، وإنْ فَسَحَ في الأجلِ، وسَعِدتُ ببلوغِ الأملِ، جمعتُ لهُ كتاباً في الفقهِ شاملاً لخلاصَةِ ما في المطوَّلاتِ، بالعباراتِ الواضحاتِ، ومِنَ اللهِ التَّوفيقُ وبهِ هدايةُ الطَّريقِ.

جب میں نے دیکھا کہ علم اس کے نزدیک مرغوب ترین چیز ہے، اور ان کے سامنے پیش کرنے کے لیے سب سے بہترین تحفہ ہے، تو میں نے اس بات کو ترجیح دی کہ میں ان کو مذکورہ شرح ہدیہ کردوں اور ان کی کمالِ شفقت سے حسن قبول ملنے کی امید ہے، اس لیے کہ یہ امید کی انتہا ہے، اگر زندگی میں وسعت رہی اور میں امید کو پورا کرسکا تو میں اس کے لیے فقہ میں ایک کتاب جمع کروں گا جو کہ واضح عبارات کے ساتھ مطولات کے اندر موجود کے خلاصے پر مشتمل ہوگی، اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف سے سیدھی راہ کی رہنمائی بھی ہے۔

ولنَرجعْ إلى الشَّرحِ، قالَ الطحاويُّ رحمهُ اللهُ تعالَى:

اب ہم شرح کی طرف لوٹتے ہیں، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

قوله: (هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيدَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ والجَمَاعَةِ عَلَى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ المِلَّةِ: أبي حَنِيفَةَ النُّعْمَانِ بنِ ثَابتٍ، وأبي يُوسُفَ يعقوب بن إبراهيمَ الأنصاريِّ، وأبي عبدِ اللهِ مُحَمَّدِ بنِ الحَسَنِ الشَّيْبَانِيِّ، وما يَعْتَقِدُونَ مِنْ أُصُولِ الدِّينِ وَيَدِينُونَ بِهِ رَبَّ العالمينَ).

"یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ان عقائد کا بیان ہے جو فقہائے ملت: امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری اور امام ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی کے طریقے پر ہیں، اور یہی وہ باتیں ہیں جن کا یہ فقہائے ملت دین کے اصول کے طور پر اعتقاد رکھتے تھے اور رب العالمین کے بارے میں یہی ان کا دین (وایمان) تھا"۔

أشارَ بقولِهِ: (هٰذا) إلىٰ مشارٍ إليهِ ذهنيٍّ إذا كانَ تصنيفُ الخطبةِ قبلَ تصنيفِ بقيَّةِ الكتابِ، كما قالَ في المنظومةِ:

مصنف نے اپنے قول: "هٰذا" سے ذہن میں موجود مشار الیہ کی طرف اشارہ کر دیا، جبکہ یہ خطبہ کی تصنیف بقیہ کتاب کی تصنیف سے پہلے ہے، جیسا کہ منظومہ میں کہا ہے کہ:

هٰذا كتابٌ في الخِلافيَّاتِ[1] ......

یہ کتاب خلافیات سے متعلق ہے۔

وإنْ كانَ بعدَهُ يكونُ إشارةً إلى الموجودِ الخارجيِّ.

اگرچہ تصنیفِ کتاب کے بعد یہ موجودِ خارجی کی طرف اشارہ ہو گا۔

«والعقيدةُ» فَعِيلَةٌ، بمعنى مفعولٍ، أيْ: المعقودةُ التي عقدَ عليها القلبُ وعزمَ بالقصدِ البليغِ، يقالُ: «اعتقدَ فلانٌ كذا» إذا ارتبطَ عليهِ القلبُ وعزمَ عزيمةً محكمةً.

اور "عقیدہ" "فعيلة" کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، یعنی وہ بندھی ہوئی چیز جس پر دل کو باندھ دیا گیا ہو اور مکمل ارادہ کیا گیا ہو، کہا جاتا ہے کہ: "اعتقدَ فلانٌ كذا" (فلاں بندے نے اس طرح کا اعتقاد رکھا ہے) جب دل اس چیز کے ساتھ بندھ جائے اور وہ پختہ ارادہ کر لے۔

---

(۱) یہاں پر منظومہ سے مراد صاحب "العقائد النسفیہ" علامہ نجم الدین ابو حفص عمر النسفی کی کتاب "المنظومة في الخلافيات" ہے، یہاں پر شارح رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات کے لیے بطورِ دلیل اسی کتاب کی ایک عبارت پیش کی ہے، کہ بقیہ کتاب کی تصنیف سے پہلے خطبہ کی تصنیف ہو تو اسم اشارہ کا مشار الیہ موجود ذہنی ہوتا ہے، امام نسفی کی عبارت بھی بعینہ امام طحاوی کی عبارت کی طرح ہے۔

وإنَّما سُمِّيَ علمُ أصولِ الدِّينِ «عقيدةً»، لتعلُّقِهِ بعقدِ القلبِ دونَ العملِ بالجوارحِ، فكانَ المقصودُ منهُ نفسُ العلمِ، بخلافِ علمِ الفروعِ، فإنَّ المقصودَ منهُ العملُ بالجوارحِ، كالصَّلاةِ ونحوِها.

اور علمِ اصول الدین کو "عقیدہ" اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس کا تعلق اعضاء کے عمل کے ساتھ نہیں بلکہ دل کے عقد کے ساتھ ہے، اس لیے کہ اس سے مقصود نفسِ عمل ہے، بر خلاف علمِ فروع کے کہ اس میں مقصود اعضاء کا عمل ہوتا ہے، جیسے نماز وغیرہ ہے۔

و«أهلُ» الشَّيءِ مُلازمُه، والسُّنَّةُ في اللُّغةِ: الطَّريقةُ، وفي الشَّرعِ: اسمٌ للطَّريقِ المسلوكِ في الدِّينِ.

(أهل السنة میں موجود "أهل") کسی چیز کا اہل وہ ہے جو اس کو لازم پکڑے، اور لغت میں سنت: طریقے کو کہتے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں اس راستے کو کہتے ہیں جس پر دین میں چلا جائے۔

وقد تقعُ علىٰ سنَّةِ النَّبيِّ ﷺ وغيرِهِ مِنَ الصَّحابةِ، لقولِهِ ﷺ: «عليكُمْ بسُنَّتي وسُنَّةِ الخلفاءِ الرَّاشدينَ مِنْ بعديْ»، ولٰكنَّ المرادُ بها هاهُنا الطَّريقةُ التي كانَ عليها النَّبيُّ ﷺ وأُمِرَ بالدُّعاءِ إليها بقولِهِ تعالَى: ﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾.

اور اس کا اطلاق سنتِ نبوی اور سنتِ صحابہ پر ہوتا ہے، حضور ﷺ کے قول: "تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا واجب ہے" کی وجہ سے، لیکن یہاں پر اس سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر نبی ﷺ چلتے تھے، اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان: "اے پیغمبر! کہہ دو کہ: یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنھوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی" سے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔

والمرادُ «بالجماعةِ» الصَّحابةُ والتَّابعونَ لهُمْ بإحسانٍ. وإليهِ الإشارةُ بقولِهِ عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ: «وهوَ الطَّريقُ الذي أنا عليهِ وأصحابي». وإنَّما سمِّيَت هٰذهِ الطَّريقةُ طريقةَ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ، لأنَّها مخالِفَةٌ لطريقِ أهلِ الهوىٰ والبدعةِ.

اور "جماعت" سے مراد صحابہ اور نیک کام میں ان کی اتباع کرنے والے ہیں، اور حضور ﷺ نے اپنے قول: "اور یہ وہ راستہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں" سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور اس طریقہ کو طریقۂ اہل السنۃ والجماعۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کے طریقے کے خلاف ہے۔

و«المذهبُ»: هوَ موضعُ الذَّهابِ، وهوَ الطَّريقُ الذي يسلُكُ فيهِ.

اور "مذہب" چلنے کی جگہ کو کہتے ہیں، اور یہ راستہ ہے جس پر چلا جائے۔

وفي العرفِ صارَ عبارةً عمَّا تقرَّرَ عليهِ رأيُ كلِّ مجتهدٍ، يقالُ: «مذهبُ أبي حنيفةَ رحمهُ اللهُ» لمَّا تقرَّرَ عليهِ اعتقادُهُ مِنَ الأحكامِ، فكأنَّما يذهبُ إلىٰ ذٰلكَ النَّمطِ ويتبعُهُ مَنْ يُقلِّدُهُ.

اور عرف میں یہ اس سے عبارت ہو گیا کہ جس پر کسی مجتہد کی رائے قرار پکڑے، کہا جاتا ہے کہ: "امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے" (یہ بات اس وقت کہی جاتی ہے کہ) جب ان کا اعتقاد احکام میں سے کسی پر قرار پکڑے، گویا کہ وہ اس راستے پر چل پڑا ہے اور جو اس کی تقلید کرے گا وہ ان کی اتباع کرے گا۔

و«الفقهاءُ»: جمعُ فقيهٍ مِنْ فَقُهَ بالضَّمِّ، إذا صارَ الفِقْهُ سجيَّةً لهُ، لا مِنْ فَقِهَ بالكسرِ فإنَّهُ يأتي لغيرِ السَّجايا، قالَ الشَّاعرُ:

ولَرُبَّما بَخِلَ الجوادُ وما بِهِ بُخلٌ ولٰكنْ ذاكَ نَحسُ الطَّالِبِ

اور "فقہاء" فقیہ کی جمع ہے جو کہ "فَقُہَ" (باب کرم سے عین کلمہ کے) ضم کے ساتھ ہے، (کسی شخص کو اس وقت کہا جائے گا کہ) جب فقہ اس کی عادت بن جائے، نہ کہ "فَقِہَ" (باب سمع سے عین کے کلمہ کے) کسرہ کے ساتھ، اس لیے کہ یہ اس شخص کے علاوہ کے لیے بھی آتا ہے جس کی عادت نہ بنی ہو، شاعر کہتا ہے کہ:

اور کبھی سخی آدمی بھی بخل سے کام لیتا ہے جو کہ بخل نہیں ہوتا لیکن طلب کرنے والے کی بد بختی ہوتی ہے۔

والفِقْهُ في اللُّغةِ: الفهمُ الدَّقيقُ الذي يتوقَّفُ على القرينةِ، فإنَّهُ لا يقالُ: فقِهْتُ بأنَّ السَّماءَ فوقَ الأرضِ.

اور لغت میں فقہ اس گہری فہم کو کہتے ہیں کہ جو قرینے پر موقوف ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ: "میں سمجھ گیا آسمان زمین کے اوپر ہے"۔

وفي الاصْطِلاحِ: «الفقهُ: العلمُ بالأحْكَامِ الشَّرعيَّةِ بأدلَّتِها»، وقالَ فخرُ الإسلامِ: «والعملُ بِها»، حتَّى لا يصيرَ نفسُ العلمِ مقصوداً.

اور اصطلاح میں: "فقہ: احکام شرعیہ کا دلائل کے ساتھ جاننا ہے" اور امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "اس پر عمل کرنا" تاکہ نفس علم مقصود نہ بن جائے۔

وقالَ الإمامُ أبو حنيفةَ رحمهُ اللهُ: «الفقهُ معرفةُ النَّفسِ ما لَها وما عليها»، أيْ: ما ينتفعُ بهِ مِنَ الثَّوابِ بإتيانِ الطَّاعاتِ، وما يُتضرَّرُ بهِ مِنَ العقابِ بإتيانِ المحارِمِ والمحظوراتِ.

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "فقہ، نفس کے حقوق اور فرائض وواجبات جاننے کا نام ہے"، یعنی نفس کو عبادت کے پورے کرنے سے ثواب کا نفع حاصل ہوتا ہے، اور حرام اور ممنوع کام کے ارتکاب سے عقاب کا ضرر ملتا ہے۔

وإنَّما سمَّى أبَا حنيفةَ وصاحبَيهِ بفُقَهاءِ الملَّةِ، وهيَ: الدِّينُ الحنيفُ الذي بُعِثَ النَّبيُّ ﷺ بِهِ، لأنَّهُمْ أرفعُ العلماءِ شأناً، وأقواهُمْ حجَّةً وبرهاناً، السَّابقونَ في تمهيدِ الأصولِ والفروعِ، الجامعونَ بينَ الرَّأيِ الصَّحيحِ والمرويِّ المسموعِ، وباعتبارِ أنَّ الفقيهَ هوَ العالمُ بأحكامِ الشَّرعِ بدلائِلِها والعامِلُ بِها، وهُمْ جمعوا بينَهما:

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ اور آپ کے دونوں شاگردوں کو فقہاءِ ملت کا نام دیا، جو کہ وہ دینِ حنیف ہے، جس کے ساتھ نبی ﷺ کو بھیجا گیا ہے، اس لیے کہ یہ حضرات علماء کے اندر شان کے اعتبار سے بڑے، اور ان کے درمیان حجۃ اور دلیل کے اعتبار سے قوی ترین ہیں، اور دین کے اصول وفروع کو مرتب کرنے میں سبقت کر جانے والے اور رائے صحیح (عقلی دلیل) اور مروی مسموع (نقلی دلیل) کو جمع کرنے والے ہیں، اور اس اعتبار سے کہ فقیہ دلائل کے ساتھ احکامِ شریعت کو جاننے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے کو کہتے ہیں، جبکہ ان حضرات نے ان دونوں کو جمع کر دیا تھا۔

- **أمَّا العلمُ**: فقدْ ظهرتْ آثارُهُ في الشَّرقِ والغربِ، قالَ وكيعٌ: فُتِحَ لأبي حنيفةَ في الفِقهِ والكلامِ ما لمْ يُفتحْ لغيرِهِ. قالَ الحسينُ: سمعتُ النَّضر بن شُميل يقولُ: كانَ النَّاسُ نياماً عَنِ الفِقهِ حتَّى أيقظَهُمْ أبو حنيفةَ رحمهُ اللهُ بما فتَقَهُ وبيَّنَهُ ولخَّصَهُ. وصحَّ عنِ الشَّافعيِّ رحمهُ اللهُ أنَّهُ قالَ: كلُّ النَّاسِ عيالٌ على أبي حنيفةَ في الفقهِ. قالَ أحمدُ بنُ صباحٍ: سمعتُ الشَّافعيَّ يقولُ: قلتُ لمالكِ بنِ أنسٍ: هلْ رأيتَ أبا حنيفةَ؟ قالَ: نعمْ، رأيتُ رجلاً لو كلَّمَكَ في هٰذِهِ السَّاريةِ أنْ يجعلَها ذهباً لقامَ بحجَّتِهِ.

بہر حال علم: تو اس کے آثار مشرق اور مغرب میں ظاہر ہے، حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ کے لیے فقہ اور کلام کے دروازے ایسے کھل گئے کہ جو کسی دوسرے کے لیے ایسے نہیں کھلے، حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: لوگ فقہ کے حوالے سے سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیدار کر دیا، اس کو کھولا، اس کو بیان کر دیا اور اس کی تخلیص کی۔

- **وأمَّا العملُ**: فقالَ عليُّ بنُ زيدٍ: رأيتُ أبا حنيفةَ رضيَ اللهُ عنهُ ختمَ القرآنَ في شهرِ رمضانَ ستِّينَ ختمةً، ختمةً باللَّيلِ وختمةً بالنَّهارِ. وقالَ حفصُ بنُ غياثٍ: صلَّى أبو حنيفةَ صلاةَ الفجرِ بوضوءِ العشاءِ الآخرةِ أربعينَ سنةً. ومناقبُهُ في العلمِ والعملِ مشهورةٌ لا تحصىٰ.

بہر حال عمل: تو علی بن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ رمضان میں قرآن کریم کو ساٹھ مرتبہ ختم فرماتے تھے، ایک ختم دن کو اور ایک رات کو، اور حفص ابن غیاث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے، اور علم اور عمل میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بے شمار ہیں۔

فلمَّا تحقَّقَ عندَ أبي جعفرٍ الطَّحاويِّ، الذي هوَ إمامُ المحدِّثينَ، أنَّهم جمعوا بينَ العلمِ والعملِ، وأنَّ مذهبَهُمْ عمدةُ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ، سماَّهُمْ فقهاءَ الملَّةِ واختارَهُ لنفسِهِ، وذٰلكَ لأنَّ أبا حنيفةَ وُلِدَ في عصرِ الصَّحابةِ، ورَوىٰ عَنْ بعضِهِمْ، وتَفَقَّهَ في زَمَنِ التَّابعينَ وناظَرَ بعضَهُمْ فكانَ منهُمْ، وقدْ رضيَ اللهُ عنهُمْ ورضوا عنهُ علىٰ ما نطَقَ بِهِ الكتابُ العزيزُ، وشهدَ النَّبيُّ بِخيريَّتِهِمْ حيثُ قالَ: «خيرُ القرونِ الذي أنا فيهِ، ثمَّ الذينَ يلونَهُمْ» الحديث.

پس امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ خود امام المحدثین ہیں، کے نزدیک یہ ثابت ہوگیا کہ ان حضرات نے علم وعمل کو جمع کردیا تھا، اور یہ کہ ان کا مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد ہے، تو ان کو فقہاءِ ملت کا نام دیا اور اسی کو اپنے لیے بھی پسند فرمایا، اور یہ اس لیے ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے، اور ان میں سے بعض حضرات سے روایت بھی کی ہیں، اور تابعین کے زمانے میں تفقہ حاصل کیا، اور ان میں سے بعض حضرات کے ساتھ مناظرہ بھی کیا تو انہی میں سے ہوگیا، اور کتاب عزیز کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خیر پر ہونے کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”بہترین زمانہ وہ ہے کہ جس میں میں ہوں، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے“۔ الحدیث۔

وقولُه: (وما يعتقدونَهُ **مِنْ أُصولِ الدِّينِ**» معنى الاعتقادِ قدْ مضىٰ.

”جن کا یہ فقہائے ملت دین کے اصول کے طور پر اعتقاد رکھتے تھے“ اعتقاد کا معنیٰ گزر چکا ہے۔

و«**أصولُ الدِّينِ**» مركَّبٌ إضافيٌّ جُعِلَ علماً لعلْمٍ مخصوصٍ، فقيلَ في تعريفِهِ مِنْ حيثُ كونُهُ عِلماً: إنَّه «علمٌ يُبْحثُ فيهِ عَنْ أسماءِ اللهِ وصفاتِهِ وأفعالِهِ وأحوالِ المخلوقينَ، مِنَ الملائكةِ والأنبياءِ والأولياءِ والأئمَّةِ، والمبدأِ والمعادِ علىٰ قانونِ الإسلامِ، لا علىٰ أصولِ الحكماءِ، تحصيلاً لليقينِ في العَقدِ الإيماني ورفعاً للشُّبهاتِ».

اور ”اصول الدین“ ایک مرکبِ اضافی ہے، جس سے ایک مخصوص علم کا نام بنایا گیا ہے، ایک علم کی حیثیت سے اس کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ: ”یہ ایک ایسا علم ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات، اس کے افعال، مخلوقین میں سے

ملائکہ، انبیاء، اولیاء، ائمہ، مبدأ اور معاد کے احوال سے عقدِ ایمانی اور دفعِ شبہات کے لیے قانونِ اسلامی کے مطابق بحث ہوتی ہے، نہ کہ فلاسفہ کے اصول کے مطابق۔

وقدْ يُسمَّى أصول الدِّينِ بعلمِ الكلامِ، إمَّا لأنَّ أظهرَ مسألةٍ تكلَّموا فيها وتُقاتِلوا عليها هيَ مسألةُ الكلامِ، فسمِّي النَّوعِ باسمِها وقيلَ: سمِّي كلاماً لأنَّ ظهورَ كمالِ الكلامِ، إنَّما يكونُ ببيانِ الحقائقِ وإبرازِ الدَّقائقِ، وذٰلكَ لا يحصُلُ إلَّا بهٰذا العِلْمِ، فجُعَلَ نفسُ هٰذا العلمِ كلاماً مجازاً للمبالغةِ، وقيلَ: إنَّ المنكرينَ للمباحثِ العقليَّةِ والأدلَّةِ البرهانيَّةِ، إذا سُئِلُوا عَنْ مسألةٍ تتعلَّقُ بصفاتِ اللهِ وأفعالِهِ قالوا: نُهينا عَنِ الكلامِ في هٰذا، فاشتهَرَ هٰذا الاسمُ لهُ فصارَ عَلماً لهُ بالغلبةِ.

اور کبھی اصول الدین کو علم الکلام کا نام دیا جاتا ہے، یا تو اس لیے کہ اس میں مشہور مسئلہ کہ جس پر کلام کیا گیا اور اس پر قتال ہوئے کلام کا مسئلہ ہے، اس لیے اس پر ایک نوع کا نام رکھ دیا گیا۔

اور کہا گیا ہے کہ: اس کو کلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ کمالِ کلام کا اظہار حقائق کا بیان اور دقیق باتوں کی وضاحت سے ہوتا ہے اور یہ چیز صرف اس علم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اس علم کو ہی مبالغہ کے لیے مجازاً کلام کا نام دیا گیا۔

اور کہا گیا ہے کہ: مباحثِ عقلیہ اور دلائل برہانیہ کے منکرین سے جب کسی ایسے مسئلے سے متعلق سوال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال سے متعلق ہو تو وہ کہتے ہیں کہ: ہمیں اس بارے میں کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے اس کے لیے یہ نام مشہور ہو گیا، غلبہ کے طور پر یہ اس کے لیے ایک نشانی بن گیا۔

– وأمَّا مِنْ حيثُ كونُهُ مضافاً، فالأصلُ: ما يُبنىٰ عليهِ غيرُهُ. والدِّينُ: وضعٌ إلٰهيٌّ سائقٌ لذوِي العقولِ إلى الخيرِ، وهوَ الإسلامُ. قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾. وقدْ وَرَدَ الدِّينُ بمعنى: الانقيادُ والطَّاعةُ، والجزاءُ والحسابُ، فالمُتديِّنُ: هو المسلمُ المطيعُ المُقِرُّ بالجزاءِ والحسابِ يومَ المعادِ، وهوَ خيرُ العبادِ.

رہا اس کی اضافی حیثیت تو "اصل": (کا معنی ہے) جس پر کسی اور کی بنا کی جائے، اور "دین" ایک ایسی الوہی وضع ہے جو عقلمندوں کو خیر کی طرف لے جاتا ہے، اور یہ اسلام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا" اور کبھی دین تسلیم، طاعت، جزاء اور حساب کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اور "متدین" (دیندار) وہ فرمانبردار مسلمان ہے جو قیامت کے دن جزاء اور حساب کا اقرار کرنے والا ہو، اور یہی بہترین بندہ ہے۔

قول: (وما يَدِينُونَ بِهِ رَبَّ العالمينَ)، أيْ: ما يتَّخذونَهُ ديناً ويَطلبُونَ بِهِ الجزاءَ مِنَ اللهِ، «والرَّبُّ» المالكُ، و «العالَمينَ» جمعُ عالَمٍ، وهوَ اسمٌ لذوِي العلمِ مِنَ الملائكةِ والثَّقلينِ، وقيلَ: ما عُلِمَ بهِ الخالقُ مِنَ الأجسامِ والأعراضِ، سمِّيَ بهِ لكونِهِ عَلَماً علىٰ ثبوتِ الصَّانِعِ.

”اور رب العالمین کے بارے میں یہی ان کا دین (وایمان) ہے“ یعنی یہی وہ ہے کہ جس کو وہ دین کے طور پر لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے جزاء طلب کرتے ہیں، اور ”رب“ مالک کو کہتے ہیں، اور ”العالمین“ عالم کی جمع ہے، اور یہ ذوی العقول ملائکہ اور ثقلین (جن وانس) کا نام ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ: (عالم ان تمام) اجسام اور اعراض کا نام ہے جن کے ذریعے سے خالق کی پہچان ہو سکے، پھر ان کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہ ثبوتِ صانع پر نشانی ہیں۔

فصل: الكلام في التوحيد

قولُه: (**نَقُولُ فِي تَوْحِيدِ اللهِ، مُعْتَقِدِينَ بِتَوْفِيقِ الله: إِنَّ اللهَ تعالَى واحدٌ لا شريكَ لهُ، ولا شَيْءَ مِثْلُهُ، ولا شَيْءَ مُعْجِزُهُ، ولا إِلَهَ غَيْرُهُ**). إنَّما ابتدأ بالتَّوحيدِ لأنَّ أوَّلَ خطابٍ يتوجَّهُ على المكلَّفِ هوَ الخطابُ بإثباتِهِ، وإليهِ بُعِثتِ الأنبياءُ، وبهِ نزَلَتِ الكُتُبُ السَّماويَّةُ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَـٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾.

"ہم توحید باری تعالیٰ کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: بے شک اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے، کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے"۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی ابتدا توحید سے اس لیے کی کیونکہ یہ پہلی چیز ہے جس کے اثبات کے ساتھ مکلف کی طرف خطاب متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کی طرف انبیاء کو بھیجا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا میری عبادت کرو"۔

وإنَّما قالَ: «مُعْتَقِدِينَ» وهوَ حالٌ عَنِ الضَّميرِ في «نقولُ» تحقيقاً للإيمانِ، لأنَّ مجرَّدَ الإقرارِ باللِّسانِ بدونِ الاعتقادِ بالجَنَانِ لا يكونُ إيماناً، بلْ يكونُ ذٰلكَ نفاقاً علىٰ ما أخبرَ اللهُ تعالَى عَنْ حالِ المنافقينَ بقولِهِ: ﴿قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ﴾.

اور مصنف نے "مُعْتَقِدِينَ" فرمایا جو کہ "نقولُ" کے ضمیر سے حال ہے، یہ ایمان کی تحقیق کے لیے ہے، اس لیے کہ دل کے اعتقاد کے بغیر صرف زبانی اقرار ایمان نہیں کہلاتا ہے، بلکہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "انہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دِل ایمان نہیں لائے" میں منافقین کی حالت کی خبر دی ہے اس کے مطابق یہ نفاق کی علامت ہے۔

وإنَّما قالَ: «بتوفيقِ اللهِ» إشارةً إلىٰ قولِ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ أنَّ الوصولَ إلى التَّوحيدِ بِهدايةِ اللهِ علىٰ ما قالَ تعالَى: ﴿يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ﴾، لا بصُنعِ العبادِ كما زَعَمتِ المعتزلةُ.

اور مصنف نے اپنے قول: "بتوفیق اللہ" سے اہل السنہ والجماعۃ کی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ توحید تک انسان کی پہنچ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے" نہ کہ بندے کے اپنے کردار سے جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔

قولُهُ: (إنَّ اللهَ واحدٌ) هٰذا بيانٌ للمقولِ، أيْ: نقولُ حالةَ الاعتقادِ إنَّ اللهَ واحدٌ. قيلَ: «الواحدُ» و«الأحدُ» مترادِفانِ، وقد جاءَ في القرآنِ وَصْفُ اللهِ بِهما، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾.

اور "اللہ ایک ہے" (نقول کے) مقولہ کا بیان ہے، یعنی اعتقاد کی حالت میں کہتے ہیں کہ: اللہ ایک ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ: "الواحد" اور "الأحد" مترادف الفاظ ہے، قرآن میں دونوں الفاظ کے ساتھ اللہ کی صفت آئی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "وہ تو اللہ ہے، ایک، اور زبردست اقتدار کا مالک" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کہہ دو: بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے"۔

وقيلَ: يفيدُ كلُّ واحدٍ منهُمَا ما لا يفيدُهُ الآخرُ، فإنَّ «الواحدَ» يُستعملُ لإفادةِ الصِّفاتِ، و«الأحدَ» يرجعُ إلى الذَّاتِ، يقالُ: فلانٌ واحدُ زمانِهِ، يُعْنَونُ بذٰلكَ تفرُّدَهُ بصفاتٍ كماليَّةٍ لا يشارِكُهُ فيها غيرُهُ، ولهٰذا قيلَ: إنَّ اللهَ تعالَى أَحَدٌ في ذاتِهِ، وواحدٌ في صفاتِهِ. قالَ الأزهريُّ: «الواحد» في صفةِ اللهِ تعالَى لهُ معنيانِ: أحدُهُما: أنَّهُ واحدٌ لا نظيرَ لَهُ وليسَ كمثلِهِ شيءٌ، والعربُ تقولُ: فلانٌ واحدُ قومِهِ، إذا لَمْ يكنْ لهُ نظيرٌ. والمعنى الثَّاني: أنَّهُ إلٰهٌ واحدٌ وربٌّ واحدٌ، ليسَ لهُ في ألوهيَّتِهِ وربوبيَّتِهِ شريكٌ.

جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: ان دو الفاظ میں سے ہر ایک کوئی ایسا فائدہ دیتا ہے جو دوسرا نہیں دیتا، اس لیے کہ "الواحد" صفات کے افادہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور "الأحد" کا تعلق ذات کے ساتھ ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ: "فلان شخص اپنے زمانے کا یکتا ہے" اس سے اس کا صفاتِ کمالیہ کے ساتھ ایسا یکتا ہونا مراد لیا جاتا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اَحد (ایک) ہے، اور اپنی صفات میں واحد (ایک) ہے۔

ازھری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی صفت میں "الواحد" کے دو معانی ہیں:

ایک یہ کہ وہ ایک ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور عرب کہتے ہیں کہ: "فلان شخص اپنی قوم کا اکیلا بندہ ہے" جبکہ اس کا کوئی نظیر نہ ہو۔

دوسرا معنی یہ کہ وہ اکیلا معبود اور اکیلا رب ہے، جس کی الوہیت اور ربوبیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

بیانُ معنَی التَّوحیدِ:

وعبَّرَ بعضُ أصحابِنا عَنِ التَّوحیدِ فقالَ: هوَ نفيُ الشَّریكِ والقَسِیمِ والشَّبیهِ، فاللهُ تعالَی واحدٌ في أفعالِهِ، لا یُشارکُهُ أحدٌ في إیجادِ المصنوعاتِ، وواحدٌ في ذاتِهِ لا قَسِیمَ لَهُ ولا ترکیبَ فیهِ، وواحدٌ في صفاتِهِ لا یُشبِهُ الخلقَ فیها.

اور ہمارے بعض اہلِ علم نے توحید کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: یہ شریک، قسیم (مقابل) اور شبیہ کی نفی ہے، پس اللہ تعالی اپنے افعال میں ایک ہے، مخلوقات کو وجود دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اور اپنی ذات میں ایک ہے، اس کا کوئی قسیم نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں ترکیب ہے، اور وہ اپنی صفات میں ایک ہے ان میں کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔

وقبلَ إقامةِ البرهانِ علی التَّوحیدِ لا بُدَّ مَنْ ذکرِ: إثباتِهِ، ووُجوبِ معرفتِهِ، وکیفیَّةِ الوصولِ إلیٰ ذٰلكَ.

توحید پر دلیل قائم کرنے سے پہلے اس کے اثبات، اس کے وجوبِ معرفت اور اس تک پہنچنے کی کیفیت کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

بیانُ الخلافِ في وجوبِ معرفتِهِ تعالَی

اللہ تعالیٰ کی معرفت کے وجوب کے بارے میں اختلاف کا بیان:

فنقولُ: اختلفَ النَّاسُ في وجوبِ معرفةِ اللهِ:

ہم کہتے ہیں کہ: لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے وجوب کے بارے میں اختلاف کیا ہے:

فذهبتِ الحشویةُ الذینَ یتعلَّقون بالظَّواهرِ إلیٰ أنَّ معرفةَ اللهِ تعالَی غیرُ واجبةٍ، بلِ الواجبُ الاعتقادُ الصَّحیحُ المستفادُ بالظَّواهِرِ، وأنکروا علی المستدِلِّینَ بالدَّلائلِ العقلیَّةِ.

حشویہ لوگ جو ظواہر کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں کا ماننا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب نہیں ہے، بلکہ واجب تو صرف ظواہر سے حاصل ہونے والا اعتقادِ صحیح ہے، اور دلائل عقلیہ سے استدلال کرنے والوں پر نکیر کی ہیں۔

وذهبَ جمهورُ المسلمینَ إلیٰ أنَّ معرفةَ اللهِ واجبةٌ، لٰکِنِ اختلَفُوا في طریقِها:

جبکہ جمہور مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے، لیکن پھر اس کے طریقے کے بارے میں اختلاف کیا ہے:

- فذهبَ الصُّوفيَّةُ وأصحابُ الطَّريقَةِ إلىٰ أنَّ طريقَ معرفةِ اللهِ إنَّما هوَ الرياضةُ وتصفيةُ الباطنِ، ليستعدَّ للوارداتِ والشَّواهدِ والمعرفةِ التي يعجزُ العقلُ عن تعبيرِها، فعمدتُهُمْ على الذَّوقِ في إدراكِ المعارفِ.

صوفیاء اور اہلِ طریقت حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ ریاضت اور باطن کی صفائی ہے، تاکہ وہ واردات، شواہد اور اس معرفت کے لیے تیار ہو سکے جس کی تعبیر سے عقل عاجز ہے، معارف کے ادراک کے حوالے سے ان کا اعتماد ذوق پر ہوتا ہے۔

- وقالتْ طائفةٌ: لا تحصلُ المعرفةُ إلّا بالإلهام.

ایک جماعت کہتی ہے کہ: الہام کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

- وقال أهْلُ التَّعليمِ مِنَ الإسماعيليَّةِ: لا يحصلُ إلَّا بتعليمِ الإمامِ المعصومِ فهم يوجبون نصب الإمام، ويُحيلونَ خُلوَّ الزَّمانِ عَنْ وجودِ إمامٍ معصومٍ يهدي الخلقَ إلىٰ معرفةِ اللهِ.

اور اسماعیلیوں کی تعلیمی جماعت کہتی ہے کہ: معرفت، امامِ معصوم کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے، وہ نصبِ امام کو واجب سمجھتے ہیں، اور کسی ایسے زمانے کے وجود کو محال سمجھتے ہیں کہ جو کسی ایسے امامِ معصوم سے خالی ہو جو لوگوں کو اللہ کی معرفت کی طرف بلائے۔

وقالَ جمهورُ المتكلِّمينَ: إنَّ طريقَ معرفةِ اللهِ إنَّما هوَ بالنَّظرِ والاستدلالِ، إذِ العلمُ بوجودِهِ تعالَى ليسَ بضروريٍّ فلا بُدَّ لهُ مِنْ دليلٍ، والدَّليلُ النَّقليُّ مِنَ الكتابِ والسُّنَّةِ فرعٌ علىٰ ثبوتِهِ وثبوتِ النُّبوَّةِ، فلا يُمكنُ الاستدلالُ بهِ في الأصولِ، فتعيَّنَ الاستدلالُ بالدَّلائلِ العقليَّةِ التي وردَ النَّقلُ أيضاً بتصحيحِها، فالطَّريقُ إلى إثباتِهِ تعالَى إما إمكانُ العالَمِ، أو حدوثُهُ، وإمَّا مجموعُهُما، وكلُّ ذٰلكَ إمَّا في الجواهرِ أو في الأعراضِ:

اور جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا راستہ نظر و استدلال ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے متعلق علم ضروری[1] نہیں ہے، لہٰذا دلیل کی ضرورت ہوگی، اور کتاب و سنت سے نقلی دلائل اللہ تعالیٰ کے ثبوت اور نبوت کے ثبوت کی فرع ہیں جن سے اصول پر استدلال ممکن نہیں ہے، تو دلائلِ عقلیہ سے استدلال ہی متعین ہو گیا، جن کی تصحیح پر نقلی دلائل بھی وارد

(۱) علمِ ضروری اس علم کو کہتے ہیں کہ جس کے لیے نظر و استدلال کی ضرورت نہ ہو، بلکہ انسان کو خود بخود حاصل ہو جائے، اور علمِ نظری یا علمِ غیر ضروری وہ علم ہے کہ جس کے لیے نظر و استدلال کی ضرورت ہو۔

ہوئی ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے اثبات کا طریقہ یا تو عالم کا ممکن ہونا ہے، یا اس کا حادث ہونا ہے، یا ان دونوں کا مجموعہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک یا تو جواہر میں ہوگا یا اعراض میں:

فالإشارةُ إلى الاستدلالِ بإمكانِ الذَّواتِ في قولِهِ تعالَى: ﴿وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾، لأنَّ الممكنَ مفتقرٌ في ذاتِهِ إلىٰ مَنْ يُوجِدهُ، والواجبُ غنيٌّ عَنْ غيرِهِ في وجودِهِ.

افراد کے ممکن ہونے کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول: "اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم محتاج ہو" میں اشارہ موجود ہے، اس لیے کہ ممکن اپنی ذات میں اپنے وجود دینے والے کا محتاج ہوتا ہے، اور واجب اپنے وجود میں دوسروں سے مستغنی ہوتا ہے۔

والإشارةُ إلى الاستدلالِ بالحدوثِ في قولِهِ في قصَّةِ إبراهيمَ عليهِ السَّلامُ: ﴿لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾، وهٰذِهِ الطَّريقةُ أقربُ الطُّرُقِ إلىٰ إفهامِ الخلقِ، وذٰلكَ محصورٌ في أمرينِ: دلائلُ الأنفُسِ، ودلائلُ الآفاقِ المشارُ إليهِما في قولِهِ تعالَى: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾.

اور حدوث سے استدلال کی طرف اشارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں موجود اللہ تعالیٰ کے قول: "میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا" میں موجود ہے، اور یہ طریقہ لوگوں کو سمجھانے کا قریب ترین طریقہ ہے، اور یہ دو چیزوں میں بند ہے: دلائل انفس (اپنی ذات کے اندر موجود دلائل) اور دلائل آفاق (کائنات کے اندر موجود دلائل) جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول: "ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دِکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے" میں اشارہ کیا گیا ہے۔

أمَّا دلائلُ الأنفُسِ: فهيَ أنَّ كلَّ واحدٍ يعلمُ بالضَّرورةِ أنَّه لمْ يكنْ موجوداً ثمَّ وُجِدَ، وكلُّ ما وُجِدَ بعدَ العدمِ لا بدَّ لهُ مِنْ مُوجِدٍ، وذٰلكَ الموجِدُ ليسَ هوَ نفسُهُ ولا الأبوانِ ولا سائرُ الخلقِ؛ لأنَّ عجزَهُمْ عنْ مثلِ هٰذا التَّركيبِ معلومٌ بالضَّرورةِ، فلا بدَّ مِنْ صانعٍ قديمٍ مخالفٍ لهٰذِهِ الموجوداتِ.

جہاں تک دلائل انفس کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ معدوم تھا پھر موجود ہو گیا، اور ہر وہ چیز کہ جو عدم کے بعد وجود میں آئے اس کے لیے کسی موجِد (وجود دینے والے) کا ہونا ضروری ہے، اور یہ موجِد نہ وہ خود ہے، نہ اس کے والدین ہیں اور نہ ہی پوری مخلوق میں سے کوئی ہے، اس لیے کہ ان سب کا اس ترکیب سے عاجز ہونا ضروری طور پر معلوم ہے، لہٰذا کسی ایسے صانع کا موجود ہونا ضروری ہے جو ان موجودات سے مختلف ہو۔

وأمّا دلائلُ الآفاقِ: فلأنَّ العالَمَ يتغيَّرُ، ويُدرَكُ التَّغيُّرُ بالمشاهدةِ مِنْ اختلافِ الفُصُولِ، واللَّيلِ والنَّهارِ، والطُّلوعِ والأفولِ، والرَّعدِ والبرقِ والسَّحابِ وغيرِ ذٰلكَ، وكلُّ متغيِّرٍ حادثٌ، فلا بدَّ مِنْ محدثٍ قديمٍ، إذْ لو كانَ حادثاً لاحتاجَ إلىٰ مُحدِثٍ آخرَ، فيدورُ أو يتسلسَلُ، وهُما محالانِ.

جہاں تک دلائل آفاق کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ عالم تبدیل ہوتا رہتا ہے، اور اس تبدیلی کا ادراک موسموں کے اختلاف، دن رات، طلوع اور غروب، گرج اور چمک اور بادلوں وغیرہ کے مشاہدے سے ہوتا ہے، اور ہر تبدیل شدہ چیز حادث ہوتی ہے، جس کے لیے کسی مُحدِث (پیدا کرنے والی) کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ قدیم ہو، اس لیے کہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کو دوسرے مُحدِث کی ضرورت پڑے گی، تو یا تو دور لازم آئے گا یا تسلسل، اور یہ دونوں محال ہیں۔

وهٰذا الاستدلالُ هوَ طريقةُ الأنبياءِ عليهِمُ السَّلامُ والمتقدِّمينَ مِنَ العلماءِ والعُقلاءِ، وذٰلكَ لأنَّ آدمَ عليهِ السَّلامُ إنَّما أظهرَ اللهُ حُجَّتَهُ علىٰ فضلِهِ، بأنْ أظهرَ علمَهُ على الملائكةِ، وذٰلكَ محضُ الاستدلالِ. وقالَ اللهُ تعالَى إخباراً عنْ نوحٍ: ﴿يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾، وأخبرَ عنْ قومِهِ بقولِهِ: ﴿قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾، ومعلومٌ أنَّ تلكَ المجادلةَ ما كانتْ فِي الفروعِ، بلْ فِي التَّوحيدِ والنُّبوَّةِ ونُصرةِ الحقِّ بالدَّلائلِ القطعيَّةِ.

یہ استدلال انبیاء علیہم السلام اور متقدمین علماء اور عقلاء کا طریقہ ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کی حجت کو اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعے ظاہر کر دیا، کہ آپ علیہ السلام کے علم کو ملائکہ پر ظاہر کر دیا، اور یہ محض ایک استدلال ہی تھا۔

اور اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "اے میری قوم: ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی وہ تمہیں سجھائی نہیں دے رہی، تو کیا ہم اُس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو؟" اور آپ علیہ السلام کی قوم سے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ: "انہوں نے کہا: اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، اور بہت بحث کر چکے" اور یہ معلوم ہے کہ یہ بحث فروعات سے متعلق نہیں تھی، بلکہ قطعی دلائل کے ذریعے توحید، نبوت اور حق کی نصرت سے متعلق تھی۔

مطلب

في مقاماتِ إبراهيمَ عليهِ السَّلامُ في الاستدلالِ

ولإبراهيمَ عليهِ السَّلامُ مقاماتٌ:

أوَّلُها: معَ نفسِهِ وهوَ قولُهُ: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾، وهٰذِهِ هيَ طريقةُ المتكلِّمينَ في الاستدلالِ بتغيُّرِها على حدوثِها، ثمَّ إنَّ اللهَ تعالَى مدَحَهُ علىٰ ذٰلكَ فقالَ: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ﴾.

حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے مقامات ہیں:

پہلا مقام: اپنی ذات کے ساتھ ہے، اور یہ ان کا قول: "چنانچہ جب اُن پر رات چھائی تو اُنہوں نے ایک ستارا دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ڈُوب گیا تو انہوں نے کہا کہ: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا"، اور تغیر سے حدوث پر استدلال کرنے میں یہی طریقہ متکلمین کا بھی ہے، پھر اللہ تعالی نے اس پر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی"۔

وثانيُها: حالُه معَ أبيهِ وهوَ قولُهُ: ﴿يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا﴾.

دوسرا مقام: ان کی اپنے والد کے ساتھ حالت تھی، اور یہ ان کا قول: "ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں" ہے۔

وثالثُها: معَ قومِهِ بالقولِ والفعلِ، وهوَ قولُهُ: ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ﴾.

تیسرا مقام: قول اور فعل سے اپنی قوم کے ساتھ، اور یہ ان کا قول: "چنانچہ ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تاکہ وہ لوگ اُن کی طرف رُجوع کریں" ہے۔

ورابعُها: حالُهُ معَ مَلِكِ زمانِهِ نُمروذ، وهوَ قولُهُ: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾، فاستدلَّ على الرُّبوبيَّةِ بفعلٍ يُعجزُ عنهُ غيرُهُ، مِنَ الإحياءِ والإماتةِ وإتيانِ الشَّمسِ مِنَ المشرقِ.

چوتھا مقام: اپنے زمانے کے بادشاہ کے ساتھ ان کی حالت ہے، اور یہ ان کا قول: "میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی"، احیاء (زندہ کرنے)، اماتت (مار دینے) اور سورج کو مشرق سے نکالنے جیسے افعال کے ذریعے ربوبیت پر استدلال کر لیا جن سے دوسرے لوگ عاجز ہیں۔

وموسىٰ عليهِ السَّلامُ عوّلَ في أكثرِ الأمرِ علىٰ دلائلِ إبراهيمَ عليهِ السَّلامُ، وذٰلكَ لأنَّ اللهَ تعالَى حكىٰ في سورةِ طٰهٰ: ﴿قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ، قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾، وهٰذا بعينِهِ هوَ الدَّليلُ الذي ذكرَهُ إبراهيمُ عليهِ السَّلامُ في قولِهِ: ﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ﴾، وقالَ في سورةِ الشُّعراءِ: ﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾، وهٰذا هوَ الذي قالَ إبراهيمُ: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾، فلمَّا لمْ يكتفِ فرعونُ وطالبَهُ بشيءٍ آخرَ قالَ موسىٰ: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾، وهٰذا هوَ الذي قالَ إبراهيمُ: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾.

اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اکثر معاملات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل پر اعتماد کیا ہے، یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں حکایت کی ہے کہ: "(ساری باتیں سن کر) فرعون نے کہا: موسیٰ! تم دونوں کا رب ہے کون؟ موسیٰ نے کہا: ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اُس کے مناسب تھی، پھر (اس کی) رہنمائی بھی فرمائی"، اور یہ بعینہ وہی دلیل ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول: "جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے" میں پیش کیا تھا۔

اور سورۃ الشعراء میں فرمایا کہ: "وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی"، یہ وہی دلیل ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی"، جب فرعون نے اکتفا نہیں کیا اور مزید کسی دلیل کا مطالبہ کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "وہ مشرق و مغرب کا بھی پروردگار ہے" اور یہ وہی دلیل ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال لاؤ"۔

وأمَّا نبيُّنا فاشتغالُهُ بالدَّلائِلِ على التَّوحيدِ والنُّبوَّةِ والمعادِ أكثرُ وأظهرُ مِنْ أنْ يُحتاجَ إلى الذِّكرِ، فإنَّ القرآنَ مملوءٌ منهُ.

جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کی بات ہے تو توحید، نبوت اور آخرت پر استدلال کے ساتھ مشغولیت اتنی زیادہ اور واضح ہے کہ اس کے تذکرے کی ضرورت نہیں ہے، اس لے کہ قرآن اس سے بھرا پڑا ہے۔

وقدْ قالَ تعالَى: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾، ولا شكَّ أنَّ المرادَ بقولِهِ: «بالحكمةِ» أي: البرهانُ والحجَّةُ، فكانتِ الدَّعوةُ بالحجَّةِ

والبرهانِ مأموراً بها. وقولُهُ: ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ليسَ المرادُ منهُ المجادلةُ بالفروعِ؛ لأنَّهم ينكرونَ أصلَ الشَّريعةِ، فتعيَّنَ أنَّ المرادَ المجادلةُ في التَّوحيدِ والنُّبوَّةِ.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اُسلوبی سے نصیحت کرکے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو"، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ "حکمت" سے مراد دلیل اور حجت ہے، لہٰذا دلیل اور حجت مامور بہا (جن کا حکم دیا گیا ہے) ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قول: "ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو" سے مراد فروع میں بحث نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اصلِ شریعت کے منکر ہیں، لہٰذا یہ متعین ہے کہ اس سے مراد توحید اور نبوت کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

وقال تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ يُفهمُ منهُ أنَّ الجدالَ بالعلمِ ليسَ بمذمومٍ، بلْ هوَ ممدوحٌ، واللهُ تعالَى يأمرُنا بالنَّظرِ والتَّدبُّرِ والتَّفكُّرِ فقالَ: ﴿قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾، ﴿أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس کوئی علم نہیں ہے"، اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم کے ساتھ جھگڑا (یا بحث کرنا) مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں نظر، تدبر اور تفکر کا حکم دیا ہے، فرماتے ہیں کہ: "(اے پیغمبر) ان سے کہو کہ: ذرا نظر دوڑاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں"، "اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر غور نہیں کیا"۔

وذكرَ التَّفكُّرَ في معرِضِ المدحِ فقالَ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾، ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾، وذمَّ الإعراضَ عَنِ الآياتِ فقالَ: ﴿وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾. ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا﴾.

اور اللہ تعالیٰ نے تفکر کو مدح کے مقام پر ذکر کردیا ہے، فرماتے ہیں کہ: "بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں"، "یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کی نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں"، اور نشانیوں سے اعراض کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے ہیں"، "ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں"۔

وذمَّ اللهُ تعالَى التَّقليدَ فقالَ حكايةً عَنِ الكفَّارِ: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾، وقالَ: ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾، وكلُّ ذٰلكَ يدلُّ علىٰ وجوبِ النَّظرِ والفكرِ وذمِّ التَّقليدِ.

اور اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت کی ہے، پس کفار کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُنہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں"، اور فرمایا کہ: "ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے"، اور یہ تمام (آیتیں) نظر، فکر اور تقلید کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں۔

والمقصودُ مِنْ هٰذا رفعُ إنكارِ الحشويَّةِ علىٰ مَنْ يشتغلُ بأصولِ الدِّينِ، معَ أنَّ أصولَ الدِّينِ ليسَ إلا التَّمسُّكَ بِهٰذِهِ الدَّلائلِ ودَفعِ الشُّبُهاتِ عنْها، وهيَ حرفةُ الأنبياءِ المعصومينَ، والتَّقليدُ حرفةُ الكفَّارِ المخذولينَ.

اس عبارت سے مقصود اصول الدین کے ساتھ مشغول رہنے والے اہل علم پر حشویہ کے اعتراض کو دفع کرنا ہے، کہ اصول الدین ان دلائل سے استدلال کرنے اور ان سے شبہات کو ختم کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، جو کہ انبیاءِ معصومین کا طریقہ ہے، جبکہ (اندھی) تقلید رسوا کافروں کا طریقہ ہے۔

علىٰ أنَّ شرفَ العلمِ بشرفِ المعلومِ، ولمَّا كانَ ذاتُ اللهِ وصفاتُهُ أشرفَ المعلوماتِ، كانَ العلمُ المتعلِّقُ بهِ وهوَ علمُ أصولِ الدِّينِ أشرفَ العلومِ، ولأنَّ العلمَ إما دينيٌّ أو غيرُهُ، والدينيُّ أشرفُ مِنْ غيرِهِ، والدينيُّ إمَّا أصولُ الدينِ أو ما عداهُ، وما عداهُ يُتوقَّفُ عليهِ؛ لأنَّ المفسِّرَ إنَّما يبحثُ عنْ معاني كلامِ اللهِ، وذٰلكَ فرعٌ علىٰ وجودِ الصَّانعِ المختارِ المتكلِّمِ الذي لا يُعرفُ إلا في أصولِ الدِّينِ، والمحدِّثُ إنَّما يبحثُ عنْ كلامِ الرَّسولِ، وذٰلكَ فرعٌ علىٰ ثبوتِ نبوَّتهِ، والفقيهُ يبحثُ عنْ أحكامِ اللهِ، وذٰلكَ فرعٌ على التَّوحيدِ والنُّبوَّةِ، فدلَّ على أنَّ هٰذِهِ العلومَ مفتقرةٌ إلىٰ أصولِ الدِّينِ، وهوَ غنيٌّ عنها، فيكونُ أشرفَ وَوُجوهُ ترجيحِهِ علىٰ سائرِ العلومِ كثيرةٌ لا يُمكنُ ذِكرُها في هٰذا المختصرِ.

اس بنا پر کہ علم کی شرافت، معلوم کی شرافت کی بنا پر ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات معلومات میں سے اشرف ترین ہیں، تو ان سے متعلق علم جو کہ اصول الدین ہے وہ بھی علوم میں اشرف ترین ہو گا، اس لیے کہ علم یا تو دینی ہو گا یا غیر دینی ہو گا، اور دینی علم دوسروں سے افضل ہے، پھر دینی علم یا تو اصول الدین ہو گا یا اس کے علاوہ کوئی اور، اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ اس پر موقوف ہیں، اس لیے کہ مفسر کلام اللہ کے معانی سے بحث کرتا ہے، جو کہ ایسے خالق کے وجود کی فرع ہے جو با اختیار اور متکلم ہے، جسے اصول الدین کے علاوہ نہیں پہچانا جا سکتا ہے، اور محدث کلامِ رسول سے بحث کرتا ہے، جو کہ ثبوتِ نبوت کا فرع

ہے، اور فقیہ احکام اللہ سے بحث کرتا ہے، جو کہ توحید اور نبوت کی فرع ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ علوم اصول الدین کے محتاج ہیں، اور وہ ان سے مستغنی ہے، لہذا یہ زیادہ شرافت والا ہوگا، اور تمام علوم پر اس کی وجوہاتِ ترجیح زیادہ ہیں جن کو اس مختصر میں ذکر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ولنذكُرْ شيئاً مِنْ طريقةِ السَّلفِ في إلزامِ المُنكرينَ بالأدلَّةِ الضَّروريَّةِ: رُوِيَ أنَّ بعضَ الزَّنادقةِ أنكرَ الصَّانعَ عندَ جعفرٍ الصَّادقِ، فقالَ لهُ: هلْ ركبتَ البحرَ ورأيتَ أهوالَهُ؟ قالَ: نعمْ، ركبتُ البحرَ وهاجتْ رياحٌ هائلةٌ، فكسرتِ السَّفينةُ وغرقتِ الملاحينَ، فتعلَّقتُ ببعضِ الألواحِ، ثمَّ ذهبتُ على ذٰلكَ اللَّوحِ، فإذا أنا مدفوعٌ بتلاطُمِ الأمواجِ حتَّى وصلتُ السَّاحلَ فقالَ جعفرٌ: كنتَ ترجو السَّلامةَ؟ قالَ: نعمْ؟ فقالَ: مِمَّنْ كنتَ ترجوها؟ فسكتَ الرَّجلُ، فقالَ جعفرُ: إنَّ الصَّانعَ هوَ الذي كنتَ ترجوهُ في ذٰلكَ الوقتِ، وهوَ الذي أنجاكَ مِنَ الغرقِ، فأسلمَ على يدَيهِ.

ہم ادلہ ضروریہ کے ذریعے منکرین کو جواب دینے کے حوالے سے سلف کے کچھ واقعات بیان کرتے ہیں: ایک زندیق نے حضرت امام جعفر صادق کے سامنے خالق کا انکار کردیا، تو اس سے کہا: کیا آپ نے سمندر میں سفر کیا ہے اور اس کے خطرات کو دیکھا ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، میں نے سمندر میں سفر کیا، خطرناک ہوا چلی، تو کشتی ٹوٹ گئی، اور ملاح غرق ہوگئے، اور میں کچھ تختوں کے ساتھ لٹک گیا، پھر اس تختے پر چلتا رہا یہاں تک کہ تلاطم خیز موجوں نے مجھے ساحل پر پھینک دیا، تو جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: کیا آپ کو سلامتی کی امید تھی؟ تو اس نے کہا: ہاں، پھر آپ نے فرمایا کہ: آپ کس سے امید کیے ہوئے تھے؟ تو وہ خاموش رہا، تو جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس وقت آپ جس سے امید لگائے بیٹھے تھے وہی خالق ہے، اور اسی نے آپ کو غرق ہونے سے بچالیا تھا، تو وہ شخص آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

ورُوِيَ أنَّ أبا حنيفةَ كانَ سيفاً قاطعاً على الدَّهريَّةِ، وكانوا يطلبونَ الفرصةَ لقتلِهِ، فهجَمُوا عليهِ وهوَ قاعدٌ في المسجدِ بسيوفٍ مسلولةٍ، فهمُّوا بقتلِهِ فقالَ لهُمْ: أجيبوني عَنْ مسألةٍ ثمَّ افعلوا ما شئتُمْ، فقالوا: هاتِ، فقالَ: ما تقولونَ في رجلٍ يقولُ لكُمْ: إنِّي رأيتُ سفينةً مشحونةً في لجَّةِ البحرِ قدِ احتوَتْها أمواجٌ متلاطمةٌ ورياحٌ مختلفةٌ، وهيَ معَ هٰذا تجري مستويةً ليسَ لها ملَّاحٌ يُجريها، هلْ يجوزُ ذٰلكَ في العقلِ؟ قالوا: لا، هذا شيءٌ لا يَقبلهُ العقلُ، فقالَ أبو حنيفةَ: سبحانَ اللهِ إذا لمْ يَجُزْ في العقلِ سفينةٌ تجري مستويةً مِنْ غيرِ ملَّاحٍ، فكيفَ يجوزُ قيامُ هٰذا العالمِ العلويِّ والسُّفليِّ معَ اختلافِ أحوالِهِ مِنْ غيرِ صانعٍ؟! فبكَوا جميعاً وتابُوا وأسلَمُوا على يدِهِ.

مروی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دہریت کے خلاف کاٹنے والی تلوار کی حیثیت رکھتے تھے، اور وہ آپ کی قتل کے لیے موقع تلاش کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے آپ پر سونتی ہوئی تلواروں کے ساتھ حملہ کردیا، آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو چاہو کرلو، تو انہوں نے کہا: بتائیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو تم سے کہتا ہے کہ: میں نے ایک بھری ہوئی کشتی دیکھی ہے جس کو تلاطم خیز موجوں اور بادِ مخالف نے گھیر رکھا ہے، اور اس کے باوجود وہ برابر چل رہی ہے، اس کا کوئی ملاح بھی نہیں ہے جو اس کو چلائے، کیا عقلاً یہ ممکن ہے؟

تو انہوں نے کہا: نہیں اس کو عقل قبول نہیں کرتی ہے، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: سبحان اللہ، جب عقل اس کو ممکن نہیں سمجھتی ہے کہ کوئی کشتی ملاح کے بغیر برابر چلتی رہے تو اس اختلافِ احوال کے باوجود علوی (آسمان اور اس سے اوپر کی مخلوق) اور سفلی (زمین اور اس کے نیچے کی مخلوق) کائنات کے بارے میں کیا خیال ہے (کہ وہ) کسی خالق کے بغیر (ہوگی)؟

تو وہ سب رو پڑے اور توبہ کی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیا۔

وسأل بعضُ الحكماءِ الشَّافعيَ: ما الدَّليلُ علىٰ وجودِ الصَّانعِ؟ فقالَ: ورقةُ الفُرصادِ، طعمُها وريحُها ولونُها واحدٌ عندكُم، فقالوا: نعمْ، قالَ: فيأكلُها دودةُ القزِّ فيخرجُ منها الإبريسمُ، والنَّحلُ فيخرجُ منها العَسَلُ، والشَّاة فيخرجُ منها البَعرُ، والظَّبيُ فيُعقدُ في نوافِجِها المسكُ، فمَنْ ذا الذي جعلَها كذٰلكَ معَ أنَّ الطبعَ واحدٌ؟ فاستحسنوا منهُ ذٰلكَ وآمَنوا على يدِهِ.

حکماء میں سے کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: وجودِ صانع پر کیا دلیل ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: توت کے پتوں کا مزہ، ان کی بو اور ان کا رنگ تمہارے نزدیک ایک ہی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ: اس کو ریشم کا کیڑا کھالیتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے، شہد کی مکھی کھالیتی ہے تو اس سے شہد نکلتا ہے، بکری کھالیتی ہے تو اس سے مینگنی نکلتی ہے، ہرنی کھالیتی ہے تو اس کے ناف میں مسک جمع ہوجاتا ہے، تو طبیعت کے ایک ہونے کے باوجود یہ سب کون کرتا ہے؟ تو انہوں نے اس کو اچھا سمجھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں۔

وتمسَّكَ أحمدُ بنُ حنبل بقلعةٍ حصينةٍ ملساءِ، لا فرجةَ فيها، ظاهرُها كالفضَّةِ المذابةِ، وباطنُها كالذَّهبِ الإبريزِ، ثمَّ انشقَّتِ الجدرانُ وخرَجَ مِنَ القلعةِ حيوانٌ سميعٌ بصيرٌ، فلا بدَّ مِنَ الصَّانعِ عَني بالقلعةِ «البيضةَ»، وبالحيوانِ «الفرخَ».

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضبوط قلعہ سے استدلال کیا ہے جس میں کوئی خلا نہیں ہے، جس کا ظاہر پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہے، اور اندر خالص سونے کی طرح ہے، پھر دیواریں پھٹ جائیں اور اس قلعہ سے ایک سننے اور دیکھنے والا حیوان

نکل آئے تو کسی ایسے خالق کا ہونا ضروری ہو گا جو خالی قلعہ (انڈہ) اور چھوٹے حیوان (چوزہ) کی طرف توجہ کرے (خالی قلعہ سے مراد انڈہ اور حیوان سے مراد چوزہ ہے)۔

وسألَ هارونُ الرَّشيدُ مالكاً عَنْ ذٰلِكَ، فاستدلَّ باختلافِ الأصواتِ، وتردُّدَ النَّغماتِ، وتَفاوُتِ اللُّغاتِ.

اور ہارون الرشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے آوازوں کا اختلاف، تردد نغمات اور تفاوت لغات سے استدلال کیا۔

وسُئِلَ أبو نواسٍ عنهُ فقالَ:

تأمَّلْ في نباتِ الأرضِ وانظُرْ ... إلىٰ آثارِ ما صَنَعَ المليكُ

علىٰ قُضُبِ الزَّبرْجَدِ شاهداتٌ ... بأنَّ اللهَ ليسَ لهُ شريكٌ

ابونواس سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا:

زمین کے نباتات میں غور کرو اور دیکھو ... مالک کی تخلیق کی نشانیوں کو

زبرجد کی شاخ پر گواہ موجود ہیں ... کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے

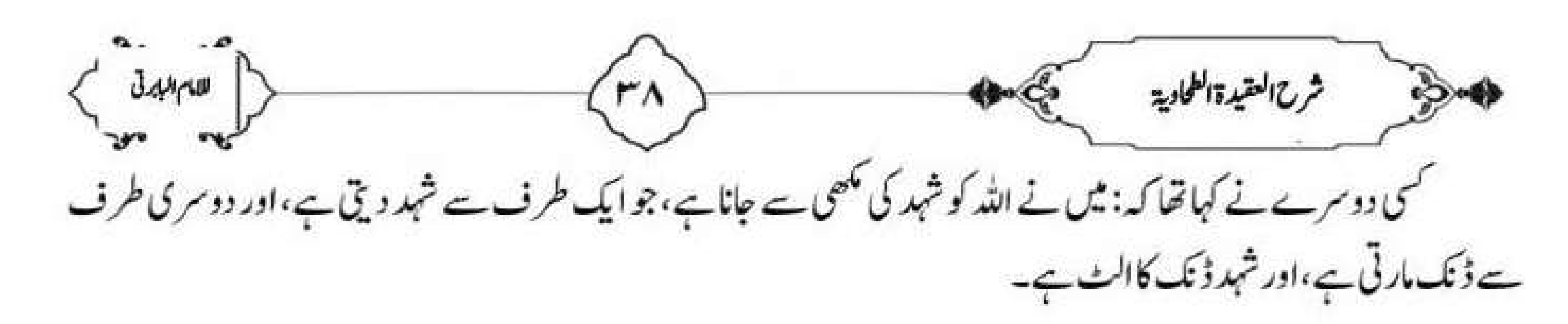
وسُئِلَ أعرابيٌّ عَنِ الدَّليلِ فقالَ: البعرةُ تدُلُّ على البعيرِ، والرَّوثُ يدلُّ على الحميرِ، وآثارُ الأقدامِ على المسيرِ، فسماءٌ ذاتُ أبراجٍ، وأرضٌ ذاتُ فجاجٍ، وبِحارٌ ذاتُ أمواجٍ، أما تدُلُّ على العليمِ القديرِ؟.

ایک اعرابی سے اس بارے میں دلیل کا پوچھا گیا تو اس نے کہا:
مینگنی اونٹنی پر دلالت کرتی ہے، لید گدھے پر دلالت کرتا ہے، قدموں کے نشانات چلنے والے پر دلالت کرتے ہیں، تو کیا بلندیوں والا آسمان، کشادہ راستوں والی زمین اور موجوں والا سمندر علیم اور قدیر ذات پر دلالت نہیں کرتے؟

قيلَ لطبيبٍ: بِمَ عرفتَ ربَّكَ؟ فقالَ: بِهَلِيلَجٍ مجفَّفٍ أطلقَ، ولعابِهِ ملينٍ أمسكَ.

ایک طبیب سے پوچھا گیا کہ: کس چیز کے ذریعے اپنے رب کو پہچانا؟ تو اس نے کہا: خشک ہلیلہ سے کہ وہ دست آور ہے، اور تر لعاب کے ساتھ پیٹ کرنے والا ہے۔

وقالَ آخرُ: عرفتُهُ بنحلةٍ بأحدِ طرفيها تعسلُ، وبالآخرِ تلسَعُ، والعسلُ مقلوبُ اللسعِ.



کسی دوسرے نے کہا تھا کہ: میں نے اللہ کو شہد کی مکھی سے جانا ہے، جو ایک طرف سے شہد دیتی ہے، اور دوسری طرف سے ڈنک مارتی ہے، اور شہد ڈنک کا الٹ ہے۔

بيانُ دليلِ الوحدانيَّةِ

ولنرجعْ إلى المقصودِ وهوَ الدَّليلُ على التَّوحيدِ، فنقولُ: صانعُ العالمِ واحدٌ، إذ لوْ كانَ لهُ صانعانِ لثَبَتَ بينَهُما تمانُعٌ، وذٰلكَ دليلُ حدوثِهِمَا أو حدوثُ أحدِهِما؛ لأنَّ أحدَهما لوْ أرادَ أنْ يخلُقَ في شخصٍ حياةً، والآخرُ موتاً، فإنْ حَصَلَ مرادُهُما فهوَ محالٌ لاجتماعِ الضِّدَّينِ في محلٍّ واحدٍ، أو لمْ يحصُلْ مرادُهُما، فهوَ دليلُ عجزِهِما، أو حَصَلَ مرادُ أحدِهِما دونَ الآخرِ، فهوَ دليلُ عجزِ مَنْ لمْ تُنْفَذْ إرادتُهُ، والعاجزُ لا يصلُحُ إلٰها، وهٰذا يسمَّى دليلُ التَّمانُعِ المأخوذِ مِنْ قولِهِ تعالَى: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾.

اب ہمیں مقصود کی طرف لوٹ جانا چاہیے، جو کہ توحید پر دلیل ہے، ہم کہتے ہیں کہ: کائنات کا خالق ایک ہے، اگر دو ہوں تو دونوں کے درمیان تمانع ہوگا، اور یہ ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے حدوث کی علامت ہے، اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک نے کسی شخص کے اندر زندگی پیدا کرنے کا ارادہ کرلیا اور دوسرے نے اس کی موت کا ارادہ کرلیا تو اگر دونوں کی مراد پوری ہو جائے تو ایک ہی محل میں دو اضداد کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ محال ہے، یا دونوں کی مراد پوری نہ ہو تو یہ دونوں کی عاجزی کی دلیل ہے، یا ان میں سے کسی ایک کی مراد پوری ہو دوسرے کی نہ ہو تو یہ اس کی عاجزی کی دلیل ہے جس کا ارادہ نافذ نہ ہو سکا ہو، اور عاجز خدا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو ''دلیلِ تمانع'' کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے قول: ''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے''۔

قولُه: (لا شريكَ لهُ) أرادَ بِهذا نفيَ أنواعِ الشِّركِ، إذِ الإشتراكُ في اللُّغةِ هوَ التَّسويةُ، وهوَ:

''اس کا کوئی شریک نہیں ہے'' اس سے مراد شرک کی تمام اقسام کی نفی ہے، اس لیے کہ اشتراک لغت میں برابری کو کہتے ہیں، اور یہ:

– إمَّا في الذَّاتِ كما فعلتِ الثَّنويةُ، حيثُ أثبتوا للعالَمِ صانعينِ: خيراً ويُسمونَهُ «يزدان»، وشِرِّيراً ويُسمُّونه «أَهْرِ مَن»، وكذا الطَّبائعيَّة والأفلاكيَّة.

یا تو ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسا کہ بت پرستوں نے کیا ہے، کہ کائنات کے لیے دو خالق مان لیا، ایک خیر کے لیے جس کو ''یزدان'' کا نام دیا، اور ایک شر کے لیے جسے ''اہرمن'' کا نام دیا، اور اسی طرح ''طبائعیہ'' اور ''افلاکیہ'' ہیں۔

- وإمَّا في التَّسميةِ واستحقاقِ العبادةِ كما صَنَعَ مشركو العربِ حيثُ عبدوا معَ اللهِ الأصنامَ وسمُّوها آلهةً، فصاروا مشركينَ معَ إقرارِهِمْ بأنَّ اللهَ هوَ الخالقُ، باعتبارِ عبادتِهِمْ غيرَ اللهِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾.

یانام رکھنے اور استحقاقِ عبادت کے اعتبار سے، جیسا کہ مشرکین عرب نے کیا کہ اللہ کے ساتھ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کو معبود کا نام دیا تھا، اسی لیے غیر اللہ کی عبادت کے اعتبار سے اس اقرار کے باوجود مشرکین قرار پائے کہ اللہ ہی خالق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے"۔

- وإمَّا في الوصفِ كما زعمتِ المجسِّمةُ، حيثُ وصفوا الباريءَ بالصُّورةِ والجِسميَّةِ والتَّمكُّنِ على العرشِ علىٰ مثالِ البشرِ، تسويةً منهُمْ بينَ اللهِ وبينَ خلقِهِ، فصاروا لذٰلكَ مِنْ جملةِ المشركينَ.

یاصفات کے اعتبار سے جیسا کہ مجسمہ کا گمان ہے، کہ انہوں نے باری تعالیٰ کو صورت، جسمیت اور انسانوں کی طرح عرش پر متمکن ہونے کی صفت ساتھ متصف کردیا، اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان برابری کردی اسی لیے من جملہ مشرکین میں سے ہوگئے۔

وقدْ نزَّهَ اللهُ تعالَى نفسَهُ الكريمةَ عَنْ جميعِ ذٰلكَ حيثُ قالَ: ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾، ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾.

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کریم ذات کو ان تمام چیزوں سے پاک قرار دیا ہے، فرمایا کہ: "پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ کررہے ہیں" اور "(کیونکہ) جو باتیں یہ بناتے ہیں، اللہ اُن سب سے پاک ہے"۔

قولُه: **(ولا شيءَ مثلُهُ)** هٰذا إثباتٌ لكمالِ ذاتِهِ في الأزلِ بنفيِ النَّظيرِ والمماثلِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾، وهٰذا محكمٌ في هٰذا المعنىٰ، فيُحمل عليهِ جميعُ الآياتِ المتشابِهةِ التي تمسَّكتْ بظواهرِها المشبِّهةُ.

"کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے"، یہ ازل میں نظیر اور مماثل کی نفی کے ذریعے کمالِ ذات کا اثبات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے" اور یہ (آیت) اس معنی میں محکم ہے، لہٰذا ان تمام آیاتِ متشابہات کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جن کے ظاہر سے مشبہہ نے استدلال کیا ہے۔

قولُهُ: (**ولا شَيْءَ يُعْجِزُه**) هٰذا وصفٌ لهُ بكمالِ القدرةِ؛ لأنَّ وجودَ كلِّ موجودٍ سواهُ بإيجادِهِ، فمحالٌ أنْ يُعجزَهُ شيءٌ؛ فإنَّ العجزَ نقصٌ، واللهُ منزَّهٌ عَنِ النَّقائصِ، ولأنَّهُ تعالَى موصوفٌ بكمالِ القدرةِ علىٰ كلِّ شيءٍ، فلا يوصفُ بالعجزِ، وإلَّا يلزمُ اجتماعُ النَّقيضينِ، ولأنَّهُ تعالَى خالقٌ لجميعِ الأشياءِ، ولا يُتصوَّرُ الخلقُ معَ العجزِ، وإليهِ الإشارةُ بقولِهِ تعالَى: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾.

"کوئی چیز اسے عاجز کرنے والی نہیں ہے" یہ اس کی صفتِ کمالِ قدرت ہے، اس لیے کہ اس کے علاوہ تمام موجودات کا وجود اسی کے وجود دلانے سے ہے، لہٰذا یہ محال ہے کہ کوئی چیز اس کو عاجز کردے، اس لیے کہ عجز ایک نقص ہے، اور اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے، اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کمالِ قدرت کی صفت کے ساتھ متصف ہے، لہٰذا وہ عجز کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا، ورنہ اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا، اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے، اور عجز کے ساتھ خالق ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کرسکے؟۔۔۔۔۔۔ کیوں نہیں؟ جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولُهُ: (**ولا إِلَهَ غَيْرُهُ**) هٰذا نفيٌ لكلِّ معبودٍ سوى اللهِ؛ إذِ الإلٰهُ في اللُّغَةِ هو المعبودُ. وكفَّارُ قريشٍ كانوا يعبدونَ الأصنامَ معَ اعترافِهِمْ أنَّ الخالقَ هوَ اللهُ الواحدُ، وكانوا يقولونَ: نعبدُهُمْ ليقرِّبونا إلى اللهِ، فيفيدُ قولُهُ: (**لا إلٰهَ غيرُهُ**) غيرَ ما أفادَ قولُهُ (**لا شريكَ لهُ**) فلا يكونَ تكراراً.

"اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے" یہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودوں کی نفی ہے، اس لیے کہ لغت میں "الإله" معبود کو کہتے ہیں، اور کفارِ قریش اس اعتراف کے ساتھ بتوں کی عبادت کرتے تھے کہ خالق تو اللہ ہی ہے، اور وہ کہتے تھے کہ: ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردے، لہٰذا مصنف کے قول: (لا إلٰهَ غيرُهُ) کا فائدہ (لا شريكَ لهُ) کے فائدے سے الگ ہے، اس لیے تکرار نہیں ہے۔

بيانُ صفاتِهِ تعالَى

القدم والبقاء

قولُهُ: (قديمٌ بلا ابتداءٍ)، لأَنَّهُ لو كانَ حادثاً لافتقرَ إلىٰ مُحدِثٍ، وذٰلكَ إلى آخرَ، وهلم جرّاً إلىٰ أنْ يَتسلْسَلَ أَوْ ينتهي إلىٰ قديمٍ، والتَّسلسلُ محالٌ فتعيَّنَ الانتهاءَ إلىٰ قديمٍ.

"وہ بغیر کسی ابتداء کے قدیم ہے" اس لیے کہ اگر وہ حادث ہو تو کسی دوسرے محدِث کا محتاج ہو گا، اور پھر وہ کسی تیسرے کا، اسی طرح چلتا رہے گا یہاں تک کہ یا تو مسلسل چلتا رہے گا یا قدیم پر ختم ہو جائے گا اور تسلسل محال ہے لہذا قدیم پر ختم ہو جانا متعین ہے۔

وإنَّما أكَّدَ قولَه: «قديمٌ» بقولِهِ: «بلا ابتداءٍ»؛ لأنَّ القديمَ في اللُّغةِ مأخوذٌ مِنْ قولِهِمْ: «قَدُمَ الشَّيء - بالضَّمِّ - قِدَما، فهوَ قديمٌ» أي: مضىٰ عليهِ زمانٌ طويلٌ، قالَ الزَّمخشريُّ في قولِهِ تعالَى: ﴿عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾: «القديمُ هوَ المُحوِلُ، فإنَّ أقلَّ مدَّةِ الموصوفِ بالقِدَمِ الحولُ، ومنهُ يقالُ في العرفِ: «هٰذا بناءٌ قديمٌ، وهٰذا شيخٌ قديمٌ»، وهٰذا المعنىٰ غيرُ مرادٍ في حقِّ الباري، بل المُراد بالقديمِ في صفاتِهِ هوَ الذي لا ابتداءَ لوجودِهِ، فأكَّدَ بذلك احترازاً عَنِ المعنى اللُّغويِّ والعرفيِّ.

اور مصنف نے اپنے قول "قدیم" کو اپنے قول: "بلا انتہاء" کے ساتھ اس لیے مؤکد کر دیا کیونکہ قدیم لغت میں ان کے قول: "قَدُم" دال کے ضمہ کے ساتھ "فھو قدیمٌ" آتا ہے، یعنی وہ کہ جس پر ایک طویل زمانہ گزر گیا ہو، امام زمخشری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اللہ تعالی کے قول: "یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (پتلا) ہو کر رہ جاتا ہے" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: قدیم وہ ہے جس پر سال گزر گیا ہو، اس لیے کہ کم سے کم جس مدت کو قِدَم کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے وہ ایک سال ہے، اور اسی سے عرف میں کہا جاتا ہے کہ: "یہ قدیم عمارت ہے، اور یہ قدیم شیخ ہے" اور باری تعالی کے بارے میں یہ معنی مراد نہیں ہے، بلکہ اپنی صفات میں قدیم ہونے سے مراد وہ ذات ہے کہ جس کے وجود کی کوئی ابتداء نہ ہو، اسی لیے اس کو مؤکد کر دیا تا کہ لغوی اور عرفی معنی سے احتراز کیا جا سکے۔

قولُه: (دائمٌ بلا انْتِهاءٍ)، لمَّا ثبتَ أنَّه تعالَى قديمٌ ثَبَتَ أنَّهُ دائمٌ، إذِ القِدَمُ يُنافي العدمَ. وإنَّما قالَ: «دائمٌ بلا انتهاءٍ» ليُعلم أنَّ دوامَهُ تعالَى ليسَ بمتعلِّقٍ بالزَّمانِ لانتهائِهِ، وهوَ معنىٰ قولِهِ تعالَى: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ أي: الأوَّلُ بذاتِهِ، والآخرُ بذاتِهِ، غيرُ متعلِّقٍ بزمانٍ، وإنَّما وصفَ نفسَهُ بهذا لئلَّا يفهمَ

مِنْ أَوَّلِيَّتِهِ وآخِرِيَّتِهِ ما يُفهَمُ مِنْ أَوَّلِيَّة وآخريَّة غيره، إذْ غيرُهُ يُوصفُ بِهما بواسطةِ وُقوعِهِ في الزَّمانِ السَّابقِ أو اللَّاحقِ، لا بالذَّاتِ.

"اور ہمیشہ رہے گا بغیر انتہا کے" جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، اس لیے کہ قِدَم عدم کے منافی ہے، اور مصنف نے فرمایا: "دائمٌ بلا انتِہاءٍ" تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا دوام انتہاء کے اعتبار سے کسی زمانے کے ساتھ متعلق نہیں ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے قول: "وہی اول بھی ہے اور آخر بھی ہے" کا معنی ہے، یعنی کسی زمانے کے ساتھ متعلق ہوئے بغیر وہ بذاتِ خود اول ہے اور بذاتِ آخر ہے، اور انہوں نے اپنے آپ کو اس سے اس لیے متصف کر دیا تا کہ اس کی اوّلیت اور آخریّت کو دوسروں کی اوّلیت اور آخریت کی طرح نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ دوسروں کو اس صفت کے ساتھ سابق اور لاحق زمانے کے واسطے سے متصف کیا جاتا ہے، نہ کہ بذاتِ خود۔

قولُهُ: (**لا يَفْنَى ولا يَبِيْدُ**)، أي: لا يتلاشىٰ ولا يهلكَ، وإنَّما (جَمَعَ) بينَ اللَّفظينِ تأكيداً لدوامِهِ وبقائِهِ. وقيلَ: أرادَ بالأوَّلِ نَفْيَ تلاشي الذَّاتِ، وبالثَّاني نَفْيَ بُطلانِ الحياةِ والصِّفاتِ، لأنَّ ذٰلكَ في ذاتِهِ وصفاتِهِ محالٌ؛ لِقِدَمه الثَّابتِ بذاتِهِ، لكونِهِ واجبَ الوجودِ بذاتِهِ، وأمَّا بالذَّاتِ لا يزولُ.

"نہ وہ فنا ہو گا اور نہ ہی ختم ہو گا" یعنی نہ وہ معدوم ہو گا اور نہ ہی ہلاک ہو گا، ان دو الفاظ کو اس کے دوام اور بقا کی تاکید کے لیے جمع کر دیا، کہا جاتا ہے کہ: پہلے سے مراد ذات کا معدوم ہونا ہے، اور دوسرے سے مراد حیات اور صفات کا ختم ہو جانا ہے، اس لیے کہ یہ چیز اس کی ذات میں ثابت شدہ قِدَم کی وجہ سے اس کی ذات اور صفات میں محال ہے۔

الإرادةُ والخلافُ فيها

قولُهُ: (**ولا يَكُونُ إلا ما يُرِيدُ**)، لأنَّ كلَّ موجودٍ سواهُ فهوَ بتخليقِهِ وتكوينِهِ وإرادتِهِ، لكونِ ما سواهُ ممكناً، والممكنُ لا يترجَّحُ أحدُ طرفيهِ إلَّا بمرجِّحٍ، وذٰلكَ إرادةُ اللهِ تعالَى، إذْ لا مريدَ سواهُ.

"وہی کچھ ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں" اس لیے کہ اس کے سوا دوسروں کے ممکن ہونے کی وجہ سے ہر موجود اسی کی تخلیق، تکوین اور ارادے سے ہے، اور ممکن کے (وجود اور عدم میں سے) کسی ایک طرف کو کسی مرجّح کے بغیر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اور یہ (مرجّح) اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اس لیے کہ اس کے سوا کوئی ارادہ کرنے والا نہیں ہے۔

قالَ اللهُ تعالَى: ﴿يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾، وصَفَ نفسَهُ بالمشيئَةِ والإرادةِ، فتثبتانِ لهُ حقيقةً،

لا كما زعمَ الكعبيُّ ومَنْ تابعَهُ مِنَ المعتزلةِ كالنَّظَّام مِنْ أنَّهُ تعالَى لا يُوصفُ بالإرادةِ حقيقةً بلْ مجازاً، لأنَّ الإرادةَ هيَ الشَّهوةُ حقيقةً، وهوَ محالٌ على اللهِ.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے"، اپنی ذات کو مشیئت اور ارادہ کے ساتھ متصف کرلیا، یہ دونوں اس کے لیے حقیقۃً ثابت ہوں گے، نہ کہ جیسے معتزلہ میں سے کعبی اور اس کے نظّام جیسے متبعین سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حقیقۃً ارادے سے متصف نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ مجازاً ہو گا، اس لیے کہ ارادہ تو حقیقۃً ایک خواہش ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

ونحنُ نقولُ: معنَى الإرادةِ عندنَا هيَ الصَّفةُ التي توجِبُ اختصاصَ المفعولِ بوجْهٍ دونَ وجهٍ، وفي زمانٍ دونَ زمانٍ، إذْ لولا الإرادةُ لوقعتِ الممكناتُ في وقتٍ واحدٍ على هيئةٍ واحدةٍ، فلمَّا خرجتِ المقولاتُ على التَّرادُفِ والتَّوالي وعلى النِّظام والاتِّساقِ، وعلى الهيئاتِ المختلفةِ والأوصافِ المتباينةِ، علىٰ ما تقتضيهِ الحكمةُ البالغةُ، كانَ دليلاً على اتِّصافِ الفاعلِ بالإرادةِ، إذْ وقوعُ هذا الاختلافِ لمْ يكنْ مِنْ اقتضاءِ ذواتِها، فعُلِمَ أنَّ ذٰلكَ لإرادةِ الفاعلِ.

ہم کہتے ہیں کہ: ہمارے نزدیک ارادہ وہ صفت ہے جو مفعول کو ایک وجہ کو چھوڑ کر دوسری وجہ اور ایک زمانے کو چھوڑ کر دوسرے زمانے کے ساتھ خاص کر دیتی ہے، اس لیے کہ ارادہ نہ ہوتا تو ممکنات ایک ہی وقت میں ایک ہی ہیئت پر واقع ہوتے، پس جب مقولات ترادف، توالی (یکے بعد دیگرے) اور نظم ونسق کے ساتھ اور مختلف ہیئتوں اور متضاد اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے تقاضے کے مطابق واقع ہو رہے ہیں، یہ فاعل کے ارادے کے ساتھ متصف ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ یہ اختلاف (واقعات کے) ذاتی اقتضا سے نہیں ہے، تو پتہ چلا کہ یہ فاعل کے ارادے سے ہے۔

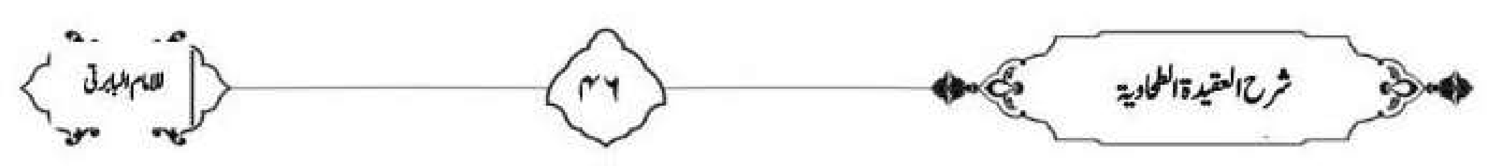
وقولُهُمْ: «الإرادةُ شهوةٌ» فذٰلكَ تلبيسٌ منهُمْ لنفيِ الصِّفةِ عَنِ اللهِ تعالَى، لأنَّ الشَّهوةَ إرادةٌ مخصوصةٌ، وهيَ إرادةُ ما فيهِ نفعُ المريدِ، واللهُ تعالَى غنيٌّ مطلَقٌ لا تكونُ إرادتُهُ اشتهاءً، بلْ ربوبيَّةً.

اور ان کا یہ کہنا کہ: "ارادہ ایک خواہش ہے" تو یہ اللہ تعالیٰ سے صفت کی نفی کرنے کے لیے ان کی طرف سے ایک تلبیس ہے، اس لیے کہ خواہش ایک مخصوص ارادہ ہے، اور یہ وہ ارادہ ہے کہ جس میں ارادہ کرنے والے کا فائدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اس کا ارادہ کسی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ مالک (رب) ہونے کی حیثیت سے ہے۔



والإرادةُ مشتقَّةٌ في اللُّغةِ مِنَ الرَّودِ، وهوَ الطَّلَبُ، ولِهٰذا سمَّوا طالبَ الكلأ رائداً، ومنهُ المثلُ «الرَّائدُ لا يَكْذِبُ أهلَهُ».

اور لغت میں ارادہ "رود" سے مشتق ہے، جس کا معنی طلب کرنا ہے، اسی لیے (آگے چل کر قافلہ کے لیے) چارہ ڈھونڈنے والے کو رائد کہتے ہیں، اور اسی سے ضرب المثل ہے کہ: "رائد اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا"۔



مخالفته تعالى للحوادث

قولُه: (لا تَبْلُغُهُ الأوهامُ، ولا تُدركهُ الأفهامُ)، الوَهْمُ: قوَّةٌ يُدركُ بِها الجزئيَّاتُ، والفهمُ إدراكُ العقلِ للكليَّاتِ. واللهُ تعالَى ليسَ بذي وضعٍ وكيفيَّةٍ فينطبعُ في الأوهامِ، ولا بذي حدٍّ فيبلغُ كُنهَهُ العقلُ ويحيطُ بِهِ، بلْ هوَ متعالٍ عنْ ذٰلكَ قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾، إذ الإدراكُ الإحاطةُ بجميعِ أطرافِهِ لا يُتصوَّرُ إلا فيما يُحَدُّ وينتهي.

"وہم اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی فہم اس کا احاطہ کر سکتی ہے" وہم: ایک ایسی قوت ہے کہ جس کے ذریعے سے جزئیات کا ادارک ہو جاتا ہے، اور فہم، عقل کا کلیات کے ادراک کرنے کو کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نہ کسی وضع و کیفیت کا حامل ہے کہ اوہام میں ڈھل جائے اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہے کہ عقل اس کی حقیقت تک پہنچ جائے اور اس کا احاطہ کر لے، بلکہ وہ ان چیزوں سے بلند ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے" اس لیے کہ ادارک چیز کے تمام گوشوں کے احاطہ کرنے کو کہتے ہیں، جو صرف اس چیز میں ممکن ہے جس کی تحدید ہو سکے اور اس کی کوئی انتہاء ہو۔

قولُه: (ولا يُشْبِهُهُ الأنامُ)، وهوَ كلُّ ذي روحٍ. وقيلَ: جميعُ الخلائقِ، وقيلَ: المرادُ بالأنامِ البشرُ وهوَ الأشبهُ؛ لأنَّهُ أرادَ بِهِ نفيَ قولِ المشبِّهةِ والمجسِّمةِ، حيثُ وَصَفوا الباري، بأنَّهُ جسمٌ علىٰ صورةِ البشرِ، وأيضاً أرادَ نفيَ قولِ النَّصارىٰ، حيثُ جعلوا لهُ ولداً وصاحبةً، تعالى اللهُ عنْ ذٰلكَ. ولا شكَّ أنَّ الولدَ يُشابِهُ الأبَ، فعلىٰ هٰذا أفادَ قولَهُ: «ولا يُشبِهُهُ الأنامُ»، غيرَ ما أفادَ قولُهُ فيما سبقَ: «لا شيءَ مِثلُهُ»؛ لأنَّ الأوَّلَ عامٌّ وهٰذا خاصٌّ، فيكونُ مبالغةً في تنزيهِ اللهِ عزَّ وجلَّ عمَّا لا يليقُ بِهِ.

"وہ مخلوقات کے مشابہ نہیں ہے" اور یہ ہر ذی روح (کو کہا جاتا) ہے، اور کہا جاتا ہے کہ: یہ تمام مخلوقات ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ: "انام" سے مراد انسان ہے جو کہ زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ مصنف اس سے مشبہہ اور مجسمہ کے قول کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے باری تعالیٰ کو اس سے متصف کر دیا کہ وہ انسانی صورت پر ایک جسم ہے، اور اسی طرح نصاری کے قول کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے انسانوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا اور بیوی بنالیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے تو اسی پر مصنف کا قول: "ولا يُشبِهُهُ الأنامُ" ایک ایسا فائدہ دیتا ہے، جو "لا شيءَ مِثلُهُ" کے فائدے سے الگ ہے، اس لیے کہ پہلا عام ہے اور یہ خاص ہے، تو یہ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دینے میں مبالغہ ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

قالَ في التَّبصرةِ: المُماثَلةُ اسمُ جنسٍ يشملُ أنواعاً أربعةً: المشابَهةُ، والمضاهاةُ، والمشاكلةُ، والمساواةُ. والمماثلةُ بجميعِ أنواعِها منتفيةٌ عَنِ اللهِ تعالَى؛ لأنَّ المثلينِ هما اللَّذانِ يَسدُّ أحدُهما مسدَّ

الآخرَ، ويقومُ مقامَ صاحبِهِ، ويصلحُ لما يصلحُ لهُ المَثَلُ الآخرُ، وما سواهُ لا يسدُّ مسدَّهُ لكونِهِ مقهوراً تحتَ قهرِهِ، فلا يصلُحُ لما يصلُحُ لهُ القهَّارُ.

"التبصرة" میں فرماتے ہیں کہ: مماثلت اسم جنس ہے جو ان چار اقسام پر مشتمل ہے: مشابہت، مضاہاۃ، مشاکلۃ اور مساواۃ، مماثلت اپنی تمام اقسام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے منتفی ہے، اس لیے کہ دو مثل وہ ہیں کہ جن میں سے ایک دوسرے کی جگہ لے سکے، اور اپنی مثل کا قائم مقام بن سکے، اور اس چیز کی صلاحیت رکھے جو اس کی دوسری مثل رکھتی ہے، اور جو اللہ کے سوا ہوتے ہیں وہ اللہ کی جگہ نہیں لے سکتے کہ وہ اللہ کی حکومت کے تحت محکوم ہیں، اور ان کاموں کی صلاحیت نہیں رکھتے جو قہار رکھتا ہے۔

هٰذا على اصطلاحِهِمْ، وأمَّا المحقِّقُونَ فقسَّموا بوجهٍ آخرَ، وقالوا: إنَّ الاتِّحادَ بالنَّوعِ مماثلةٌ، وبالجنسِ مجانسةٌ، وبالكمِّ مساواةٌ، وبالكيفِ مشابهةٌ، وبالمضاهاةِ كاتِّحادِ زيدٍ وعمروٍ في بنوَّةِ بكرٍ مناسبةٌ، وفي الشَّكلِ مشاكلةٌ، وبالوضعِ موازاةٌ، وبالأطرافِ مطابقةٌ كاتِّحادِ أطرافِ طاسَينِ عندَ انكبابِ أحدِهما على الآخرَ.

یہ ان کی اصطلاح کے مطابق ہے، رہے محققین تو انہوں نے دوسری طرح سے تقسیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ: نوع کے اعتبار سے اتحاد مماثلت ہے، جنس کے اعتبار سے ہو تو مجانست ہے، کمیت کے اعتبار سے ہو تو مساوات ہے، کیفیت کے اعتبار سے ہو تو مشابہت ہے، مضاہات جیسے بکر کے بیٹے ہونے میں زید اور عمرو کا اتحاد ہے تو یہ مناسبت ہے، اور شکل اعتبار سے ہو تو مشاکلت ہے، وضع کے اعتبار سے ہو تو موازاۃ ہے، اطراف کے اعتبار سے ہو تو مطابقت ہے، جیسے دو برتنوں کی اطراف کا اتحاد ہے کہ جب ان میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ تقابل کیا جائے۔

حياتُهُ تعالَى

قولُه: (وَهُوَ حَيٌّ لا يَمُوتُ)، لقولِهِ تعالَى: ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾، ففي هٰذهِ الآيةِ دلائلُ مِنْ حيثُ العقلُ والسَّمعُ على حياتِهِ؛ لأنَّهُ بدأَ بذكرِ الصَّانِعِ وأتبعَهُ بذكرِ الصُّنعِ بقولِهِ: «جعلَ»، ثمَّ ذكرَ المصنوعَ بقولِهِ: «الأرض»، ثمَّ ذكرَ دلالةَ المصنوعيَّةِ بقولِهِ: «قراراً»، أيْ: جعلَها معَ سعتِها وعظمتِها على هيئةٍ تقرُّونَ عليها وتفترِشونَها

وتتعيشونَ فيها وهيَ مذَلَّلةٌ لا تدفعُ عن نفسِها، وشَقَّ الأنْهارَ فيها، وأنبتَ أنواعَ الثِّمارِ منها، ثُمَّ قالَ: «والسَّماءَ بناءً» أي: سقفاً محفوظاً قائماً في الهواءِ بلا عمدٍ ولا علاقةٍ.

"وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آئے گی" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر کہ: "اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور آسمان کو ایک گنبد، اور تمہاری صورت گری کی، اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا کیا، وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، غرض بڑی برکت والا ہے، اللہ، سارے جہانوں کا پروردگار، وہی سدا زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں"، اس آیت میں عقل اور نقل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی حیات پر دلائل موجود ہیں، اس لیے کہ خالق کے تذکرے سے شروع فرمایا، پھر تخلیق کا تذکرہ اپنے قول: "جعلَ" کے ذریعے کر دیا، پھر اپنے قول: "الأرض" کے ذریعے مخلوق کا تذکرہ کر دیا، پھر اپنے قول: "قراراً" کے ذریعے مصنوعیت کی دلالت کا تذکرہ کر دیا، یعنی اس (زمین) کو اس کی وسعت اور عظمت کے باوجود ایک ایسی ہیئت پر کر دیا کہ جس پر تم قرار پکڑتے ہو، اس کو اپنا بچھونا بناتے ہو، اور اس میں زندگی گزارتے ہو، اور یہ آپ کے لیے مسخر کی گئی ہے اپنا دفاع نہیں کر سکتی ہے، اور اس میں نہریں جاری کیں، اس سے مختلف اقسام کے پھل اُگائے، پھر فرمایا کہ: "والسَّماءَ بناءً" یعنی آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا جو کسی ستون یا کسی ٹیک کے بغیر ہوا میں قائم ہے۔

ثُمَّ خاطبَ العقلاءَ في تصويرِ جوهرِهِمْ وتركيبِ أبدانِهِمْ، لينظروا في آياتِ ألوهيَّتِهِ وكمالِ قدرتِهِ وحكمتِهِ فقالَ: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ وهُمْ يعلمونَ أنَّهم كانوا أمواتاً نطفاً سُلَّتْ مِنْ صُلبِ الرَّجلِ وترائبِ الأنثىٰ، ثمَّ صارتِ النُّطفةُ في قرارٍ مَكينٍ، في ظلماتٍ ثلاثٍ انقطعَ عنْها تدبيرُ الأبوينِ. فدلَّهم علىٰ ربوبيَّتِهِ بآثارِ صنعِهِ بقولِهِ: «وصوَّركم»؛ إذ لا صُنْعَ إلا بالصَّانعِ، ودلَّهم علىٰ معرفةِ حكمتِهِ وعلمِهِمْ بآثارِ الإتقانِ والإحكامِ بقولِهِ: «فأحسنَ صوركم»، أي: أحسنَ تركيبَها، منتصبةٌ قامتُها غيرَ مُنكَّبة، وأبدعَ في بدنِكُمْ مِنَ القرنِ إلى القَدَمِ أشياءَ يتحيَّرُ العقلُ في إدراكِ كُنْهِ حسنِها، وركَّب فيكُمْ العقلَ الدَّرَّاكَ.

پھر عقلاء کو ان کے جوہر اور بدن کی ترکیب کی تصویر کشی کے حوالے سے مخاطب کر دیا، کہ اللہ کی الوہیت، اس کی کمالِ قدرت اور حکمت میں غور کریں، چنانچہ فرمایا کہ: "اور تمہاری صورت گری کی اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا" اور وہ جانتے ہیں کہ وہ مردہ نطفے تھے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے ٹپکا ہے، پھر وہ نطفہ ایک جگہ میں تین اندھیریوں میں رہا، جس سے والدین کی تدبیر منقطع ہو گئی۔

پس اپنی آثارِ صنعت کے ذریعے اپنی ربوبیت کی طرف ان کی رہنمائی اپنے قول: "وَصَوَّرَكُمْ" کے ذریعے کر دیا، اس لیے کہ کوئی صنعت صانع کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے، اور اپنی حکمت کی معرفت اور یقین اور مضبوطی سے متعلق ان کے علم کی طرف

ان کی رہنمائی اپنے قول: "فأحسنَ صورکم" کے ذریعے کردی، یعنی اس نے ان کی بہترین ترکیب کی، کہ ان کی قامت سیدھی ہے کبڑے نہیں ہے، اور تمہارے بدن میں سر سے لے کر پاؤں تک ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے حسن کی حقیقت کے ادراک سے عقل حیران ہوجاتی ہے، اور تمہارے اندر ایک ادراک رکھنے والی عقل پیدا کیا۔

ثمَّ ذكَّرهُمْ بنعِمِهِ عليهِمْ فيمَا تقومُ بِهِ أنفسُهُمْ فقالَ: «ورزقَكُمْ مِنَ الطَّيِّباتِ» أي: رزقكم مِنْ أطيبِ ما أخرجَ مِنَ الأرضِ، لأنَّهُ أخرجَ منها نباتاً مختلفاً، فجعلَ أطيبَه وألينَه رزقاً للبشرِ، وسائرَه رزقاً للدوابِّ. ثمَّ قالَ: «ذٰلكُمُ اللهُ ربُّكُمْ»، أي: الذي صَنَعَ بكُمْ هٰذا هوَ ربُّكُمْ لا ربَّ سواهُ.

پھر وہ نعمتیں یاد دلائی کہ جن کی وجہ سے وہ زندہ ہیں، فرمایا کہ: "ورزقَكُمْ مِنَ الطَّيِّباتِ" یعنی ان کو زمین سے نکلنے والی چیزوں میں سے سب بہترین چیزیں عطا فرمائی، اس لیے کہ زمین سے مختلف قسم کی نباتات نکالے، پھر ان میں سے سب سے پاکیزہ اور سب سے نرم چیزوں کو ان کا رزق بنایا، باقی سب کو دوسرے جانوروں کا رزق بنایا، پھر فرمایا کہ: "ذٰلكُمُ اللهُ ربُّكُمْ" یعنی جس نے تمہارے لیے یہ چیزیں بنائی وہی تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔

ثمَّ قالَ: «هوَ الحيُّ لا إلهَ إلَّا هوَ» علَّمَهُم الاستدلالَ أنَّ الفِعلَ المُحكمَ لا يتأتَّى إلَّا مِنْ حيٍّ قادرٍ عالمٍ، إذ مَنْ يَنسِب مثلَ هٰذه المصنوعاتِ إلىٰ ما ليسَ بحيٍّ يكونُ مجنوناً خارجاً عن عِدادِ العقلاءِ، وكما يُستدلُّ بالفعلِ المحكمِ علىٰ كونِ الفاعلِ قادراً، يُستدلُّ به علىٰ كونِهِ حياً، إذ الحياةُ شرطُ ثبوتِ القدرةِ.

پھر فرمایا کہ: "هوَ الحيُّ لا إلهَ إلَّا هوَ" (اس سے) ان کو یہ استدلال سکھادیا کہ مضبوط فعل صرف زندہ، قادر اور عالم ذات سے ہی ممکن ہے، اس لیے کہ جو شخص ان مصنوعات (مخلوقات) کو کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو زندہ نہیں ہے تو وہ پاگل ہوگا عقلاء کی فہرست سے نکل جائے گا، جیسا کہ محکم فعل سے فاعل کے قادر ہونے کا استدلال کیا جاسکتا ہے اسی طرح اس سے اس کے زندہ ہونے کا استدلال بھی کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ثبوتِ قدرت کے لیے حیات شرط ہے۔

وفي قولِه: (هوَ الحيُّ) إشارةٌ إلىٰ أنَّهُ هوَ الحيُّ المطلقُ الذي حياتُهُ بذاتِهِ، وإلىٰ أنَّ حياةَ غيرِهِ عارضةٌ مستفادةٌ مِنْ فَيضِه، فهُمْ أحياءُ بحياةٍ هيَ غيرُهُمْ، فلذٰلكَ يَحِلُّ فيهمُ الموتُ بآفةٍ، فأمَّا حياتُهُ بذاتِهِ فيستحيلُ أنْ يَحِلَّهُ الموتُ، إذِ الواجبُ بذاتِهِ الأزليُّ لا يزولُ، وإليهِ الإشارةُ بقولِهِ سبحانَهُ وتعالَى: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي﴾.

اور اللہ تعالیٰ کے قول: "هو الحيُّ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی مطلق حی ہے جس کی حیات ذاتی ہے، اور اس طرف (اشارہ ہے) کہ اس کے علاوہ دوسروں کی حیات عارضی ہے اسی کے فیض سے مستفاد ہے، وہ ایسی حیات کے ذریعے زندہ ہیں جو ان کے علاوہ سے ہے، اسی لیے ان میں کسی آفت کی وجہ سے موت حلول کر جاتی ہے، رہی ذاتی موت تو اس پر موت کا آنا محال ہے، اس لیے کہ ازلی ذات کے ساتھ واجب کبھی زائل نہیں ہوتا، اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول: "اور تم اس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی" سے اشارہ کیا گیا ہے۔

قيامُهُ تعالَى بنفسِهِ

قولُه: (قيّوم لا ينامُ)، القيُّومُ: هوَ القائمُ علىٰ كلِّ نفسٍ بما كسبتْ، وقيلَ: هوَ الحافظُ، وقيلَ: القائمُ بتدبيرِ أمرِ الخلقِ، وقيلَ: القائمُ بذاتِهِ المقيمُ لغيرِهِ.

"وہ قیوم (نظامِ عالم کو تھامنے والا ہے) ہے اس پر نیند طاری نہیں ہوتی"، قیوم: وہ ذات ہے کہ جو ہر نفس پر اس چیز کو قائم کرتی ہے جو اس نے کیا ہے، اور یہ کہا گیا کہ: وہ (حافظ) (حفاظت کرنے والا ہوتا) ہے، اور کہا گیا ہے کہ: جو لوگوں کے امور کی تدبیر کے ساتھ قائم ہو، اور کہا گیا ہے کہ: جو خود قائم ہو دوسروں کو قائم رکھتا ہو۔

وقولُهُ: (لا ينامُ) نفيٌ للنَّومِ والسِّنةِ والسَّهوِ والغفلةِ عنهُ، إذ النَّومُ فترةٌ تعتري الإنسانَ فتمنعُهُ عنِ استعمالِ الحواسِّ والجوارحِ، واللهُ تعالَى منزَّهٌ عنْ ذٰلكَ. ولأنَّ نفيَ النَّومِ مِنْ لوازمِ كونِهِ قيُّوماً، لأنَّ جميعَ الأشياءِ قائمٌ بِهِ، فلو يعتريه النَّومُ لفسدَ نظامُ العالَمِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ﴾، فلذٰلكَ قَرَنَ القيُّومُ بقولِهِ: «لا ينامُ».

مصنف کا قول: "لا ينامُ" اس سے نیند، اونگھ، بھول اور غفلت کی نفی ہے، اس لیے کہ نیند ایک ایسا ضعف ہے جو انسان پر طاری ہو جاتی ہے اسے حواس اور اعضاء کے استعمال سے منع کرتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اور اس لیے کہ نیند کی نفی اس کے قیوم ہونے کے لوازمات میں سے ہے، اس لیے کہ تمام چیزیں اسی کے ساتھ قائم ہیں، اگر اس پر نیند طاری ہو جائے تو کائنات کے نظام پر فساد طاری ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹلیں نہیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو انہیں تھام سکے" اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قیوم کو اپنے قول "لا ينامُ" کے ساتھ لے آئیں۔

قولُه: (**خالقٌ بلا حاجةٍ**)، إذِ الحاجةُ نقصُ المحتاجِ إلى دفْعِها، واللهُ هوَ الغنيُّ المطلقُ، فلا يكونُ لهُ حاجةٌ في فعلِهِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ فإنْ قيلَ: قدْ جاءَ الخَلقُ معلَّلاً في القرآنِ، مثلَ قولِهِ تعالَى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ فدلَّ أنَّهم خُلِقوا للعبادةِ.

"اللہ تعالیٰ بغیر کسی ضرورت کے پیدا فرماتے ہیں" اس لیے کہ ضرورت تو اس کو دفع کرنے سے عاجز ہونے والے کی نقص ہے، اور اللہ تعالیٰ تو غنی مطلق ہے، لہٰذا ان کو اس فعل کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "یقیناً اللہ تمام دُنیا جہاں کے لوگوں سے بے نیاز ہے"، اگر کہا جائے کہ: قرآن میں تو تخلیق معلل آئی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اور میں نے جنات اور اِنسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں"، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی تخلیق عبادت کے لیے ہے۔

قلنا: تأويلُه إلَّا لآمُرَهُم بعبادتي وأنْهاهُمْ عنْ معصيَتي، ثمَّ أُثيبَهم على الطَّاعةِ وتركِ المعصيةِ، فكانَ الخلقُ لحاجةِ المكلَّفين لا لحاجتِهِ، إذ النَّفعُ عائدٌ إليهِمْ، وهوَ لا يتضرَّرُ بتركِ ذٰلكَ. وإنَّما حُملَ على ذٰلكَ لئلَّا يلزمَ الخُلْفُ في خبرِ اللهِ، لأنَّا نعلمُ أنَّهم ما عبدوه بأسرِهم.

ہم کہتے ہیں کہ: اس کی تفسیر یہ ہے کہ تاکہ میں ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں اور اپنی نافرمانی سے منع کر دوں، پھر طاعت اور ترکِ معصیت پر ان کو ثواب دوں لہٰذا تخلیق مکلفین کی ضرورت کے لیے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ضرورت کے لیے، اس لیے کہ نفع ان کی طرف لوٹتا ہے، جبکہ اس (اللہ تعالیٰ) کو اس کے ترک سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، اور آیت کو اس پر اس لیے محمول کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں خلف لازم نہ آئے، اس لیے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی ہے۔

قولُه: (**رازقٌ بلا مؤنةٍ**)، أي: يرزقُ الخلقَ بلا كسبٍ ولا علاجٍ ولا استعانةَ بسببٍ، لأنَّ جميعَ مرادِ اللهِ يحصُلُ بتكوينِهِ علىٰ ما قالَ: ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ فلا يلحقُهُ المَؤنَةُ والكُلفةُ في ذٰلكَ لكمالِ قدرتِهِ.

"بغیر کسی مشقت کے رزق دینے والا ہے" یعنی مخلوق کو کسی کسب، مشقت اور کسی سبب کی استعانت کے بغیر رزق دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مرادیں اس کی تکوین (کن کہنے) سے حاصل ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے" اس کی کمالِ قدرت کی وجہ سے اس حوالے سے اس کو کوئی تکلیف اور مشقت پیش نہیں آتی۔

قوله: (مميتٌ بلا مخافةٍ)، أي: يميتُ الخلائقَ ولا يلحقُهُ بذٰلكَ خوفٌ ووحشةٌ، فإنَّ وجودَهُمْ وعدَمَهُمْ بالنِّسبةِ إليهِ سواءٌ، إذْ هوَ العزيزُ القهّارُ، والمتفرِّدُ بالدَّوامِ والبقاءِ.

"بے خوف وخطر موت دینے والا ہے" یعنی لوگوں کو مارنے سے اس کو کوئی خوف اور وحشت محسوس نہیں ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی نسبت سے لوگوں کا وجود اور عدم برابر ہیں، اس لیے کہ وہ زبردست غلبہ والا ہے، اور دوام اور بقاء کے حوالے سے منفرد ہے۔

قولُه: (باعثٌ بلا مشقَّةٍ)، وذٰلكَ لأنَّ اللهَ تعالَى خلقَ العالمَ بلا مشقَّةٍ بالتَّكوينِ علىٰ ما قالَ: ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾، فيتعالَى في البعثِ والإعادةِ عنْ لحوقِ المشقَّةِ؛ إذِ الإعادةُ أهونُ مِنَ الإنشاءِ، وإليهِ الإشارةُ بقولِهِ: ﴿وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾، وبقولِهِ: ﴿أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ﴾ أي: ما عَجَزنا بالخلقِ الأوَّلِ، فكيفَ نُعجِزُ بالخلقِ الثَّاني؟، وبقولِهِ: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ﴾، وبقولِهِ: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾.

"بغیر کسی مشقت کے (قیامت کے دن) اٹھانے والا ہے" اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اپنی تکوین سے بغیر کسی مشقت کے پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے" اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھانے اور اعادہ کرنے میں مشقت کے لاحق ہو جانے سے بلند ہے، اس لیے کہ اعادہ تو پہلی بار پیدا کرنے سے آسان ہے، اور اپنے قول: "اور یہ کام اس کے لیے بہت آسان ہے" سے اور اپنے قول: "بھلا کیا پہلی بار پید کرنے سے ہم تھک گئے تھے؟" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی ہم پہلی بار تخلیق سے عاجز نہیں آئے تو دوسری بار تخلیق سے کیسے عاجز آسکتے ہیں؟ اور اپنے قول: "جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے"، اور اپنے قول: "اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا" سے (بھی اسی کی طرف اشارہ ہے)۔

وقالَ جواباً لِمَنْ أنكرَ البعثَ: ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ، قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ، الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ، أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾.

اور بعثت کے منکرین کو الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اور کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا تھا؟ پھر اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا، ہمارے بارے میں تو وہ باتیں بناتا ہے اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے، کہتا ہے

کہ: ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل ہو چکی ہوں گے ؟، کہہ دو کہ ان کو وہی زندگی دے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے"۔

وألزمَ الحجّةَ مُنكري النَّشأَةِ الثَّانيةِ فقالَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ أي: كيفَ تَشُكُّونَ في البعثِ وتنكرونَهُ وقدْ خلقَكمُ اللهُ مِنَ التُّرابِ في أطوارٍ مختلفةٍ.

اور دوسری مرتبہ کی تخلیق کے منکرین کو الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے اور (کبھی) پورا نہیں بنتا"، یعنی تم بعثت کے بارے میں کس طرح شک کرسکتے ہو اور اس کا انکار کرسکتے ہو جبکہ اللہ نے تمہیں مٹی سے مختلف مراحل کے اندر پیدا کیا ہے۔

ومعنى «مخلَّقةٍ» أي: مخلوقةٍ خلقاً تاماً، «وغيرَ مخلَّقةٍ» أي: متروكةً نطفةً على حالِها، وقولُهُ «لنبيِّنَ لكُمْ» أي: لنبيِّنَ لكُمْ قدرتَهُ وسلطانَهُ؛ فإنَّ مَنْ قَدَرَ على تحويلِكِمْ مِنْ حالِ التُّرابيَّةِ إلى الإنسانيَّةِ، وحالِ النُّطفةِ إلى العَلَقَةِ، ثمَّ إلى المضغةِ، فهوَ قادرٌ على البعثِ والإحياءِ بعدَ ما تَصيرونَ تراباً وتتلاشىٰ أجزاؤُكم، فليسَ في مَوتِكُمْ إلَّا هٰذا، وقد أنشأَكُمْ ابتداءً بلا مشقَّةٍ، فكذا يُعيدُكم؟.

"مخلَّقة" یعنی خلقتِ تامّہ کے ساتھ تخلیق، اور "غیر مخلَّقة" یعنی: نطفے کے طور پر اپنے حال پر چھوڑا ہوا، اور اللہ تعالیٰ کا قول: "لنبيِّنَ لكُمْ" یعنی تاکہ ہم ان کے لیے اس کی قدرت اور سلطنت کو واضح کردے، اس لیے کہ جو ذات تمہیں مٹی ہونے کی حالت سے انسان بنانے پر قادر ہے اور نطفہ سے جمے ہوئے خون پھر گوشت کے لوتھڑے تو وہ بعثت اور مٹی ہونے اور اجزاء کے معدوم ہوجانے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، تمہاری موت میں تو صرف یہی چیز ہے، جب ابتداءً تمہیں کسی مشقت کے بغیر پیدا فرمایا، اسی طرح وہ تمہیں لوٹادے گا۔

بيانُ أنَّ
أسماءَهُ تعالَى وصفاتِهِ أزليَّةٌ أبديَّةٌ

قولُهُ: (ما زالَ بصفاتِهِ قديماً قبلَ خلْقِهِ، لم يَزِدْ بكونِهِمْ شيئاً لمْ يَكُنْ قَبْلَهُم مِنْ صفَاتِهِ)، أرادَ بِهذا الكلام أنَّ اللهَ تعالَى موصوفٌ بأسمائِهِ الحسنىٰ وصفاتِهِ العلىٰ أزلاً وأبداً، سواءٌ كانتْ صفاتُ الذَّاتِ كالحياةِ والقُدْرةِ والعِلْمِ والإرادةِ والمشيئَةِ والسَّمعِ والبصرِ، أوْ صفاتُ الأفعالِ كالتَّخليقِ والتَّكوينِ والإحياءِ والإماتةِ، فإنَّ كلَّها صفاتٌ لهُ قائمةٌ بذاتِهِ قديماتٌ مَصوناتٌ عنِ الزَّوالِ.

"مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی وہ ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ذات ہے، مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کی صفات میں کسی ایسی صفت کا ضافہ نہیں ہوا جو مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی ذات میں نہ تھی"، اس بحث سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات کے ساتھ ازل اور ابد سے متصف ہے، پھر برابر ہے صفاتِ ذاتی ہوں جیسے حیات، قدرت، علم، ارادہ، مشیئت، سمع اور بصر، یا صفاتِ افعال ہوں، جیسے تخلیق، تکوین، احیاء (پیدا کرنا) اور اماتہ (مار دینا)، اس لیے کہ یہ سب ایسی صفات ہیں جو اس کی ذات کی ساتھ قائم ہیں، قدیم ہیں، زوال سے محفوظ ہیں۔

وكانَ موصوفاً بِهٰذهِ الصِّفاتِ قبلَ خلقِهِ، أي قبلَ مخلوقاتِهِ، فإنَّ الخَلْقَ يُذكرُ ويرادُ بِهِ المخلوقُ كقولِهِ تعالَى: ﴿هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي﴾، أي: هٰذا مخلوقُهُ، وليسَ المرادُ بالخَلقِ الصِّفةُ القائمةُ بذاتِهِ، ولهٰذا قالَ: «لمْ يزدَدْ بكونِهِمْ» أي: بكونِ المخلوقاتِ «شيئاً لمْ يَكنْ» قبلَ المخلوقاتِ مِنْ صفتِهِ. معناه: ما زادَ في صفاتِ اللهِ بعدَ خلقِ الخلائقِ شيءٌ لمْ يكنْ في صفاتِهِ قبلَ خلقِهِمْ، بل صفاتُهُ قديماتٌ أزليَّةٌ.

اور وہ ان صفات کے ساتھ "خلق" سے پہلے بھی متصف تھا، یعنی مخلوقات سے پہلے، اس لیے کہ "خلق" بول کر اس سے مخلوق بھی مراد ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: "یہ اللہ کی تخلیق! اب ذرا مجھے دِکھاؤ" یعنی یہ اس کی مخلوق ہے، اور (یہاں پر لفظِ) "الخلق" سے مراد وہ صفت نہیں ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ان کے یعنی مخلوقات کے پیدا ہونے سے کسی ایسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا جو مخلوقات سے پہلے نہیں تھی" اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوقات کی پیدائش کے بعد اس کی صفات میں کسی ایسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا جو ان کی تخلیق سے پہلے اس کی صفات میں نہیں تھی، بلکہ اس کی صفات قدیم ازلی ہیں۔

والدَّليلُ علىٰ أنَّ للهِ صفاتٌ قائمةٌ بذاتِهِ النَّقلُ والعقلُ:

اللہ تعالیٰ کے ذات کے ساتھ قائم صفات کے ثبوت عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں:

أَمَّا النَّقلُ فقولُهُ تعالَى: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ﴾، وقولُهُ تعالَى: ﴿أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾، وقولُهُ تعالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾، أثبتَ اللهُ لنفسِهِ العلمَ والقدرةَ، وكذا باقي الصِّفاتِ أُثبِتَتْ بقولِهِ: ﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾، وبقولِهِ: ﴿هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾.

جہاں تک نقل کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قول: "اور وہ لوگ اس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے" اور اللہ تعالیٰ کا قول: "اللہ تو خود ہی رزّاق ہے، مستحکم قوت والا" (یہاں پر) اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علم اور قدرت کا اثبات کر دیا، اور اسی طرح باقی صفات کو اپنے قول: "جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے" اور اپنے قول: "اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے" سے ثابت کر دیا۔

وفيهِ نفيٌ لقولِ المعتزلةِ حيثُ قالوا: إنَّهُ حيٌّ وعالمٌ وقادرٌ لذاتِهِ، لا لصفةٍ زائدةٍ على ذاتِهِ قائمةٍ بِهِ.

اس میں معتزلہ کے قول کی نفی ہے جو کہتے ہیں کہ: وہ حی، عالم، اور قادر اپنی ذات کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی ایسے وصف کی بنا پر کہ جو اس کی ذات سے زائد اور اس کے ساتھ قائم ہو۔

ولٰكنَّا نقولُ: القولُ بحيٍّ لا حياةَ لهُ، وبعالِمٍ لا علمَ لهُ، وبقادرٍ لا قدرةَ لهُ محالٌ، كما أنَّ القولَ بمتحرِّكٍ لا حركةَ لهُ محالٌ، لأنَّ هذهِ الصِّفاتِ مشتقَّةٌ مِنَ المعاني، فلا يُطلقُ على الذَّاتِ إلا بقيامِ مأخذِ الاشتقاقِ بهِ.

لیکن ہم کہتے ہیں کہ: کسی ایسے حی کا قائل ہونا کہ جس کے لیے کوئی حیات نہیں، اور ایسے عالم کا کہ جس کے لیے کوئی علم نہیں، اور ایسے قادر کا کہ جس کے لیے کوئی قدرت نہیں محال ہے، جیسا کہ کسی ایسے متحرک کا قائل ہونا کہ جس کے لیے کوئی حرکت نہیں، محال ہے، اس لیے کہ یہ صفات اپنے معانی سے مشتق ہیں، لہذا ان کا اطلاق کسی ذات پر صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب ان کا ماخذ اشتقاق اس کے ساتھ قائم ہو۔

وأمَّا الدَّليلُ مِنْ حيثُ العقلُ، فهوَ أنَّ اللهَ تعالَى اخترعَ هٰذا العالمَ معَ اختلافِ أنواعِهِ، علىٰ ما هوَ عليهِ مِنَ الإحكامِ والإتقانِ، وبديعِ الصُّنعِ، وعجيبِ النَّظمِ، والتَّرتيبِ، وتركيبِ الأفلاكِ الدَّائرةِ وما فيها مِنَ الكواكبِ السَّيَّارةِ، وتسخيرِ الشَّمسِ والقمرِ دائِبَينِ يستبقيانِ فلا يتداركانِ، ويتداركانِ فلا

يختلطانِ، وجعل اللَّيلِ والنَّهارِ متكرِّرَينِ على الخلائقِ، أحدُهما يغشىٰ بقوَّتِهِ وجوهَ الأشياءِ ويغطِّها، ويكشفُ الآخرُ السَّواتِرَ عنْ وجوهِ الأشياءِ ويُجلِّيها.

اور جہاں تک عقلی دلیل کا تعلق ہے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جیسا کہ وہ ہے مضبوطی، اتقان، انوکھی صنعت، عجیب نظم وترتیب اور گھومنے والے افلاک کی ترکیب اور ان میں موجود ستارے اور سیارے، سورج اور چاند کو چلنے کی حالت میں مسخر کردیئے تو جو ایک دوسرے سے سبقت کرجاتے ہیں ایک دوسرے کو پا نہیں سکتے اور پالیتے ہیں تو ایک دوسرے کے ساتھ مختلط نہیں ہوتے جیسے اختلافِ انواع کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور دن رات کو مخلوقات پر بار بار آنے والا بنایا جن میں سے ایک اپنی قوت سے چیزوں کو ڈھانپ لیتا ہے اور ان کو چھپالیتا ہے اور دوسرا چیزوں کے چہروں سے پردہ ہٹاتا ہے اور ان کو ظاہر کردیتا ہے۔

وما يُرىٰ ويُشاهدُ في أبدانِ الحيواناتِ مِنَ الحياةِ والتَّميُّزِ والاهتداءِ إلى اجتلابِ المنافعِ واجتنابِ المضارِّ، وما فيها من لطائفِ الحواسِّ ومجاري الأنفاسِ، وما في الأجسامِ الجماديَّةِ مِنَ الخاصِّيَّاتِ التي أُودِعتْ فيها على وجهٍ لو تأمَّلَ علماءُ العالمِ وحكماءُ الأنامِ، الموصوفونَ بدقَّةِ الأفكارِ وحدَّةِ الخواطرِ، جميعَ العمرِ لما وقفوا على كنهِها ولا على جزءٍ مِنْ ألفٍ ممَّا فيها مِنْ آثارِ كمالِ الحكمةِ ولطائفِ التَّدبيرِ.

اور حیوانات کے ابدان میں پائی جانے والی حیات، تمیز، منافع کے حصول اور نقصان دہ چیزوں سے اجتناب اور ان میں موجود حواس کے لطائف اور جاری سانس پائی جاتی ہے، اور جمادی اجسام میں موجود خاصیات جنہیں اس طرح ان کے اندر ودیعت کی گئی ہے کہ اگر تمام دنیا کے علماء اور پوری انسانیت کے مفکرین جنہیں دقّتِ نظر اور تیز ذہن کی صفت کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے وہ پوری عمر غور کرتے پھر بھی نہ اس کی حقیقت پر مطلع ہوتے اور نہ ہی اس میں موجود کمالِ حکمت اور تدبیر کی باریک باتوں کے ہزاویں حصے تک پہنچ پاتے۔

وفيهِ دليلٌ قاطعٌ لذوي العقولِ علىٰ أنَّ صانعَ هٰذهِ الأشياءِ موصوفٌ بصفاتِ الكمالِ مِنَ العلمِ والقدرةِ والمشيئةِ والإرادةِ والحكمةِ، ومنزَّهٌ عنْ أضدادِها التي هي نقصٌ.

اس میں عقلمندوں کے لیے اس حوالے سے قطعی دلیل موجود ہے کہ ان چیزوں کا خالق علم، قدرت، مشیئت، ارادہ اور حکمت کی کمالِ صفت کے ساتھ متصف ہے، اور ان کے اضداد جو کہ نقص ہیں ان سے پاک ہے۔

قولُهُ: (وكما كانَ بصفاتِهِ أزَليّاً، كذٰلكَ لا يزالُ عليها أبديّاً) والمقصودُ مِنْ هٰذا الكلامِ إثباتُ أزليَّةِ صفاتِهِ تعالَى وأبديَّتِها:

”جس طرح وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے (یعنی ہمیشہ سے متصف ہے) اسی طرح اپنی ان صفات کے ساتھ وہ ابدی بھی ہے (یعنی ہمیشہ متصف رہے گا)“ اس کلام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفات کی ازلیت اور ابدیت کو ثابت کرنا ہے۔

أَمَّا كونُها أزليَّةً فلأنَّها لو كانتْ حادثةً لكانتْ قائمةً في ذاتِهِ، أو في محلٍّ آخرَ، أو لا في محلٍّ، والكلُّ محالٌ.

جہاں تک صفات کی ازلیت کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ اگر یہ حادث ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوں گے، یا کہیں اور قائم ہوں گے، یا کسی محل کے بغیر کے قائم ہوں، جبکہ یہ سب محال ہیں۔

أمَّا الأولُ: فلأنَّ ذاتَ اللهِ ليسَ بمحلِّ الحوادثِ.

بہر حال پہلا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حوادث کا محل نہیں ہے۔

وأمَّا الثَّاني: فلأنَّ صيرورةَ الذَّاتِ موصوفةً بصفةٍ قامتْ بغيرِهِ، كصيرورةِ محلٍ أسودَ بسوادٍ قامَ بمحلٍّ آخرَ، وكصيرورتِهِ قادراً بقدرةٍ قامتْ بشخصٍ آخرَ، وكلُّ ذلكَ باطلٌ.

دوسرا: اس لیے کہ کسی ذات کا ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہونا جو کسی دوسرے کے ساتھ ہوں ایسا ہوگا جیسے کسی جسم کا ایسی سیاہی کے ساتھ کالا ہونا ہے جو کسی اور جسم کے ساتھ قائم ہو، اور جیسے کسی کا ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہونا جو کسی دوسرے شخص کے ساتھ قائم ہو، جبکہ یہ سب باطل ہیں۔

وأمَّا الثَّالثُ: فلأنَّ قيامَ الصِّفاتِ لا في محلٍّ محالٌ. وإذا ثبتَ أنَّ صفاتِهِ أزليَّةٌ بالضَّرورةِ تكونُ أبديَّةً دائمةً؛ إذِ الأزليُّ لا يزولُ.

تیسرا: صفات کا کسی محل کے بغیر قیام محال ہے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ضروری طور پر ازلی ہیں، تو وہ دائمی طور پر ابدی بھی ہوں گی، اس لیے کہ ازلی چیز کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔

وقيلَ في اشتقاقِ «الأزلِ» و«الأبدِ»: أنَّ «الأزَلَ» اسمٌ لما يضيقُ القلبُ عَنْ تقديرِ بدايتِهِ مِنَ الأزلِ وهوَ الضِّيقُ، و«الأبدُ» اسمٌ لما يَنفِر القلبُ مِنْ تقديرِ نِهايَتِهِ، مِنَ «الأبودِ» وهو «النُّفورُ»، وذُكرَ في «الصِّحاح»: الأزلُ بالتَّحريكِ القدمُ.

وهوَ في الاصطلاحِ: ما لا ابتداءَ لوجودِهِ. والأبديُّ: ما لا انتهاءَ لهُ.

"ازل" اور "ابد" کے اشتقاق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: "ازل" ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کی ابتدا کا اندازہ کرنے سے دل تنگ ہو جائے اور یہ "ازل" سے ہے جس کا معنی ہے "تنگی" اور "ابد" ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کی انتہاء کا اندازہ لگانے سے دل وحشت محسوس کرے، یہ "ابود" سے ہے جس کا معنی ہے "وحشت" اور "الصحاح" میں مذکور ہے کہ حرکت کے ساتھ ازل قدیم کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں یہ وہ ہے کہ جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہ ہو، اور ابدی وہ ہے کہ جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

قولُهُ: (ليسَ مُنْذُ خَلَقَ الخَلْقَ استفادَ اسمَ الخالقِ، ولا بإحداثِ البرِيَّةِ استفادَ اسمَ الباريءِ).

"ایسا نہیں ہے کہ مخلوقات کو جب پیدا تب ہی اس کا نام "خالق" ہوا ہو، اور ایسا بھی نہیں کہ مخلوق کو وجود دینے کے بعد ہی اس کا نام "باری" ہوا ہو"

الخالقُ والباريءُ بمعنَى واحدٍ يقالُ: «برأَ» أيْ: خلقَ، والبرِيَّةُ: الخليقة.

اور خالق اور باری ایک ہی معنی میں ہیں، کہا جاتا ہے کہ: "برأ" یعنی پیدا کیا، اور "البرِيَّة" کا معنی ہے مخلوق۔

وإنَّما كرَّرَ هٰذا الكلامَ تأكيداً لمعنىٰ: أنَّ اللهَ في الأزلِ متَّصِفٌ بصفاتِ الكمالِ، غيرَ متَعَرٍّ عَنْ شيءٍ مِنْ صفاتِ المدحِ؛ إذْ يستحيلُ أنْ تكونَ ذاتُهُ في الأزلِ خاليةً عنْ صفاتِ الكمالِ؛ لما في ذٰلكَ مِنَ النَّقصِ، وهوَ محالٌ علَى اللهِ، ولأنَّ التعرِّي منها يُوجبُ الافتقارَ إلى حصولِها بإيجادِ العالمِ، واللهُ تعالَى غنيٌّ عنِ العالمينَ، مُتعالٍ عنْ أنْ يكتسبَ صفةً لمْ تكنْ لهُ بإيجادِ الخلقِ.

اس بات کو اس معنی کی تاکید کے لیے تکرار کے ساتھ لایا کہ: اللہ تعالیٰ ازل میں بھی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف تھا، صفاتِ مدح میں سے کسی سے خالی نہیں تھا، اس لیے کہ اس میں موجود نقص کی وجہ سے یہ محال ہے کہ اللہ تعال کی ذات ازل میں صفاتِ کمال سے خالی ہو، اور یہ (نقص) اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

اور اس لیے کہ اس سے خالی ہونا عالم کے ایجاد کے ذریعے اس کو حاصل کرنے کی ضرورت کو ثابت کرے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ تمام عالم سے مستغنی ہے، اور اس سے بلند ہے کہ مخلوق کی ایجاد کے ذریعے کوئی ایسی صفت حاصل کرے جو اس کو حاصل نہیں تھی۔

قولُهُ: (لهُ معنَى الرُّبوبيَّةِ ولا مربوبٌ، ومعنَى الخالقِ ولا مخلوقٌ).

"اللہ تعالیٰ کی صفتِ "ربوبیت" (یعنی پالنے والی صفت) اس وقت بھی تھی جب کوئی پلنے والا نہ تھا اور صفتِ "خالقیت" (یعنی پیدا کرنے والی صفت) اس وقت بھی تھی جب کوئی مخلوق نہیں تھی"

هٰذا تحقيقٌ لِمَا ذكرَ أَوَّلاً وتأكيدٌ لهُ، فإنَّهُ تعالَى خالقٌ وربٌّ قبلَ وجودِ المخلوقِ والمربوبِ؛ لأنَّ صفاتِهِ قديمةٌ قائمةٌ بذاته.

یہ اس کی تحقیق اور تاکید ہے جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے بیان کر دیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق اور مربوب (پلنے والوں) کے وجود سے پہلے ہی خالق اور رب (پالنے والا) تھا، اس لیے کہ اس کی صفات قدیم ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

وحاصلُ هٰذا الكلامِ لنفيِ قولِ الأشاعرةِ حيثُ قالوا: إنَّ صفاتِ الذَّاتِ قديمةٌ، وصفاتِ الفعلِ - كالخلقِ والإيجادِ والتَّكوينِ - محدَثةٌ، وهوَ قولُ عامَّةِ المعتزلةِ والنَّجَّاريَّةِ والكرَّاميَّةِ.

اس بات کا حاصل اشاعرہ کے قول کی نفی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: صفاتِ ذات تو قدیم ہیں جبکہ صفاتِ فعل - جیسے خلق، ایجاد اور تکوین - حادث ہیں، اور یہی قول عام معتزلہ، نجاریہ اور کرامیہ کا ہے۔

ونحنُ نقولُ: إنَّ اللهَ بجميعِ صفاتِهِ قديمٌ؛ لأنَّ اللهَ تعالَى مدحَ نفسَهُ في الأزلِ بصفاتِ الفعلِ بقولِهِ: ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾، فثبَتَ أنَّهُ موصوفٌ في الأزلِ بكونِهِ خالقاً، بارئاً، مصوراً، ولا مخلوقَ في الأزلِ ولا مربوبَ ولا مصوَّرَ، ولأنَّ صفاتِ الفعلِ لوْ كانتْ حادثةً في ذاتِ اللهِ، يلزمُ أنْ يكونَ محلًا للحوادثِ، وهوَ باطلٌ، أوْ في محلٍّ آخرَ، أو لا في محلٍّ، والكلُّ محالٌ وقدْ مرَّ ردُّهُ.

ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں صفاتِ فعل کے ساتھ اپنی تعریف اپنے اس قول سے کی ہے کہ: "وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے اُسی کے سب سے اچھے نام ہیں" ثابت ہوا کہ وہ ازل میں خالق، باری (وجود میں لانے والے) مصور (صورت بنانے والے) ہونے کی صفت کے ساتھ متصف تھا، جبکہ ازل میں نہ کوئی مخلوق تھی، نہ کوئی مربوب اور نہ ہی کوئی مصوَّر تھا، اور اس لیے کہ صفاتِ فعل اگر اللہ کی ذات میں حادث ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا حوادث کا محل ہونا لازم آئے گا، جو کہ باطل ہے، یا کسی اور محل میں ہوں یا بغیر کسی محل کے ہوں تو یہ سب محال ہیں اور اس کی تردید گزر چکی ہے؟

قولُهُ: (ذٰلكَ بأَنَّهُ علىٰ كلِّ شيءٍ قديرٌ).

"اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

أشارَ بقولِهِ: «ذٰلك» إلىٰ ما تقدَّمَ مِنَ الصِّفاتِ، مثلَ: الإحياءِ والإماتةِ وغيرِها، وأرادَ بهِ أَنَّهُ تعالَى موصوفٌ في الأزلِ بأَنَّهُ علىٰ كلِّ شيءٍ قديرٌ، وإنْ لمْ تكنِ المقدوراتُ موجودةً في الأزلِ، فكذا موصوفٌ

بسائرِ الصِّفاتِ مثلَ التَّخليقِ والتَّكوينِ وإنْ لمْ تكنِ المخلوقاتُ في الأزلِ. ولأنَّهُمْ يُقرُّونَ بأنَّهُ عالمٌ قادرٌ سميعٌ بصيرٌ في الأزلِ، ولمْ يُوجبْ ذٰلكَ كونَ معلوماتِهِ ومسموعاتِهِ ومقدوراتِهِ في الأزلِ، فكذا يكونُ تكوينُهُ الأزليُّ تكويناً لكلِّ مكوَّنٍ لوقتِ وجودِهِ.

اپنے قول: "ذلك" سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ صفات ہیں جو گزر گئی ہیں، جیسے احیاء (زندگی دینا) اماتۃ (موت دینا) وغیرہ ہیں، اور اس سے یہ مراد لیا کہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی اس سے متصف تھا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اگرچہ مقدورات ازل میں موجود نہیں تھے، اور اسی طرح تمام صفات جیسے تخلیق اور تکوین سے بھی متصف تھا اگرچہ ازل میں مخلوقات نہیں تھیں، اور اس لیے کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں عالم، قادر، سمیع اور بصیر تھا، اور اس کے لیے وہ ازل میں معلومات، مسموعات اور مقدورات کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اور اسی طرح اس کی ازلی تکوین ہر مُکوَّن کے لیے اس کے وجود کے وقت تکوین ہوگی۔

قولُهُ: (**وكلُّ شيءٍ إليهِ فقيرٌ، وكُلُّ أمرٍ عليهِ يسيرٌ**)، معناهُ: كلُّ شيءٍ سواهُ مفتقرٌ إليهِ في وجودِهِ وبقائِهِ، لا وجودَ لشيءٍ إلا بإيجادِهِ، ولا قوامَ لشيءٍ إلا بتقويمِهِ، فهو القيُّومُ الذي أحوجَ كلَّ شيءٍ إليهِ، هوَ اللهُ الغنيُّ وأنتُمُ الفقراءُ، وجميعُ الأشياءِ يوجدُها بخطابِ «كُنْ»، فتكونُ جميعُ الأمورِ عليهِ يسيراً لا تلحقُهُ في إيجادِها مشقَّةٌ.

"ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لیے آسان ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ: اس کے علاوہ تمام چیزیں اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہیں، اور کوئی چیز اس کے قائم کیے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اور وہی وہ قیوم ہے کہ ہر چیز اس کی محتاج ہے، اور وہی اللہ غنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو، اور تمام چیزوں کو وہ اپنے خطاب "کُن" کے ذریعے وجود بخشتا ہے، تو تمام کام اس پر آسان ہوں گے، ان کو وجود دینے میں اس کو کوئی مشقت لاحق نہیں ہوگی۔

قولُهُ: (**ولا يحتاجُ إلى شيءٍ**)؛ لأنَّ الحاجةَ نقصٌ، وهوَ منزَّهٌ عنهُ؛ ولأنَّ جميعَ الأشياءِ مقهورةٌ تحتَ قهرِهِ وموجودةٌ بإيجادِهِ، فكيفَ يحتاجُ إلىٰ غيرِهِ وقدْ وَصَفَ نفسَهُ بكمالِ الغنىٰ بقولِهِ تعالَى: ﴿إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾.

"وہ کسی چیز کا بھی محتاج نہیں" اس لیے کہ حاجت ایک نقص ہے، اور وہ اس (نقص) سے پاک ہے، اور اس لیے کہ تمام چیزیں اس کے غلبہ کے تحت مغلوب ہیں اور اسی کے ایجاد سے موجود ہیں، تو وہ دوسروں کا کیسے محتاج ہوگا؟ جبکہ اس نے خود اپنے آپ کو کمالِ غنی کے ساتھ اپنے اس قول میں متصف کر دیا ہے کہ: "یقیناً اللہ تمام دُنیا جہاں کے لوگوں سے بے نیاز ہے"۔

قولُهُ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾، إنَّما ذكرَ هٰذا عقيبَ نفيِ الحاجةِ عنهُ، لأنَّهُ نصٌّ محكمٌ لا احتمالَ فيهِ، وهوَ شاملٌ لنفيِ جميعِ صفاتِ المخلوقينَ وسماتِ المُحدَثينَ، ومثبِتٌ لصفاتِ المدحِ والكمالِ. فلو كانتْ صفاتُ الأفعالِ مُحدَثةً - كما زعمتِ الأشاعرةُ - يلزمُ أنْ تكونَ صفاتُهُ مثلُ صفاتِ المخلوقاتِ في الحدوثِ، والمماثلةُ منتفيةٌ بالنَّصِّ.

"کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہے جو ہر بات سنتا ہے، سب کچھ دیکھتا ہے" مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حاجت کی نفی کے بعد اس لیے بیان کر دیا کیونکہ یہ ایک محکم نص ہے، جس میں کوئی احتمال نہیں ہے، اور مخلوقین کی تمام صفات اور حادث کی تمام خصوصیات کو شامل ہے، اور مدح وکمال کی صفات کو ثابت کرنے والی ہے، اگر صفاتِ افعال حادث ہوں- جیسا کہ اشاعرہ سمجھتے ہیں- تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حدوث میں اس کی صفات مخلوقات کی صفات کی طرح ہوں، جبکہ مماثلت تو نص کے ذریعے منتفی ہے۔



فصل

كلُّ ما يجري في العالَمِ فهوَ بتقديرِ اللهِ تعالَى

قولُهُ: (**خَلَقَ الخَلْقَ بِعِلْمِهِ وقَدَّرَ لهُمْ أقداراً**)، هٰذا الكلامُ لبيانِ أنَّ كلَّ أمرٍ يجري في العالَمِ فهوَ بتقديرِ اللهِ تعالَى.

"اس نے مخلوقات کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا، اور ان مخلوقات کے لیے کچھ چیزیں مقرر فرمائیں"، یہ اس بات کا بیان ہے کہ کائنات میں جاری تمام کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں۔

سُئِلَ أبو حنيفةَ رحمهُ اللهُ عَنِ القدرِ فقالَ: قدْ بيَّنَ اللهُ تعالَى ذٰلكَ، وقرأَ قولَهُ تعالَى: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾، فما بَقِيَ في العالَمِ شيءٌ إلَّا وهوَ داخلٌ فيهِ.

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے" کی تلاوت کی، لہذا کائنات میں موجود تمام چیزیں اس میں داخل ہیں۔

ثمَّ القدرُ علىٰ وجهينِ:

أحدُهُما: الحدُّ الذي يخرجُ عليهِ كلُّ شيءٍ، علىٰ ما جَعَلَهُ عليهِ مِنْ خيرٍ أو شرٍّ، وحُسْنٍ وقُبْحٍ، وحكمةٍ وسفهٍ، وهوَ تفسيرُ الحكمةِ، وهيَ: جعلُ كلِّ شيءٍ علىٰ ما هوَ عليهِ ولائقٌ بهِ.

پھر تقدیر دو طریقوں سے ہے:

ایک: وہ حد کہ جس پر تمام چیزیں وجود پاتی ہیں، اس طبیعت پر کہ جس پر ان کو ڈھالا ہے، چاہے وہ خیر و شر ہو یا اچھی، بری یا عقلمندی و بیوقوفی ہو، اور یہی حکمت کی تشریح ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز کو انہی صفات پر بنانا جس پر وہ ہے اور جو اس کے لائق ہے۔

والوجهُ الثَّاني للقدرِ: هوَ بيانٌ ما يقعُ عليهِ كلُّ شيءٍ مِنْ خيرٍ وشرٍّ، وما لَهُ مِنَ الثَّوابِ والعقابِ.

دوسرا: اس بات کا بیان ہے کہ جس پر تمام چیزیں واقع ہوتی ہیں کہ خیر ہے یا شر ہے یا اس پر ثواب ہے یا عقاب ہے۔

قولُهُ: (**وضربَ لهُمْ آجالاً**) وهٰذا تحقيقٌ بأنَّ الأجلَ المضروبَ لكُلِّ واحدٍ منهُمْ مبرمٌ محكمٌ لا يحتملُ التَّقدُّمَ والتَّأخُّرَ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾.

"اور ہر مخلوق کے لیے اس کی مدت مقرر فرمائی" یہ اس بات کی تحقیق ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے مقرر وقت قطعی اور محکم ہے جس میں آگے پیچھے ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے"۔

وقولُهُ تعالى: ﴿كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ فيهِ معنيانِ:

اور اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ کے دو معانی ہیں:

أحدُهما: كتاباً مؤقّتاً لا يتقدَّمُ ولا يتأخَّرُ.

ایک: مقررہ وقت جو کہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

والثَّاني: كتاباً مبيّناً في اللّوحِ المحفوظِ مكتوباً فيهِ، كقولِهِ تعالَى: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾.

لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی واضح کتاب، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: "اور ہم نے ایک واضح کتاب میں ہر ہر چیز کا پورا احاطہ کر رکھا ہے"۔

قولُهُ: **(لَمْ يَخْفَ عليهِ شيءٌ مِنْ أفعالِهِمْ قبلَ أنْ خَلَقَهُم، وعَلِمَ ما هُمْ عاملونَ قبلَ أنْ يخْلُقَهُمْ)**، معناهُ: لا يخفَى على اللهِ شيءٌ مِنْ أفعالِ العبادِ قبلَ أنْ خلقَهُمْ. فهٰذا إقرارٌ بسبقِ علمِ اللهِ تعالَى بكلِّ كائنٍ مِنْ خَلقِهِ قبلَ كونِهِمْ، لأنَّهُ تعالَى قديمٌ بصفاتِهِ، ومِنْ صفاتِهِ كونُهُ عالماً بكلِّ المعلوماتِ قبلَ كونِهِمْ في الأزلِ.

"مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال اللہ تعالیٰ پر مخفی نہ تھے، اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے اس بات کا علم تھا کہ یہ کیا کام کریں گے؟!" اس کا معنی یہ ہے کہ: بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال میں سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں تھا، یہ مخلوق میں ہونے والے تمام واقعات کے ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم کی سبقت کا اقرار ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے، اور اس کی صفات میں سے معلومات کے ہونے سے پہلے ازل میں ان کو جان لینا ہے۔

وإنَّما قرنَ التَّخليقَ بالعلمِ بكلِّ المعلوماتِ، لأنَّ العلمَ بالمخلوقِ مِنْ شرطِ التَّخليقِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ فقرنَ في جميعِ هٰذهِ الآياتِ الخلقَ بالعلمِ.

مصنف رحمہ اللہ علیہ نے تخلیق کو تمام معلومات کے علم کے ساتھ اس لیے ملا دیا کیونکہ مخلوق سے متعلق علم تخلیق کی شرائط میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جبکہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے"، اسی لیے ان تمام آیات میں تخلیق کو علم کے ساتھ ملا (کر بیان کر) دیا ہے۔

قولُهُ: (وأمَرَهُمْ بطاعَتِهِ، ونهاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ)، إنَّما ذكرَ الأمرَ والنَّهيَ بعدَ ذكرِ الخلقِ، ليُعلمَ أنَّهُ تعالَى إنَّما خَلَقَهُمْ للاستعبادِ بالأمرِ والنَّهيِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾، أي: لآمرَهُمْ بعبادتي وأنهاهُمْ عنْ معصِيَتي.

"اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے روکا" مصنف رحمہ اللہ علیہ نے تخلیق کے بیان کے بعد امر اور نہی کو اس لیے بیان کر دیا تاکہ پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امر اور نہی کے ذریعے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں" یعنی تاکہ میں ان کو اپنی عبادت کو حکم دوں اور اپنی نافرمانی سے منع کروں۔

قولُهُ: (وكلُّ شيءٍ يَجْرِي بِقُدْرَتِهِ ومشيئَتِهِ).

"ہر کام اس کی تقدیر اور چاہت کے مطابق ہوتا ہے"

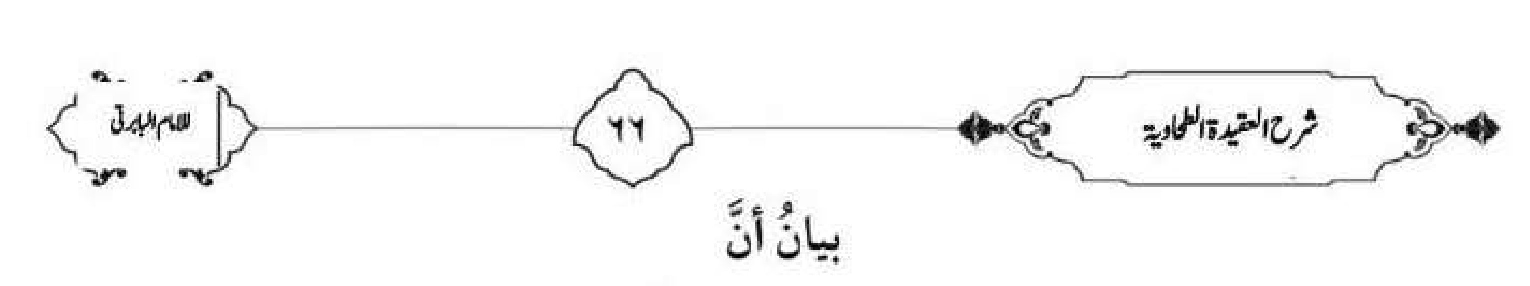
اعلمْ أنَّ كلَّ حادثٍ بإرادةِ اللهِ ومشيئتِهِ وقدرتِهِ خيراً كانَ أوْ شرّاً عندَ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾، أي: وعملكُمْ مطلقاً، وقالَ تعالَى: ﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾، وفعلُ العبدِ شيءٌ، فيكونُ خالقُهُ ضرورةً، وقالَ تعالَى: ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ﴾، وروى مسلمٌ في صحيحِهِ عنْ عمرَ بنِ الخطابِ رضيَ اللهُ عنهُ: «بينما نحنُ عندَ رسولِ اللهِ ﷺ إذْ طَلَعَ علينا رجلٌ شديدُ بياضِ الثِّيابِ» إلىٰ قولِهِ: «أخبِرْني عَنِ الإيمانِ فقالَ: «الإيمانُ أنْ تؤمنَ باللهِ وملائكتِهِ وكتبِهِ ورسلِهِ واليومِ الآخرِ، وتُؤمِنَ بالقدرِ خيرِهِ وشرِّهِ...» الحديث.

جان لو! اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک ہر کام چاہے خیر ہو یا شر ہو، اللہ تعالیٰ کے ارادے، اس کی چاہت اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو اُس کو بھی" یعنی مطلقاً تمہارے اعمال کو (پیدا کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے" اور بندے کا فعل بھی چیز ہی تو ہے، تو اس کا خالق بھی ضروری طور پر وہی ہو گا، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کہہ دو کہ ہر واقعہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے" اور امام مسلم

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: "ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا، اس کے کپڑے بہت سفید تھے۔۔۔اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائیں۔۔۔" الحدیث۔

قولُهُ: (**ومشِيئتُهُ تَنفُذُ، ولا مشيئةَ للعبادِ إلّا ما شاءَ لهُمْ، فما شاءَ لهُمْ كانَ، وما لم يَشأْ لمْ يَكُنْ**)، لقولِهِ تعالَى: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾، ولأنَّ في نفاذِ مشيئةِ غيرِ اللهِ وعدَمِ نفاذِ مشيئتِهِ أمارةُ عجزِهِ، حيثُ جرىٰ في ملكِهِ ما لمْ يشأْ، وهوَ على اللهِ محالٌ.

"جو اللہ چاہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے، بندوں کی چاہت کے مطابق وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے چاہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو کام اللہ نہیں چاہتا تو وہ نہیں ہو سکتا" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر کہ: "اور تم چاہو گے نہیں، الّا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"، اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی چاہت کا نفاذ اور اللہ تعالیٰ کی چاہت کا عدمِ نفاذ عاجزی کی علامت ہے کہ اس کے ملک میں وہ ہو رہا ہے جو وہ نہیں چاہتا، جبکہ یہ چیز اللہ پر محال ہے۔



بيانُ أنَّ

اللهَ يهدي ويعصِمُ بفضلِهِ ويضِلُّ ويخذُلُ بعدْلِهِ

وقولُهُ: (يهدي مَنْ يَشاءُ، وَيَعْصِمُ ويُعافي مَنْ يَشاءُ فَضْلاً، ويُضِلُّ مَنْ يشاءُ، ويخذُلُ ويَبْتَلي مَنْ يشاءُ عدلاً، وكُلُّهُمْ يتقلَّبونَ في مشيئتِهِ بينَ فضْلِهِ وعدلِهِ).

"اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل وکرم سے ہدایت دیتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اور اس کو عافیت عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہے اپنے قانونِ عدل سے گمراہ کرتا ہے، اور جسے چاہے رسوا کرتا ہے اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق چل رہی ہے، کبھی فضل وکرم کے ساتھ اور کبھی قانونِ عدل کے ساتھ"۔

بيَّنَ بِهٰذا الكلام أنَّ العبادَ لا يستحقُّونَ على اللهِ وجوبَ مراعاةِ الأصلحِ، بلْ يتصرَّفُ فيهِمْ كيفَما يشاءُ؛ لأنَّ العالمَ مُلكُهُ، وللمالكِ أنْ يتصرَّفَ في مُلكِهِ كيفَما يُريدُ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾، وقالَ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾.

اس کلام کے ذریعے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ بندے اللہ تعالیٰ پر بہترین کی رعایت رکھنے کے وجوب کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، اس لیے کہ کائنات اس کا ملک ہے، اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے"۔

وفيهِ ردٌّ لقولِ المعتزلةِ حيثُ قالوا: يجبُ على اللهِ أنْ يفعلَ بعبادِهِ ما هوَ الأصلحُ لهُمْ. وممَّا يردُّ قولَهُمْ ما صرَّحَ في كثيرٍ منَ الآياتِ بالإضلالِ كما في قولِهِ تعالَى: ﴿يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾، وقولُهُ: ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾، وقولُهُ: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ﴾، ﴿وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾، فلو كانَ الأصلحُ على اللهِ واجباً لمَا كفرَ أحدٌ ولا عصىٰ في العالَمِ؛ لأنَّ الكفرَ والعصيانَ ليسا بأصلحِ للعبادِ.

اس میں معتزلہ کے قول کی تردید ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندے کے لیے وہ کرے جو ان کے لیے بہتر ہو، اور ان کے قول کی تردید، ان بہت ساری آیات کے ذریعے ہوگی جو گمراہ کرنے سے متعلق ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول کہ: "اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "(اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اگر

اللہ چاہتا تو روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے"، "اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا بھی دیتا"، لہذا اگر خدا پر بہترین کا کرنا واجب ہوتا تو پوری دنیا میں کوئی شخص کفر نہ کرتا اور نہ ہی کوئی شخص نافرمانی کرتا؛ اس لیے کہ کفر اور عصیان بندوں کے لیے بہترین نہیں ہیں۔

فمَنْ أرادَ مِنْهُ الإيمانَ فهوَ بفضلِهِ لا باستحقاقٍ، ومَنْ أرادَ كفرَهُ فهوَ بعدْلِهِ لا يكونُ بذٰلكَ ظالماً؛ لأنَّ الظُّلمَ هوَ التَّصرُّفُ في غيرِ مُلكِهِ، وهوَ متصرِّفٌ في مُلكِهِ، لا يُسألُ عمَّا يفعلُ، ولأنَّ في إيجابِ الأصلحِ إبطالُ قولِهِ تعالَى: ﴿ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾، لأنَّهُ لا فضلَ في قضاءِ حقٍّ واجبٍ عليهِ، وكذا فيه إبطالُ اسمِ المحسنِ والمُنعِمِ والمُجمِلِ والمنَّانِ؛ إذْ لا إحسانَ ولا إفضالَ ولا مِنَّةَ في أداءِ ما هوَ واجبٌ عليهِ.

جس کے ایمان کا ارادہ کرے تو وہ اس کے فضل سے ہوگا نہ کہ استحقاق کی بنا پر، اور جس کے کفر کا ارادہ کرے تو یہ اس کے عدل کی وجہ سے ہوگا وہ اس سے ظالم نہیں ہوگا، اس لیے کہ ظلم تو دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے، جبکہ وہ تو اپنی ملکیت میں تصرف کر رہا ہے، وہ جو کرے اس سے نہیں پوچھا جائے گا، اور اس لیے کہ بہترین کو واجب کرنا اللہ تعالیٰ کے قول: "اور اللہ بڑے فضل والا ہے" کا ابطال ہے، اس لیے کہ اپنے اوپر واجب حق کو ادا کرنے میں کوئی فضل نہیں ہے، اور اسی طرح اس میں محسن، منعم، مجمل اور منان ناموں کا ابطال ہے، اس لیے کہ جو چیز واجب ہو اس کو ادا کرنے میں نہ کوئی احسان ہے، نہ فضل ہے اور نہ ہی انعام ہے۔

قولُهُ: **(ولا رادَّ لقضائِهِ، ولا مُعقِّبَ لحُكْمِهِ)**، أرادَ بِهٰذا قضاءَ التَّكوينِ الذي لا يقدرُ العبادُ على ردِّهِ؛ لأنَّ في ردِّ قضائِهِ إثباتَ عجزِهِ، وهوَ محالٌ.

"کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو مسترد کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فیصلے کو چھوڑ کر اپنا فیصلہ نافذ کر سکتا ہے"، اس سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد تکوینی فیصلہ ہے جس کے رد کرنے پر بندے قادر نہیں ہیں، اس لیے کہ اس کے فیصلے کو رد کرنا اس کے عجز کو ثابت کرنا ہے، جو کہ محال ہے۔

و«القضاءُ» يُذكرُ ويُرادُ بِهِ الحكمُ والأمرُ والفعلُ.

اور "قضاء" بول کر اس سے حکم، امر اور فعل مراد لیا جاتا ہے۔

و«التَّعقيبُ» التَّأخيرُ، ولا معقِّبَ لحكمِهِ، أي: لا مؤخِّر لما قضاه، لأنَّ النَّاسَ كلَّهُمْ مقهورونَ تحتَ قهرِهِ وجبروتِهِ، فلا يقدرُ أحدٌ علىٰ ذٰلكَ.

"التعقيب" "مؤخر کرنے (کو کہتے ہیں) اور اس کے حکم کو کوئی شخص مؤخر (پس پشت ڈالنا) نہیں کر سکتا، یعنی اس کے فیصلے کو کوئی شخص مؤخر نہیں کر سکتا، اس لیے کہ تمام لوگ اس کے غلبہ اور طاقت کے تحت مغلوب ہیں، جس پر کوئی شخص قادر نہیں ہے۔

قولُهُ: (ولا غالبَ لأمرِهِ)، يحتملُ أنْ يُرادَ بالأمرِ التَّكوينُ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾، وفيهِ نفيُ الرُّبوبيَّةِ عَنْ غيرِهِ، وإثباتُ الوحدانيَّةِ لهُ. ويحتملُ أنْ يُرادَ بالأمرِ القضاءُ، فيكونُ معناهُ: لا يقضي عليهِ أحدٌ قهراً؛ لأنَّهُ هوَ الواحدُ القهَّارُ.

"اور اس کے فیصلے پر کوئی غالب آنے والا بھی نہیں (کہ فیصلے کو بدل سکے)" اس بات کا احتمال ہے کہ "امر" سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد تکوین ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے" اور اس میں دوسروں سے ربوبیت کی نفی اور اس کے لیے وحدانیت کا اثبات ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ "امر" سے فیصلہ مراد لے، تو اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے اوپر غالب ہو کر کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہی ایک غالب ہے۔

قولُهُ: (آمنَّا بذٰلكَ كُلِّهِ، وأيقنَّا أنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهِ)، أي: صدَّقنا بجميعِ ما تقدَّمَ، فتكونُ الإشارةُ بقولِهِ: «ذٰلكَ» إلىٰ جميعِ ما سَبَقَ ذكرُهُ، وفي ذكرِ «الإيقانِ» بعدَهُ إشارةٌ إلىٰ أنَّ الإيمانَ بما سبقَ ليسَ بالتَّقليدِ المحضِ، بل بالدَّلائلِ السَّمعيَّةِ والبراهينِ العقليَّةِ علماً يقينياً لا يعتريهِ شكٌّ. واليقينُ مِنْ يَقِنَ الماءُ إذا استقرَّ؛ لأنَّ العلمَ الثَّابتَ بالاستدلالِ يُسمَّى يقيناً لثبوتِهِ واستقرارِهِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾، سمَّاهُ موقناً لحصولِ العلمِ لهُ بالاستدلالِ مِنَ المصنوعِ على الصَّانعِ.

"ہم مذکورہ تمام چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"، یعنی ہم گزشتہ تمام باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، اس وقت اس کے قول: "ذٰلك" سے ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہوگا جن کا تذکرہ گزر چکا ہے، اور اس کے بعد "الإيقان" کے تذکرے سے اس طرف اشارہ ہے کہ سابقہ باتوں پر ایمان تقلیدِ محض کے ذریعے نہیں ہے، بلکہ نقلی دلائل اور عقلی دلائل کے ذریعے ایسے علم کے طور پر ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اور یقین "يقِن الماء" سے ہے (اور یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے کہ) جب پانی ٹھہر جائے، اس لیے کہ استدلال کے ذریعے ثابت شدہ علم کو اس کے ثبوت اور استقرار کی وجہ سے یقین کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اسی طرح ہم ابراہیم



کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے"، (اس آیت میں آگے جا کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "موقن" مخلوق سے خالق پر استدلال کے ذریعے علم حاصل کرنے کی وجہ سے کہا ہے۔



فصل

في اسمِهِ ﷺ ووصفِهِ

قولُهُ: (وإنَّ محمَّداً عَبْدُهُ المُصْطَفَى، وأمينُهُ المُجْتَبى، ورسولُهُ المُرتضَى).

"اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے، چنے ہوئے امانت دار (نبی) اور پسندیدہ رسول ہیں"۔

لمَّا فرغَ مِنْ إثباتِ وحدانيَّةِ اللهِ وصفاتِهِ، شرعَ في إثباتِ نبوَّةِ سيِّدِ المرسلينَ محمَّدٍ، إتماماً للإيمانِ بالشَّهادتينِ، إذِ الإيمانُ: هوَ معرفةُ اللهِ بأسمائِهِ وصفاتِهِ، وتصديقُ الرَّسولِ بما جاءَ بِهِ مِنَ الشَّريعةِ، ولهذا قرنَ اللهُ تعالى الإيمانَ بالرَّسولِ معَ الإيمانِ بِهِ حيثُ قالَ: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ إلى قولِهِ: ﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ﴾.

جب اللہ کی وحدانیت اور صفات کے اثبات سے فارغ ہو گیا تو شہادتین پر ایمان کی تکمیل کے لیے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کو شروع کر دیا، اس لیے کہ ایمان: اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ساتھ معرفت، اور رسول کی تصدیق اس کی لائی ہوئی شریعت کے ساتھ (کا نام ہے)، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول پر ایمان کو اپنے اوپر ایمان کے ساتھ ملا (کر بیان کر) دیا ہے، فرماتے ہیں کہ: "(اے رسول! ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں" سے لیکر اللہ تعالیٰ کے قول: "اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے" تک۔

وقولُهُ: «وإنَّ محمَّداً» معطوفٌ على قولَهَ: «إنَّ اللهَ واحدٌ»، والتَّقديرُ: نقولُ في توحيدِ اللهِ معتقدينَ بتوفيقِ اللهِ: إنَّ اللهَ واحدٌ.. إلىٰ آخرِهِ، وإنَّ محمَّداً عبدُهُ المصطفىٰ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول: "وإنَّ محمَّداً" اس کے قول: "إنَّ اللهَ واحدٌ" پر عطف ہے، اور تقدیری عبارت اس طرح ہو گی کہ: ہم اللہ کی توفیق سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں اعتقاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اللہ ایک ہے۔۔۔ الی آخرہ، اور محمد ﷺ اس کا چنا ہوا بندہ ہے۔

وإنَّما قدَّمَ وصفَهُ بالعبوديَّةِ على وصفِهِ بالنُّبوَّةِ دفعاً للشُّبهةِ العارضةِ للنَّاسِ، عندَ ظهورِ المعجزاتِ الخارقةِ للعادةِ التي يعجزُ عنها البشرُ، بأنَّ فيهِ معنى الألوهيَّةِ، كما اعترضتِ الشُّبهةُ للنَّصارىٰ، حيثُ اعتقدوا في عيسى الإلهيَّةَ بسببِ ما وجدوا منهُ فعلاً إلهيًّا، مِنْ إحياءِ الموتىٰ وإبراءِ الأكمهِ والأبرصِ، وكانَ أوَّلُ آياتِهِ تكلُّمُهُ في المهدِ، بأنَّهُ قالَ: ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾، فبدأَ بعبوديَّتِهِ قطعاً للشُّبهةِ العارضةِ لقومِهِ، ومعَ ذٰلكِ أخرجوهُ مِنَ العبوديَّةِ وأثبتوا لهُ الرَّبوبيَّةَ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وصفِ عبودیت کو وصفِ نبوت پر اس شبہہ کو ختم کرنے کے لیے مقدم کر دیا جو لوگوں کو ایسے خارقِ عادت معجزات کے ظہور کے وقت لاحق ہوتا ہے جن سے انسان عاجز ہوتا ہے، کہ اس میں الوہیت کا معنی موجود ہے، جیسا کہ نصاری کو یہ شبہہ لاحق ہو گیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کا اعتقاد کر لیا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان سے خدائی فعل جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑے اور برص کے بیماروں کو شفا دینا وغیرہ کا ظہور ہوتے دیکھ لیا، اور آپ علیہ السلام کی پہلی نشانی ماں کی گود میں بول اٹھنا تھا، فرمایا کہ: "(اس پر بچہ) بول اُٹھا کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے"، اپنی قوم کو لاحق ہونے والے شبہہ کو دور کرنے کے لیے عبودیت سے بات شروع کی۔

وللنَّبيِّ ﷺ معجزاتٌ باهرةٌ، وبيِّناتٌ ظاهرةٌ، مذكورةٌ في دلائلِ النُّبوَّةِ.

نبی ﷺ کی تو واضح معجزات اور ظاہری نشانیاں ہیں جو "دلائل النبوۃ" میں مذکور ہیں۔

وإنَّما وصفَهُ بالاجتباءِ والأمانةِ ليُعلمَ أنَّ اللهَ تعالَى لا يُظهرُ المعجزةَ إلَّا على الأمينِ المُختارِ، لا الكاذبُ الذي هو مِنَ الفُجَّارِ، و«المجتبى» معناه: المختار، والمرتضىٰ: الذي رضيَ اللهُ عنهُ برسالتِهِ.

اور آپ ﷺ کو مجتبی اور امانت کے وصف کے ساتھ متصف کر دیا تاکہ پتہ چل سکے کہ اللہ تعالیٰ معجزہ کو امانت دار اور پسندیدہ شخص کے ہاتھ پر ہی ظاہر کریں گے، نہ کہ کسی ایسے جھوٹے کے ہاتھ پر جو کہ فجار (فاسقوں) میں سے ہو، اور "المجتبی" کا معنی: "مختار" (پسندیدہ چنا ہوا) اور مرتضی: وہ ہے جس سے اللہ پاک اپنی رسالت کے ساتھ راضی ہو جائے۔

بيانُ
أَنَّهُ خاتمُ الأنبياءِ وإمامُهُمْ

قولُهُ: (وخاتمُ الأنبياءِ)، لقولِهِ تعالَى: ﴿ما كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ﴾، ولأَنَّهُ لمَّا ثبتتْ رسالتُهُ بالبراهينِ العقليَّةِ والنقليَّةِ، ثبتَ أَنَّهُ صادقٌ فيما أخبرَ، وقدْ أخبرَ أَنَّهُ لا نبيَّ بعدَهُ، وقالَ: «أنا الحاشرُ الذي يُحشرُ النَّاسُ علىٰ عقبي» فدلَّ أَنَّهُ خاتَمُ الأنبياءِ.

"آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں" اللہ تعالیٰ کے قول: "(مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سے آخری ہیں" اور اس لیے کہ جب آپ ﷺ کی رسالت عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہوگئی ہیں تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ نے جو خبر دی ہے اس میں سچے ہیں، اور انہوں نے یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور فرمایا کہ: "میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں، لوگوں کو میرے پیچھے حشر کے میدان میں جمع کیا جائے گا" یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

قولُهُ: (وإمامُ الأتقياءِ)؛ لِأَنَّهُ بُعثَ بالتَّقوىٰ عنِ الشِّركِ والمعاصي، فأمَّتُهُ المُتَّقونَ وهو إمامُهُمْ، فيكونُ إمامُ الأتقياءِ، ولأَنَّهُ أَمَّ بالنَّبيِّينَ وهُمْ أتقياءُ، فهوَ إمامُ المُتَّقينَ.

"نیک لوگوں کے امام ہیں" اس لیے کہ آپ ﷺ کو شرک اور معاصی سے بچنے کے ساتھ بھیجا گیا، پس آپ کی امت متقین ہیں اور آپ ﷺ ان کے امام ہیں، تو وہ امام الاتقیاء ہوں گے، اور اس لیے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کی امامت کی ہیں جو کہ اتقیاء ہیں تو آپ امام المتقین ہیں۔

قولُهُ: (وسيِّدُ المُرْسَلِينَ)، لأنَّهُ ثبتَ في الأخبارِ أَنَّهُ قالَ: «أنا سيِّدُ وَلَدِ آدمَ»، والمرسلونَ داخلونَ في ذٰلكَ، فيكونُ سيِّدُهُمْ.

"تمام رسولوں کا سردار ہے" اس لیے کہ احادیث میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں" رسول بھی اس میں داخل ہیں، تو ان کا بھی سردار ہو گا۔

قولُهُ: (وحبيبُ ربِّ العالَمينَ)؛ لأَنَّهُ لمَّا ثبتَ ببركةِ متابعتِهِ لأمَّتِهِ أَنَّهم أحبَّاؤُهُ، حيثُ قالَ تعالَى بلسانِ نبيِّهِ: ﴿فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾، فَلَأَنْ يثبُتَ أَنَّهُ حبيبُ اللهِ أولىٰ. وقدْ رُوِيَ عنِ ابنِ عبَّاسٍ رضيَ اللهُ عنهما أَنَّهُ جلسَ ذاتَ يوم جماعةٌ مِنَ الصَّحابةِ يتذاكرونَ، فسَمِعَ حديثَهُمْ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ فقالَ بعضُهُمْ: عجباً إنَّ اللهَ اتَّخذَ إبراهيمَ خليلاً، وقالَ آخرُ: ماذا بأعجبَ مِنْ كلامِ موسىٰ كلَّمَهُ تكليماً،

وقالَ آخرُ: فعيسىٰ كلمةُ اللهِ وروحُهُ، وقالَ آخرُ: آدمَ اصطفاهُ اللهُ، فخرجَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ فقالَ: «سمعتُ كلامَكُمْ وحجَّتكُمْ، إنَّ إبراهيمَ خليلُ اللهِ، وهوَ كذٰلكَ، وموسىٰ نجيُّ اللهِ، وهوَ كذٰلكَ، وعيسىٰ روحُهُ وكلمتُهُ وهوَ كذٰلكَ. وآدمَ اصطفاهُ اللهُ وهوَ كذٰلكَ. ألا وأنا حبيبُ اللهِ ولا فَخْرَ، آدمُ ومَنْ دونَهُ تحتَ لِوائي يومَ القيامةِ، وأنا أوَّلُ النَّاسِ خروجاً إذا بُعِثوا، وأنا خطيبُهُمْ إذا وَفَدُوا، وأنا أكرمُ وَلَدِ آدمَ علىٰ ربِّي ولا فخرَ».

”اور رب العالمین کے محبوب ہیں“ اس لیے کہ جب آپ ﷺ کی اتباع کی برکت سے آپ ﷺ کی امت کے لیے یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی فرماتے ہیں کہ: ”میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا“، تو آپ کا اللہ کا محبوب ہونا بطریق اولی ثابت ہو گیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: ایک دن صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، وہ حضرات مذاکرہ کررہے تھے کہ آپ نے ان کی بات سن لی، ان میں سے کوئی کہہ رہا تھا: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا، اور دوسرا کوئی کہہ رہا تھا کہ: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا کلام کرنا کتنا تعجب خیز معاملہ ہے؟ اور ایک نے کہا کہ: عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، اور ایک دوسرے نے کہ: اور آدم علیہ السلام کو تو اللہ نے چن لیا ہے، تو آپ ﷺ نکل کر ان کے سامنے آئے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہاری بحث سن لی ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اللہ کے خلیل ہیں، وہ واقعی ایسے ہی ہیں، اور موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے نجی ہیں اور وہ واقعی بھی ایسے ہی ہیں، اور عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں اور وہ واقعی بھی ایسے ہی ہیں، اور آدم اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے اور وہ واقعی بھی ایسے ہی ہیں، لیکن سن لو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں، آدم اور اس کے بعد والے لوگ میرے پرچم کے ماتحت ہوں گے اور جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے نکلوں گا، اور جب وہ دربارِ الٰہی میں آئیں گے تو میں ان کی طرف سے بات کروں گا، اور میں اپنے رب کے نزدیک اولادِ میں سب سے بہتر ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔

قولُهُ: (**وكلُّ دعوةِ نُبوَّةٍ بعدَ نُبُوَّتِهِ فَغَيٌّ وهوىً**)؛ لأنَّهُ لمَّا ثبتَ بالنَّصِّ القطعيِّ أنَّهُ خاتمُ النَّبيِّينَ، وأنَّهُ لا نبيَّ بعدَهُ، فمَنِ ادَّعى النُّبوَّةَ بعدَهُ فهوَ يريدُ تكذيبَ النَّصِّ القطعيِّ فيكونُ غيًّا. يقالُ: غوى يغوي غيًّا، إذا سَلَكَ خلافَ طريقِ الرُّشدِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾، أي: قدْ ظَهَرَ الهُدى مِنَ الضَّلالةِ، والإيمانَ مِنَ الكفرِ، والحقَّ مِنَ الباطلِ والهوى عبارةٌ عَنِ شهوةِ النَّفسِ وميلِهِ إلى الباطلِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾، فتكونُ تلكَ الدَّعوىٰ صادرةً عنْ هوى النَّفسِ لا عَنْ دليلٍ فيكونُ باطلاً.

"آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا گمراہی اور خواہش پرستی ہے" اس لیے کہ نصِ قطعی سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، تو جس نے آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کیا وہ نصِ قطعی کی تکذیب کرنا چاہتا ہے، لہٰذا یہ گمراہی ہو گی، کہا جاتا ہے کہ: "غوی یغوی غیًا"، (یہ اس وقت کہا جائے گا کہ) جب ہدایت کے راستے کے خلاف چلے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا" یعنی ہدایت گمرائی سے، ایمان کفر سے، اور حق باطل سے (ممتاز ہو کر واضح ہو چکا) اور "الھوی" نفس کی خواہش اور باطل کی طرف اس کے جھکاؤ سے عبارت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا" پس یہ دعوی خواہشِ نفس سے صادر شدہ کہلائے گا لہٰذا باطل ہو گا۔

قولُهُ: (وهوَ المبْعُوثُ إلى عامَّةِ الجِنِّ وكافَّةِ الوَرَى، فهو رسولُ الثَّقلَيْنِ).

"اور آپ ﷺ کو تمام جنات اور ساری کائنات کی طرف بھیجا گیا ہے، آپ ﷺ ثقلین (جن وانس) کا رسول ہے"

أمَّا الدَّليلُ علىٰ أنَّهُ مبعوثٌ إلى كافَّةِ الإنسِ، فقولُهُ تعالَى: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾، وقولُهُ تعالَى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾، فبطَلَ بِهٰذا زَعْمُ مَنْ قالَ مِنَ اليهودِ: إنَّهُ رسولٌ إلى العربِ فقطْ.

تمام انسانوں کی طرف آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ "(اے رسول! ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: "اور ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے"، لہٰذا اس سے یہود کی وہ سوچ باطل ہو گئی جو کہتے تھے کہ: یہ صرف عرب کی طرف بھیجا گیا رسول ہے۔

وأمَّا الدَّليلُ على أنَّهُ مبعوثٌ إلى عامَّةِ الجنِّ، فقولُهُ تعالَى: ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا، يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ﴾ إلىٰ قولِهِ: ﴿وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ﴾.

اور تمام جنات کی طرف آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "(اے پیغمبر!) کہہ دو: میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، اور (اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، جو راہِ

راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں" اللہ تعالیٰ کے قول: "اور یہ کہہ دو کہ: جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے" تک ہے۔

قولُهُ: (**بالحقِّ والهدىَ، وبالنُّورِ والضِّياءِ**)، الباءُ في قولِهِ: «بالحقِّ» متعلِّقٌ بقولِهِ: «وهوَ المبعوثُ»، والتَّقديرُ: وهوَ المبعوثُ بالحقِّ الذي لأجلِهِ خُلِقتِ السَّمواتُ والأرضُ، وهوَ الدَّلالةُ على وَحدانيَّةِ الصَّانعِ، والاستعبادُ بالأوامرِ والنَّواهي، والبعثُ بعدَ الفناءِ للجزاءِ في دارِ البقاءِ، ويحتملُ أنْ يكونَ المرادُ «بالحقِّ» الحقَّ الذي للهِ على العبادِ مِنَ الشَّرائعِ والفرائضِ والواجباتِ، وما لبعضِهِمْ على بعضٍ.

"حق وہدایت اور نور وضیاء کے ساتھ" مصنف رحمہ اللہ کے قول: "بالحقِّ" میں "باء" ان کے قول: "وهو المبعوث" کے ساتھ متعلق ہے، اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی کہ: اور اسے اس حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے کہ جس کے لیے آسمان اور زمین کی تخلیق ہوئی ہے، اور یہی خالق کی وحدانیت اور امر و نہی سے عبادت کے حصول، فناء کے بعد دار البقاء میں جزاء کے لیے دوبارہ اٹھے جانے کی دلیل ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ "بالحقِّ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اور لوگوں کا ایک دوسرے پر واجب شدہ وہ حق ہے کہ جو بندوں پر شریعت، فرائض اور واجبات کی صورت میں ہے۔

و«الهدىٰ» هوَ الدَّلالةُ الموصلةُ إلى المقصدِ بدليلِ وقوعِ الضَّلالةِ في مقابلتِهِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ﴾، وقيلَ: معنَى الهدىٰ البيان، أيْ: المبعوثُ لبيانِ طريقِ الحقِّ للخلقِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾.

"الهدىٰ" (ہدایت) سے مراد وہ رہنمائی ہے کہ جو مقصد تک پہنچانے والی ہو اس دلیل کے ساتھ کہ اس کے مقابلے میں ضلالت واقع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے"، اور کہا گیا ہے کہ "الهدىٰ" کا معنیٰ وضاحت ہے، یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے لیے حق کے راستے کی وضاحت کے لیے بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا رہے ہو"۔

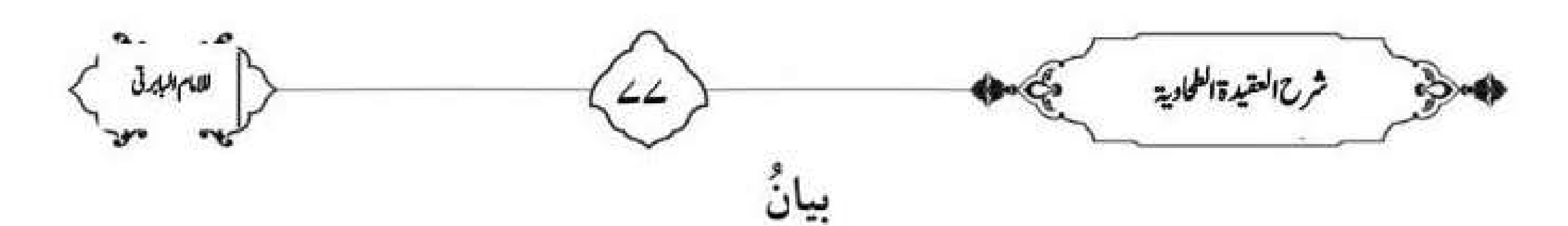
والمرادُ بالنُّورِ والضِّياءِ الشَّريعةُ الظَّاهرةُ بالبراهينِ الباهرةِ مِنَ القرآنِ وسائرِ الدَّلائلِ الدَّالَّةِ على الحقيقةِ، ووجهُ التَّشبيهِ بينَ النُّورِ والقرآنِ ظاهرٌ مِنْ حيثُ الاهتداءُ بِهِ، والنُّورُ ضوءُ كلِّ مضيءٍ، وهوَ



نقيضُ الظُّلمةِ، والإضاءةُ فَرْطُ الإنارةِ، فيكونُ الضَّوءُ أبلغَ مِنَ النُّورِ، مصداقُ ذٰلكَ قولُهُ تعالَى: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا﴾.

اور نور وضیاء سے مراد قرآن اور ان تمام دلائل سے ثابت شدہ واضح شریعت ہے جو حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اور نور (روشنی) اور قرآن کے درمیان وجہِ تشبیہ ظاہر ہے کہ دونوں سے رہنمائی لی جاتی ہے، اور نور ہر روشنی دینے والی چیز کی روشنی کو کہتے ہیں، اور یہ اندھیرے کی نقیض ہے، اور اضاءت شدتِ نور ہے، لہٰذا ضوء نور سے زیادہ بلیغ ہے، اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا قول:

"اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور"۔



بيانُ

أنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ القديمُ

قولُهُ: (وإنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ عزَّ وجلَّ منهُ بَدَا بلا كَيْفِيَّةٍ قَوْلاً، وأنزلَهُ على نبيِّهِ وَحْياً، وصَدَّقَهُ المؤمنونَ على ذٰلكَ حقًّا).

"اور (ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ سے اس کا ظہور بغیر کسی کیفیت کے قول کی شکل میں ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی شکل میں اسے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے، اور مؤمنین نے حق سمجھ کر اس کی تصدیق کی ہے"۔

لمَّا فرغَ مِنْ بيانِ التَّوحيدِ والنُّبوَّةِ، شَرَعَ فِي بيانِ العقيدةِ في القرآنِ، لأنَّ مدارَ الشَّريعةِ عليهِ، وهوَ معجزةٌ دالَّةٌ على النُّبوَّةِ. وقد اختلفَ فيهِ النَّاسُ، فمِنَ المُهِمِّ بيانُ ما هوَ الحقُّ، فقالَ: «وإنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ» وهوَ عطفٌ علىٰ قولِهِ: «إنَّ اللهَ واحدٌ»، والتَّقديرُ: نقولُ – معتقدينَ –: إنَّ اللهَ واحِدٌ، وإنَّ مُحمَّداً عبدُهُ المُصْطَفَى وإنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ، لقولِهِ تعالَى: ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ ٱللَّهِ﴾، ﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ ٱللَّهِ﴾.

مصنف رحمۃ اللہ علیہ جب توحید اور نبوت کے بیان سے فارغ ہوگئے تو قرآن سے متعلق عقیدے کا بیان شروع کر دیا، اس لیے کہ شریعت کا مدار اسی پر ہے، اور یہ ایسا معجزہ ہے جو نبوت پر دلالت کرتا ہے، اور اس کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، لہذا جو حق ہے اس کا بیان اہم ہے، چنانچہ فرمایا کہ: "وإنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ" اور یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول: "إنَّ اللهَ واحدٌ" پر عطف ہے، اور تقدیر (عبارت) یہ ہے کہ ہم اعتقاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اللہ ایک ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ہیں، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ کے قول: "جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے"، "وہ چاہیں گے کہ اللہ کی بات کو بدل دیں"۔

وأرادَ بنفيِ الكيفيَةِ عنهُ إثباتَ أزليَّتِهِ ردًّا على المعتزلةِ والكراميَّةِ، ونفيَ كونِهِ مِنْ جنسِ الحروفِ والأصواتِ ردًّا على الحنابلةِ، وذٰلكَ لأنَّ كلامَ اللهِ صفتُهُ القائمةُ بذاتِهِ، فيكونُ قديماً كسائرِ صفاتِهِ، إذ لو كانَ حادثاً، فإمَّا أن يكونَ: حدثَ في ذاتِهِ، كما زعمتِ الكراميَّةِ، فيُصيرُ ذاتُهُ محلًّا للحوادثِ وهوَ لا يجوزُ. أو لا في محلٍّ، وهوَ محالٌ أيضاً، لأنَّ الكلامَ عرضٌ فلا بدَّ لهُ مِنْ محلٍّ، أو حدثَ في محلٍّ آخرَ فيكونُ المتكلِّمُ ذٰلكَ المحلُّ لا خالقُهُ.

اور اس سے کیفیت کی نفی کے ذریعے ازلیت کے اثبات سے مصنف رحمہ اللہ علیہ نے معتزلہ اور کرامیہ کی تردید اور حروف اور اصوات کے جنس میں سے ہونے کی نفی سے حنابلہ کی تردید کا ارادہ کیا ہے، اور یہ اس لیے کہ اللہ کا کلام اس کی ایسی صفت ہے جو اسی کے ساتھ قائم ہے، یہ اس کے دوسری صفات کی طرح قدیم ہوگی، اس لیے کہ اگر یہ حادث ہو تو یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہوگا جیسا کہ کرامیہ کا گمان ہے، تو اس کی ذات حوادث کا محل بن جائے گی، اور یہ ممکن نہیں ہے، یا کسی محل کے بغیر ہوگا اور یہ بھی محال ہے، اس لیے کہ کلام ایک عرض ہے اس کے لیے کسی محل کا ہونا ضروری ہے، یا وہ کسی اور محل میں حادث ہوگا تو متکلم اس کا محل ہوگا نہ کہ اس کا خالق۔

وقولُ الحنابلةِ وهوَ أَنَّهُ حروفٌ غيرُ مخلوقةٍ قائمةٌ بذاتِهِ، أيضاً باطلٌ؛ لأنَّ الحروفَ تتوالى، ويقعُ بعضُها مسبوقاً ببعضٍ، وكلُّ مسبوقٍ حادثٌ، ولأنَّ الحروفَ لا تصدرُ إلَّا مِنَ الآلاتِ، وهيَ الحلقُ والشَّفةُ وغيرُهُما، فيلزمُ منهُ التَّجسيمُ، تَعالَى اللهُ عَنْ ذٰلكَ.

اور حنابلہ کا قول کہ: یہ حروف ہیں جو غیر مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، بھی باطل ہے، اس لیے کہ حروف پے درپے ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے سے مسبوق ہوتے ہیں، اور ہر مسبوق حادث ہوتا ہے، اور اس لیے کہ حروف تو صرف آلات سے صادر ہوتے ہیں، اور وہ (آلات) حلق، ہونٹ وغیرہ ہیں، اس لیے تجسیم لازم آئے گی، جس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔

وإنَّما قالَ: «أنزلَهُ على نبيِّهِ وحياً» لقولِهِ تعالَى: ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾، وقولِهِ تعالَى: ﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ وإنَّما قالَ: «وصدَّقَهُ المؤمنونَ علىٰ ذٰلكَ حقًّا»؛ لأنَّ الصَّحابةَ شَهِدوا نزولَهُ على الرَّسولِ، وتحقَّقوا إعجازَهُ، وصدَّقوا كونَهُ كلامَ اللهِ تعالَى، ثمَّ نقلوا إلى مَنْ بعدَهُمْ بالتَّواترِ كما نقلوا عَنْ رسولِ اللهِ عليهِ السَّلامُ، ودعوا الخلقَ إلى إقامةِ حكمِهِ اعتقاداً وعملاً، وذٰلكَ دليلٌ علىٰ تصديقِهِمْ.

اور مصنف رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے وحی کی شکل میں اسے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: "اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے" اور اللہ تعالیٰ کے قول: "(اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل کی ہے"۔

اور مصنف رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "اور مؤمنین نے حق سمجھ کر اس کی تصدیق کی ہے" اس لیے کہ صحابہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے نزول کا مشاہدہ کیا، اور اس کے اعجاز کی تحقیق کی، اور اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کردی، پھر اس کو اپنے بعد کے

لوگوں تک تواتر کے ذریعے نقل کر دیا، جیسا کہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا تھا، اور لوگوں کو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اس کے حکم کو قائم کرنے کی دعوت دی، اور یہ ان کی تصدیق کی دلیل ہے۔

قولُهُ: **(وأيقنوا أنَّهُ كلامُ اللهِ عزَّ وجلَّ بالحقيقةِ)** أي: عِلِمُوا باليقينِ أنَّ القرآنَ كلامُ اللهِ تعالَى بالحقيقةِ، كالعلمِ والحياةِ وسائرِ الصِّفاتِ، وفيهِ ردٌّ لمذهبِ المعتزلةِ حيثُ قالوا: إنَّما سُمِّي القرآنُ كلامَ اللهِ بطريقِ المجازِ، لأنَّهُ خالقُهُ، قلنا: هٰذا فاسدٌ، فإنَّ المتكلِّمَ حقيقةً مَنْ قامَ بِهِ الكلامُ، لا مَنْ خلقَ الكلامَ، كالعالِمِ مَنْ قامَ بِهِ العِلْمُ، لا مَنْ خَلَقَ العلمَ في غيرِهِ، إذْ لو اتَّصفَ بالكلامِ مَعَ أنَّهُ لمْ يَقُمْ بِهِ باعتبارِ أنَّهُ خالقُهُ، لاتَّصفَ بالسَّوادِ وسائرِ الألوانِ المختلفةِ لأنَّهُ خالقُهُ.

"اور اس بات پر یقین کیا ہے کہ یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں" یعنی انہیں علم یقین حاصل ہو گیا تھا کہ علم، حیات اور دوسری تمام صفات کی طرح قرآن حقیقتاً اللہ کا کلام ہے، اور اس میں معتزلہ کے مذہب کی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ: قرآن کو مجازی طریقے سے کلام اللہ کا نام دیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ اس کا خالق ہے، ہم کہتے ہیں کہ: یہ فاسد ہے، اس لیے کہ حقیقتاً متکلم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ (صفتِ) کلام قائم ہو جائے نہ کہ وہ جس نے کلام کی تخلیق کی ہے، جیسے عالم وہ ہے کہ جس کے ساتھ علم قائم ہو، نہ کہ وہ جو کسی دوسرے کے اندر علم پیدا کرلے، اس لیے کہ اگر اس کو صفت کے عدمِ قیام کے باوجود اس اعتبار سے کلام کے ساتھ متصف کر لیا جائے تو اس کو سیاہی اور مختلف اقسام کے رنگوں کے ساتھ بھی متصف کیا جائے گا اس لیے کہ وہ ان کا خالق ہے۔

قولُهُ: **(فَمَنْ سَمِعَهُ وزَعَمَ أنَّه كلامُ البَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ)**، هٰذا ردٌّ لقولِ المنافقينَ الذينَ كانوا يَطعَنونَ فيهِ، بأنَّهُ كلامُ مُحمَّدٍ يقولُهُ مِنْ تلقاءِ نفسِهِ مِنْ غيرِ أنْ يُوحىٰ إليهِ مِنْ رَبِّهِ، وقدْ ذمَّ اللهُ تعالَى - أي: عابَ - وأوعدَ بسَقَر - أي: بعذابِ النَّارِ - لِمَنْ قالَ: إنَّهُ كلامُ البشرِ، حيثُ قالَ إخباراً: ﴿إِنْ هَـٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ، سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾.

"جس نے اس کلام کو سنا اور یہ سمجھا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو ایسا شخص کافر ہے" یہ منافقین کے قول کی تردید ہے جو قرآن پر طعنہ زنی کرتے تھے، کہ یہ محمد کا کلام ہے جسے وہ اپنے رب کی طرف سے وحی کے بغیر اپنی طرف سے بناتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مذمت کی - یعنی ان کو عار دلایا اور سقر یعنی جہنم کے عذاب کی دھمکی دی - اس شخص کو جس نے کہا: یہ انسانی کلام ہے، خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ: "(اس نے کہا:) کچھ نہیں، یہ تو ایک انسان کا کلام ہے، عنقریب میں اس شخص کو دوزخ میں جھونک دوں گا"۔

قولُهُ: **(فلمَّا أَوعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قالَ ﴿إِنْ هَـٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾، عَلِمْنَا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ البَشَرِ، ولا يُشبِهُهُ قَوْلُ البَشَرِ، وَمَنْ وَصَفَ اللهَ تعالَى بمعنًى مِنْ معاني البشرِ فقدْ كَفَرَ فَمَنْ أَبْصَرَ هٰذا اعْتَبَرَ،**

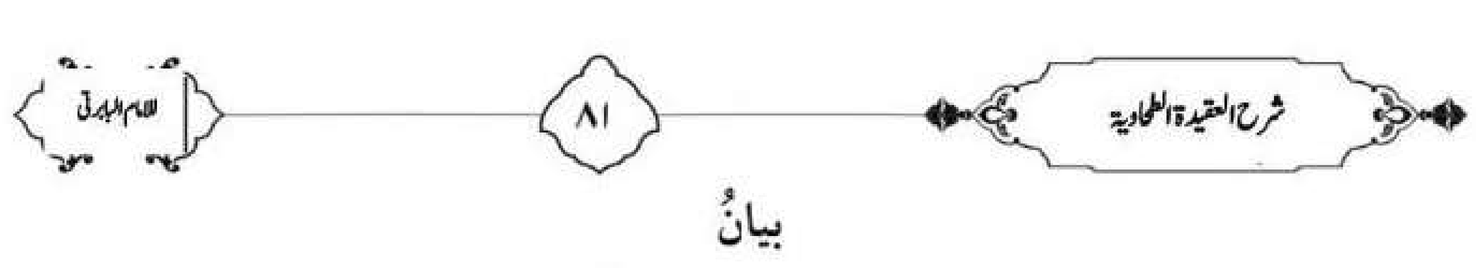
وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الكَفَّارِ انْزَجَرَ)، هٰذا كلُّهُ تأكيدٌ لِنفيِ حُدُوثِ الكلامِ وجَعْلِهُ مِنْ جنسِ الحروفِ والأصواتِ مُشابِهاً لكلامِ المخلوقينَ، فإنَّ مَنْ قالَ بِخَلقِ القرآنِ وحدوثِهِ، وأنَّهُ مِنْ جنسِ الحروفِ والأصواتِ، فقدْ وصفَ الباريَ بِما يُوصَفُ بِهِ البشرُ، فيكونُ هٰذا القولُ مشابِهاً لقولِ الكفَّارِ الذينَ هُمْ قائلونَ بأنَّهُ كلامُ البشرِ، لِما فيهِ مِنْ تشبيهِ الخالِقِ بالخلقِ. فَمَنْ تَأَمَّلَ في هٰذِهِ المعاني، وبَحَثَ عنها وفَهِمَها، وَقَعَ لهُ الاعتبارُ ووَجَبَ عليهِ الانزجارُ عمَّا يقولُهُ الكفَّارُ.

”جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جہنم کی وعید سنائی جس نے یہ کہا تھا کہ: ”کچھ نہیں، یہ تو ایک انسان کا کلام ہے“ تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ خالق بشر کا کلام ہے، اور بشر کے کلام کی طرح نہیں ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے بشر کی صفات میں سے کسی صفت کو ثابت کرے تو یہ شخص کافر ہے، جو شخص بصیرت کی نگاہ سے دیکھے گا تو وہ عبرت حاصل کرے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کو انسانوں کی طرح نہیں کہے گا) اور کفار کی طرح بات کرنے سے باز رہے گا“۔

یہ پوری کی پوری عبارت حدوثِ کلام کی اور اسے حروف اور اصوات میں سے مخلوقات کے کلام کے مشابہ بنانے کی نفی (پر مشتمل) ہے، اس لیے کہ جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے، اس کے حادث ہونے اور اس بات کا قائل ہو کہ یہ حروف اور آوازوں کی جنس میں سے ہے تو اس نے باری تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ متصف کر دیا جن سے انسان متصف ہوتے ہیں، تو یہ بات خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے ان کفار کے قول کے مشابہ ہو گی جو اس بات کے قائل تھے کہ یہ انسانی کلام ہے، پس جو شخص ان صفات میں غور کرے گا اور ان سے متعلق بحث کرے گا اور ان کو سمجھے گا تو اس کو عبرت حاصل ہو گی اور اس پر اس بات سے باز رہنا واجب ہو گا جو کفار کہتے ہیں۔

قولُهُ: (وَعَلِمَ أَنَّ اللهَ تعالَى بصفاتِهِ لَيْسَ كالبَشَرِ)، فإنَّ صفاتِهِ قديمةٌ قائمةٌ بذاتِهِ ليستْ بقابلةٍ للزَّوالِ، وصفاتُ البشرِ حادثةٌ كذواتِهِمْ، قابلةٌ للزَّوالِ والفناءِ والكيفيَّاتِ والكمِّيَّاتِ، واللهُ تعالَى متعالٍ عَنْ ذٰلكَ كلِّهِ، ليسَ كمثلِهِ شيءٌ.

”اور یقین کر لے گا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں جیسی صفات نہیں رکھتا“، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں، اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، زوال کو قبول نہیں کرتی، جبکہ انسانی صفات ان کی ذات کی طرح حادث ہیں، زوال، فناء، کیفیات اور کمیات کو قبول کرنے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے بلند ہے، کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔



بيانُ
أنَّ رؤيتَهُ تعالَى حقٌّ

قولُهُ: (والرُّؤيةُ حقٌّ لأهلِ الجنَّةِ بغيرِ إحاطةٍ ولا كيفيَّةٍ، لِمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا جَلَّ وعلَا: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ، إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾، وتفسيرُهُ على ما أرادَ اللهُ تعالَى وعَلِمَهُ، وكلُّ ما جاءَ في ذٰلكَ مِنَ الحديثِ الصَّحيحِ عَنْ رسولِ اللهِ فهوَ كما قالَ، ومعناهُ علىٰ ما أرادَ).

"اہلِ جنت کا اللہ تعالیٰ کو بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے دیکھنا بر حق ہے، جیسا کہ ہمارے رب کی کتاب اس بارے میں فرماتی ہے: "اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے" اس کا وہی مطلب قابلِ قبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور علم کے مطابق ہوگا، اور اس بارے میں ہر وہ صحیح حدیث جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو تو اس کا بھی وہی معنی و مطلب ہوگا جو آپ ﷺ نے بیان فرمایا اور مراد لیا ہو"۔

أرادَ أنْ يُثبِتَ أنَّ رؤيةَ اللهِ تعالَى بالأبصارِ في دارِ القرارِ للأبرارِ حقٌّ، فيرونَهُ: لا في مكانٍ، ولا على جهةٍ، أو اتِّصالِ شعاعٍ، أو ثبوتِ مسافةٍ بينَ الرَّائي وبينَهُ تعالَى، وهوَ المرادُ بقولِهِ: «ولا كيفيَّةٍ». ومقصودُهُ: الاعتقادُ بأصلِ الرُّؤيةِ وعدمُ الاشتغالِ بالكيفيَّةِ.

اس سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کے اثبات کا ارادہ کیا ہے کہ نیک لوگوں کا اللہ تعالیٰ کو جنت میں آنکھوں سے دیکھنا بر حق ہے، وہ اس کو بغیر کسی مکان، اور کسی جہت، یا شعاع کے اتصال یا دیکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی مسافت کے ثبوت کے بغیر دیکھیں گے، اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول: "ولا کیفیَّۃ" کا یہی معنی ہے، اور اس کا مقصد: اصل رویۃ کا اعتقاد رکھنا اور کیفیت کے ساتھ مشغول نہ ہونا ہے۔

وإنَّما قالَ: «بغيرِ إحاطةٍ» لأنَّ الإحاطةَ - وهيَ الإدراكُ بالجوانبِ - محالٌ على اللهِ، لأنَّهُ ليسَ بجسمٍ حتَّى يكونَ لهُ نِهاياتٌ فيدركُ بِها، وعليهِ يُحملُ قولُهُ تعالَى: ﴿لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "احاطہ کے بغیر" اس لیے کہ احاطہ تو "تمام اطراف سے ادراک کو کہتے ہیں" جو کہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے کہ اس کے اطراف ہوں جن سے اس کا ادراک کیا جائے، اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے اس قول کو محمول کیا جائے گا کہ: "نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے"۔

قولُهُ: «لِمَا نَطَقَ بِهِ كتابُ ربِّنَا» وهوَ قولُهُ: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ، إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾، وتفسيرُهُ ما أرادَ اللهُ تعالَى. والنَّظرُ المضافُ إلى الوجهِ المقيَّدِ بكلمةِ «إلى» لا يكونُ إلا نظرَ العينِ. وحملُ النَّظرِ على الانتظارِ المنغِّصِ للنِّعمِ في دارِ القرارِ سَمِجٌ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول: "جیسا کہ ہمارے رب کی کتاب اس بارے میں فرماتی ہے" اور وہ اللہ تعالیٰ کے قول: "اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے" ہے، اور اس کی تفسیر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، اور چہرے کی طرف مضاف کلمہ "ناظرة" جو "إلیٰ" کے ساتھ مقید ہو اس سے صرف آنکھوں کی نظر مراد ہو سکتی ہے، اور نظر کو جنت میں نعمتوں کے لیے اکتا دینے والے انتظار پر حمل کر دینا بری بات ہے۔

وقولُهُ تعالَى في قصَّةِ موسىٰ: ﴿رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ﴾، وجهُ التَّمَسُّكِ بِهِ: أنَّ موسىٰ عليهِ السَّلامُ سألَ ربَّهُ الرُّؤيةَ، ولا نظنُّ بِهِ أنَّهُ سألَ ما هوَ محالٌ عندَهُ، وكانَ السُّؤال دليلاً أنَّهُ اعتقدَهُ جائزَ الرُّؤيةِ. فمَنْ أحالَ الرُّؤيةَ فقدْ نسبَ موسىٰ إلى الجهلِ بالخالقِ، وهوَ كفرٌ.

اور حضرت موسیٰ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: "میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں"، اس کی وجہِ استدلال یہ ہے کہ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے رویت کا سوال کیا، اور ہم یہ گمان تو نہیں کر سکتے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس چیز کا سوال کر دیا جو اس کے نزدیک محال تھی، اور سوال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کی رویت کو ممکن سمجھتے تھے، پس جس نے رویت کو محال قرار دیا اس نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنے خالق کے اعتبار سے جہل کی نسبت کی، جو کہ کفر ہے۔

وقولُهُ تعالَى: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾، وقدْ فسَّرَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ الحُسنىٰ بالجنَّةِ، والزيادةَ بالنَّظرِ إلى اللهِ تعالَى.

"جن لوگوں نے بہتر کام کیے، بہترین حالت انہی کے لیے ہے، اور اُس سے بڑھ کر کچھ اور بھی" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "بہترین حالت" کی تفسیر جنت سے، اور "اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی" کی تفسیر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے کی ہے۔

وقولُهُ تعالَى: ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ﴾ واللِّقاءُ هوَ الرُّؤيةُ.

اور اللہ تعالیٰ کے قول: جس دن مؤمن لوگ اللہ سے ملیں گے، اُس دن اُن کا استقبال سلام سے ہو گا" اور ملنا ہی تو رویت ہے۔

وقولُهُ تعالَى: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾، فتخصيصُ الكَفَرَةِ بالحجابِ دليلٌ علىٰ عدمِ الحجابِ للمؤمنينَ، وإلَّا يلزمُ أنْ يكونَ الأبرارُ في الحجابِ مساوينَ للكُفَّارِ، وأمثالُ ذٰلكَ مِنَ الآياتِ الدَّالَّةِ علىٰ جوازِ الرُّؤيةِ أكثرُ مِنْ أن يُحصىٰ.

اور اللہ تعالیٰ کا قول: "ہر گز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے" کفار کو حجاب کے ساتھ خاص کر دینا مؤمنین کے عدمِ حجاب پر دلیل ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ نیک لوگ بھی حجاب میں کفار کے برابر ہوں، اور رویت کے امکان پر دلالت کرنے والی اس طرح کی آیتیں بے شمار ہیں۔

وأمَّا الحديثُ الصَّحيحُ عَنْ رسولِ اللهِ ﷺ فهوَ قولُهُ عليهِ السَّلامُ: «إنَّكُمْ سترونَ ربَّكُمْ يومَ القيامةِ، كما ترونَ القمرَ ليلةَ البدرِ لا تُضامونَ في رؤيتِهِ». والمرادُ تشبيهُ الرُّؤيةِ بالرُّؤيةِ في عدمِ الشَّكِّ والخلافِ فيها، لا تشبيهَ المرئيِّ بالمرئيِّ.

جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح حدیث کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ: "تم قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو، اس کو دیکھنے میں کوئی مزاحمت نہیں ہو گی"، اس سے مراد عدمِ شک اور مختلف نہ ہونے کے اعتبار سے رویت کو رویت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، نہ کہ مرئی (دکھائی دینے والے) کو مرئی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

وقولُهُ ﷺ: «إذا دخَلَ أهلُ الجنَّةِ الجنَّةَ يقولُ اللهُ تباركَ وتعالَى: يا أهلَ الجنَّةِ تريدونَ شيئًا أَزِيدُكم؟ فيقولونَ: يا ربَّنا ألم تُبيِّضْ وجوهَنا؟ ألَمْ تُدخِلْنا الجنَّةَ؟ ألَمْ تُنجِنا مِنَ النَّارِ؟ قالَ: فيكشفُ الحجابَ فما أعطوا شيئًا أحبَّ إليهِمْ مِنَ النَّظرِ إلىٰ ربِّهِمْ تباركَ وتعالَى.

اور حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ: "جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ: اے اہلِ جنت! کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو جسے میں تمہارے لیے اضافہ کر دوں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟ پھر فرمایا کہ: پھر حجاب اٹھ جائے گا: اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی ایسی چیز نہیں دی جو ان کے نزدیک اللہ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو"۔

فَيَنْسونَ النَّعيمَ إذا رَأَوْهُ — فيا خُسْرانَ أهلِ الاعتزالِ

جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھیں گے تو جنت کی نعمتیں بھول جائیں — ہائے معتزلہ کتنے بڑے خسارے میں ہیں

قولُهُ: (ولا نَدْخُلُ في ذٰلكَ مُتأَوِّلينَ بِرَأْيِنا، ولا مُتوهِّمينَ بأهوائِنَا). هٰذا ردٌّ على المعتزلةِ حيثُ أَوَّلوا قولَهُ تعالَى: ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾، أنَّ كلمةَ «إلى» ههُنا واحدةُ «الآلاء»، بمعنَى النِّعمةِ، كقولِهِ تعالَى: ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾، فيكونُ لفظُ النَّظرِ عاريًا عنْ حرفِ إلىٰ فيكونُ المعنىٰ: وجوهٌ يَومئذٍ ناظرةٌ إلى نَعماءِ ربِّها ومنتظرةٌ لها.

"ہم (رؤیت کا) معنی بیان کرنے میں اپنی رائے سے کوئی تاویل نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی خواہشات کی بنا پر اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں"، یہ معتزلہ کی تردید ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: "اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے" میں تاویل کی ہے کہ: یہاں پر کلمہ "إلی" واحد ہے (جس کی جمع ہے) "الآلاء" جو کہ نعمت کے معنی میں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: "اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" تو اس وقت لفظِ "النظر" "إلی" سے خالی ہوگا تو معنی اس طرح ہوگا کہ: بعض چہرے اس دن اپنے رب کی نعمتوں کی طرف دیکھنے والوں ہوں گے اور ان کے لیے منتظر ہوں گے۔

وهٰذا التَّأويلُ مَعَ بُعدِهِ فاسدٌ؛ لأَنَّ حَمْلَ النَّظرَ على الانتظارِ الذي هوَ موجِبٌ للحزنِ -كما قيلَ: إنَّ الانتظارَ موتٌ أحمرٌ- في دارِ السُّرورِ سمجٌ. وحَمَلَهُمْ على هٰذا التَّأويلِ الفاسدِ وَهْمُهُمْ الباطلُ، والهوى الذي هوَ مِنَ المُهْلِكاتِ، حيثُ تركوا الطَّريقَ الواضِحَ واتَّبعُوا الهوىٰ.

اور یہ تاویل مفہوم سے بعید ہونے کے ساتھ فاسد ہے، اس لیے کہ خوشی کے مقام پر نظر کو انتظار پر محمول کر دینا جو کہ حزن اور (ملال) کو لانے والا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "انتظار ایک سرخ موت ہے" بری بات ہے۔

اور ان کو اس فاسد تاویل پر ان کے باطل سوچ اور اس خواہش نے اکسایا ہے جو کہ مہلکات میں سے ہے، کہ واضح راستے کو چھوڑ کر خواہش پرستی کی اتباع کر بیٹھے ہیں۔

قولُهُ: (فَإِنَّهُ ما سَلِمَ في دينِهِ إلا مَنْ سَلَّمَ اللهُ عزَّ وجلَّ ولرسولِهِ عليهِ السَّلامُ وردَّ عِلْمَ ما اشتبهَ عليهِ إلى عالِمِهِ).

"اس لیے کہ دین کے معاملے میں وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالے کردے، اور جو مسئلہ اس پر مشتبہ ہو جائے اس کے لیے کسی عالم کی طرف رجوع کرے"

إنَّما قالَ ذٰلكَ لأنَّهُ يجبُ علىٰ كلِّ مسلِمٍ تسليمُ ما ثَبَتَ كونُهُ مِنَ اللهِ تعالَى ومِنْ رسولِهِ، سواءٌ عَلِمَ الحكمةَ فيهِ أَوْ لمْ يعلمْ، ولا يَردُّ ذٰلكَ بسببِ عدمِ إدراكِهِ؛ فإنَّ عقولَ البشرِ قاصرةٌ عَنْ إدراكِ حِكَمِ اللهِ تعالَى؛ لأنَّ العقلَ جزءٌ مِنْ أجزاءِ العالَمِ، فكيفَ يُحيطُ بِحِكَمِ الرُّبوبيَّةِ؟

فَمَنْ أرادَ سلامةَ دينِهِ يجبُ عليهِ: أن يَرُدَّ علمَ ما اشتبَهَ عليهِ إلى اللهِ؛ فإنَّهُ العالمُ بحقائِقِ الأشياءِ، ويسكُتُ عَنْ تأويلِ المُتشابِهاتِ.

مصنف رحمہ اللہ علیہ نے اس طرح اس لیے فرمایا کہ مسلمان پر ہر اس بات کو تسلیم کرنا واجب ہے جس کا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہونا ثابت ہو جائے، چاہے اس میں موجود حکمت کو جان لے یا نہ جان سکے، اس کو اپنے عدمِ ادراک کی وجہ سے رد نہ کرے، اس لیے کہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے ادراک سے قاصر ہے، اس لے کہ عقل، کائنات ہی کا ایک جزء ہے، تو وہ ربوبیت کی حکمتوں کا ادراک کس طرح کر سکتی ہے؟

پس جو شخص اپنے دین کی سلامتی کو چاہتا ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے اوپر مشتبہ چیزوں کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے، اس لیے کہ وہی چیزوں کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے، اور وہ متشابہات کی تاویل سے خاموش رہے۔

فإنَّ قوماً تأوَّلوا بآرائِهِمْ فَنَفَوا الصِّفاتِ وعطَّلوها، وقوماً حَمَلُوها على ظواهِرِها فوقعوا في التَّشبيهِ والتَّجسيمِ فصاروا معطِّلَةً ومشبِّهةً، وحظُّ الرَّاسخِ الإيمانُ بالمتشابِهاتِ، تَرْكُ التَّأويلِ والوَقْفُ علىٰ قولِهِ تعالَى: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾، كما هوَ مذهبُ السَّلفِ، وهوَ أسلمُ مِنْ مذهبِ الخلفِ الذينَ يؤوِّلونَ بما لا يلزمُ منهُ تشبيهٌ ولا تعطيلٌ.

ایک جماعت نے اپنی رائے سے تاویل کی جس سے صفات کی نفی کی اور ان کو معطل کر دیا، اور ایک جماعت نے ان کو ظاہر پر حمل کر دیا تو تشبیہ اور تجسیم میں پڑ گئی، تو وہ معطلہ اور مشبہہ بن گئے، اور راسخ کا حصہ متشابہات پر ایمان لانا ہے، تاویل کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے قول: "حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا" (میں لفظِ اللہ) پر وقف کرنا ہے، جیسا کہ سلف کا مذہب ہے، اور یہ خلف کے اس مذہب سے زیادہ سلامتی کا راستہ ہے جو ایسی تاویل کرتے ہیں کہ جس سے تشبیہ اور تعطیل لازم نہیں آتی ہیں۔

قَوْلُهُ: (**وَلا يَثْبُتُ قَدَمُ الإِسْلَامِ إلا** [1] **عَلَى ظَهْرِ التَّسْلِيمِ وَالِاسْتِسْلَامِ**)؛ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ هُوَ التَّسْلِيمُ للهِ تَعَالَى فِي كُلِّ مَا ثَبَتَ مِنْ جِهَتِهِ، فَالْمُسْلِمُ مَنْ جَعَلَ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا سَالِمَةً للهِ لَا يُشْرِكُ مَعَهُ أَحَداً، وَفِي كَلِمَة «ظَهَرَ» تَشْبِيهٌ، فَإِنَّهُ لَمَّا أَثْبَتَ لِلْإِسْلَامِ قدماً، وَهُوَ لَا يَثْبُتُ إِلَّا عَلَى شَيْءٍ، فَاسْتَعَارَ لِلتَّسْلِيمِ ظهراً

---

(۱) ہمارے پاس موجود "شرح العقيدة الطحاوية" کے مطبوعہ نسخہ میں لفظ "إلا" موجود نہیں ہے، لیکن عقیدۂ طحاویہ کے مطبوعہ متن میں یہ لفظ موجود ہے، اور اس لفظ کا وجود ضروری بھی ہے۔

حَتَّى يَثْبُتَ قَدَمُ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْإِسْلَامَ هُوَ الِانْقِيَادُ للهِ، وَلَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالتَّسْلِيمِ وَتَرْكِ الِاعْتِرَاضِ عَلَى أَحْكَامِهِ وَحِكَمِهِ.

"اسلام کے قدم صرف اس پیٹھ پر ثابت رہ سکتے ہیں جو خود کو (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے) حوالے کرے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے" اس لیے کہ اسلام تو خود کو ہر اس چیز میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کا نام ہے جو اس کی طرف سے ثابت ہے، پس مسلمان وہ ہے جو تمام چیزوں کو اللہ کے حوالے کردے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور کلمہ "ظهر" میں تشبیہ ہے، اس لیے کہ جب اسلام کے لیے قدم ثابت کر دیا اور قدم تو کسی چیز پر ہی ٹھک سکتے ہیں، لہذا تسلیم کے لیے "پیٹھ" کو مستعار لے لیا، تاکہ اس پر اسلام کے قدم ثابت رہ سکے، اس لیے کہ اسلام تو اللہ تعالیٰ کے لیے سر تسلیم خم کردینا ہے، اور یہ صرف خود کو حوالہ کردینے اور اس کے احکام اور حکمتوں پر اعتراض کو ترک کردینے سے ہی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُهُ: **(وَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ، وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ، حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ).**

"چنانچہ اگر کوئی شخص ان چیزوں کے جاننے کا ارادہ کرے جن سے روکا گیا ہے اور اپنی فہم کو (اللہ تعالیٰ کے) سپرد نہ کرے تو ایسے شخص کا یہ (باطل) مقصد اسے خالص توحید، صاف ستھری معرفت اور صحیح ایمان رکھنے سے روک دے گا"

مَعْنَاهُ: إِنَّ كُلَّ مَنْ لَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ لِمَا ثَبَتَ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَطَلَبَ الْوُقُوفَ عَلَى مَا حُظِرَ - أَيْ: حُجِبَ - عَنِ الْخَلْقِ عِلْمُهُ، كَانَ مَرَامُهُ - أَيْ: مَطْلُوبُهُ، تَحَكُّمًا وَعُدُولًا عَنْ مُوجَبِ الْإِسْلَامِ، فَيَصِيرُ بِرَأْيِهِ الْبَاطِلِ مَحْجُوبًا عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ، وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ، وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ، فَإِنَّ مَنْ عَرَفَ اللهَ بِالْحِكْمَةِ وَالْكَمَالِ وَالرُّبُوبِيَّةِ، وَعَرَفَ نَفْسَهُ بِالْعَجْزِ وَالْجَهْلِ وَالْعُبُودِيَّةِ، يَبْقَى تَحْتَ التَّسْلِيمِ وَالتَّمَسُّكِ وَالرِّضَا بِمَا قَضَى اللهُ، وَلَا يَطْلُبُ وَجْهَ الْحِكْمَةِ مِنَ اللهِ، بَلْ يُفَوِّضُ الْعِلْمَ وَالْحِكْمَةَ إِلَى الْعَلِيمِ الْحَكِيمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلْعَبْدِ أَنْ يَطْلُبَ الِاطِّلَاعَ عَلَى أَسْرَارِ الْمَوْلَى، بَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ الِانْقِيَادُ لَهُ، ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾، ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾.

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ثابت شدہ باتوں پر قناعت نہیں کرتا، اور ان باتوں پر مطلع ہونے کی کوشش کرتا ہے جن کا علم بندوں سے محروم یعنی چھپا دیا گیا ہے، تو اس کا یہ مقصد تحکم ہوگا اور اسلام کے تقاضا سے ہٹ کر ہوگا، تو وہ اپنی باطل رائے کے ذریعے خالص توحید، صاف ستھری معرفت اور صحیح ایمان سے محروم ہو جائے گا، اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو حکمت، کمال اور ربوبیت کے اعتبار سے جانا، اور اپنے آپ کو عجز، جہل اور بندگی کے اعتبار سے جانا، تو وہ اس تسلیم، تمسک اور رضا کے تحت باقی رہے گا جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرلیا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے حکمت کی وجہ

طلب نہیں کرتا بلکہ علم اور حکمت کو علیم اور حکیم ذات کے حوالہ کردیتا ہے، اس لیے کہ غلام کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مولی کے رازوں کو جاننے کی کوشش کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:) "اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے" اور "اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے"۔

إِذْ لَوْ لَمْ يَرْضَ بِالتَّسْلِيمِ، وَيُطْلَبُ مَعْرِفَةَ كُنْهِ حِكْمَةِ اللهِ، وَعَقْلُهُ قَاصِرٌ عَنْ إِدْرَاكِ ذٰلِكَ، يَبْقَى مُتَرَدِّدًا بَيْنَ التَّكْذِيبِ وَالتَّصْدِيقِ، وَلَا إِيمَانَ مَعَ التَّرَدُّدِ، وَلَا إِسْلَامَ مَعَ التَّحَكُّمِ.

اس لیے کہ اگر وہ تسلیم پر راضی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرے جبکہ اس کی عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے تو وہ تکذیب اور تصدیق کے درمیان متردد رہے گا اور تردد کے ساتھ کوئی ایمان نہیں ہے، اور نہ ہی تحکم (سینہ زوری) کے ساتھ کوئی اسلام ہے۔

وَلِهٰذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ: **(فَيَتَذَبْذَبُ)** أَيْ: يَتَرَدَّدُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ، وَالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ، وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ، **(مُوَسْوَسًا)**، بِوَسَاوِسِ الشَّيْطَانِ وَإِلْقَاءِ الشُّبَهِ عَلَيْهِ، **(تَائِهًا)** أَيْ: حَيْرَانَ فِي تِيهِ الْمَعَارِفِ الَّتِي حَارَتْ فِيهَا الْعُقُولُ، **(شَاكًّا)** فِيمَا يَجِبُ عَلَيْهِ تَسْلِيمُهُ، **(زَائِغًا)** أَيْ: مَائِلًا عَنِ الطَّرِيقِ الصَّوَابِ **(لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا)** بِجَمِيعِ مَا جَاءَ مِنَ اللهِ بِالتَّسْلِيمِ وَتَفْوِيضِ الْعِلْمِ إِلَى اللهِ، **(وَلَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا)**؛ لِأَنَّ التَّكْذِيبَ لَا يَتَأَتَّى مَعَ الشَّكِّ وَاسْتِوَاءِ الطَّرَفَيْنِ وَقَدْ أَخْبَرَ اللهُ تَعَالَى أَنَّ اتِّبَاعَ مَا تَشَابَهَ زَيْغٌ حَيْثُ قَالَ ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ ﴾.

اسی لیے کتاب میں فرمایا کہ: "نتیجۃً وہ مذبذب رہے گا" یعنی کفر اور ایمان اور تصدیق و تکذیب اور اقرار و انکار کے درمیان تردد کا شکار ہوگا، "وسوسوں کا شکار رہے گا" شیطان کے وسوسے اور اس پر شبہات کے القاء کی وجہ سے، "حیران و پریشان" یعنی معارف کے اس میدان میں حیران رہے گا جن میں عقول حیران رہتی ہیں، "شک میں مبتلا" ان چیزوں کے بارے میں (شک میں مبتلا ہوگا) کہ جن کے بارے میں تسلیم کرنا ضروری ہے، "حق سے منحرف" یعنی سیدھے راستے سے انحراف کرنے والا ہوگا، "نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تمام باتوں کی تسلیم اور ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کے ذریعے "تصدیق کرنے والا مؤمن بن سکے گا"" اور نہ ہی انکار کرنے والا منکر" اس لیے تکذیب تو شک اور دونوں اطراف کی برابری کے ساتھ نہیں ہوسکتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات کے پیچھے پڑنے کو دل کی کج روی کی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں"۔

فَالْحَاصِلُ أَنَّ الطَّحَاوِيَّ رَحِمَهُ اللهُ اخْتَارَ فِي الْمُتَشَابِهِ مَذْهَبَ السَّلَفِ، وَهُوَ تَرْكُ تَأْوِيلِهِ، وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الرَّاجِحُ عِنْدَ الْمُحَقِّقِينَ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ إِذَا كَانَ لَهُ مَعْنًى رَاجِحٌ، ثُمَّ دَلَّ دَلِيلٌ أَقْوَى مِنْهُ عَلَى أَنَّ

ذَلِكَ الظَّاهِرَ غَيْرُ مُرَادٍ، عَلِمْنَا أَنَّ الْمُرَادَ بَعْضُ مَجَازَاتِ تِلْكَ الْحَقِيقَةِ، وَفِي الْمَجَازَاتِ كَثْرَةٌ، وَتَرْجِيحُ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْمُرَجِّحَاتِ غَيْرِ الْقَطْعِيَّةِ، فَلَا يُفِيدُ إِلَّا الظَّنَّ، وَالْعَمَلُ فِي الْمَسْأَلَةِ الْقَطْعِيَّةِ بِالدَّلِيلِ الظَّنِّيِّ غَيْرُ جَائِزٍ، وَفِي التَّأْوِيلِ يَلْزَمُ ذَلِكَ.

خلاصہ یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے متاشبھات کے حوالے سے سلف کے مذہب کو اختیار کیا ہے، اور وہ ترکِ تاویل کا (مذہب) ہے، اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح ہے، اس لیے کہ جب لفظ کے لیے کوئی راجح معنی موجود ہو پھر اس سے زیادہ کوئی قوی دلیل اس پر دلالت کرے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے، تو ہم جان لیں گے کہ اس حقیقت کے بعض مجازات مراد ہیں، اور مجازات میں تو کثرت ہے، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا غیر قطعی، مرجّحات کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے، جو کہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہیں، اور قطعی مسئلہ میں دلیل ظنی پر عمل کرنا جائز بھی نہیں ہے، جبکہ تاویل میں یہی چیز لازم آتی ہے۔

مَثَلًا: دَلَّ الدَّلِيلُ الْقَطْعِيُّ عَلَى أَنَّ الْحَقِيقَةَ مِنْ قَوْلِهِ تعالَى: ﴿الرَّحْمَـٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾، غَيْرُ مُرَادَةٍ، لِأَنَّهُ يَمْتَنِعُ كَوْنُ الْإِلَهِ فِي مَكَانٍ، فَصَرْفُ اللَّفْظِ إِلَى بَعْضِ تَأْوِيلَاتِهِ لَا يُتَصَوَّرُ بِالدَّلِيلِ الْقَطْعِيِّ، وَالْقَوْلُ بِالظَّنِّ فِي ذَاتِ اللهِ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ غَيْرُ جَائِزٍ، فَتَعَيَّنَ السُّكُوتُ، وَتَرْكُ التَّأْوِيلِ، وَتَفْوِيضُ تَأْوِيلِهِ إِلَى عِلْمِ اللهِ تَعَالَى، مَعَ اعْتِقَادِ أَنَّ الظَّاهِرَ غَيْرُ مُرَادٍ مِنْهُ، وَكَذَا حُكْمُ سَائِرِ الْآيَاتِ الْمُتَشَابِهَةِ.

مثلاً: دلیلِ قطعی نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "وہ بڑی رحمت والا عرش پر اِستوا فرمائے ہوئے ہے" کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی مکان میں ہونا ممتنع ہے، دلیلِ قطعی کے بغیر لفظ کو کسی تاویل کی طرف پھیر دینے کا بھی امکان نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں ظن سے بات کرنا بھی جائز نہیں ہے، تو سکوت، ترکِ تاویل اور اس کے علم کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دینا متعین ہے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے، اور یہی حکم تمام آیاتِ تشابہات کا ہے۔

قَوْلُهُ: (وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ، لِمَنِ اعْتَبَرَهَا بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ)، أَرَادَ بِدَارِ السَّلَامِ الْجَنَّةَ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ﴾، وَفِي تَسْمِيَتِهَا بِدَارِ السَّلَامِ وَجْهَانِ:

"اہل جنت کے لیے دیدار باری تعالیٰ کے عقیدہ پر اس شخص کا ایمان درست نہیں ہے جو جنتیوں کے لیے ایسے دیدار کا قائل ہو جس کی بنیاد وہم پر یا جس کی تاویل اس نے اپنے فہم سے کی ہے"، دار السلام سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد جنت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے" اور اس کو دار السلام کا نام دینے کی دو وجوہات ہیں:

أَحَدُهُمَا: أَنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى، فَأُضِيفَتْ إِلَيْهِ تَعْظِيمًا لَهَا.

پہلی وجہ: "سلام" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جنت کی تعظیم کے لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی۔

وَثَانِيهِمَا: أَنَّهَا سُمِّيَتْ بِدَارِ السَّلَامِ؛ لِأَنَّ مَنْ دَخَلَهَا سَلِمَ مِنَ الْآفَاتِ وَالْعُيُوبِ وَالنَّقَائِصِ الَّتِي تَحْدُثُ فِي دَارِ الدُّنْيَا، فَيَكُونُ مَعْنَاهَا دَارَ السَّلَامَةِ.

دوسرا: اس کو "دار السلام" کا نام اس لیے دیا کیونکہ اس جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ ان تمام آفات، عیوب اور نقائص سے سالم ہو گیا جو دنیوی زندگی میں پیش آتے ہیں، تو اس کا معنی ہو گا "دار السلامة"

وَيُحْتَمَلُ فِي وَجْهِ التَّسْمِيَةِ بِهَا وَجْهٌ آخَرُ، وَهُوَ أَنَّ الْجَنَّةَ لِكَثْرَةِ مَا يُسَلِّمُونَ فِيهَا سُمِّيَتْ بِهَا، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا، إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾، وَأَيْضًا الْمَلَائِكَةُ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِمْ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾.

وجہ تسمیہ میں ایک اور وجہ کا بھی احتمال ہے، اور وہ یہ ہے کہ جنت میں کثرتِ سلام کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑھ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "وہ اُس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی گناہ کی بات، ہاں جو بات ہو گی، سلامتی ہی سلامتی ہو گی"، اور اسی طرح ملائکہ بھی ان پر سلام کریں گے اللہ تعالیٰ (فرشتوں کی بات نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ: "سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ"۔

وَإِنَّمَا لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِمَنْ اعْتَبَرَ الرُّؤْيَةَ بِوَهْمٍ، لِأَنَّ الْوَهْمَ إِنَّمَا يَقَعُ عَلَى مَوْهُومٍ هُوَ جُزْئِيٌّ تَنْطَبِعُ صُورَتُهُ فِي الْحَوَاسِّ؛ لِأَنَّ الْوَهْمَ يُدْرِكُ الْجُزْئِيَّاتِ غَيْرَ مُجَرَّدَةٍ عَنِ الْمَوَادِّ، وَذَلِكَ فِي حَقِّ اللهِ تَعَالَى مُحَالٌ، فَمَنْ جَوَّزَ الرُّؤْيَةَ بِهَذَا الْمَعْنَى فَقَدْ أَبْطَلَهَا وَلَمْ يُؤْمِنْ بِهَا.

جو شخص ایسی رؤیت کا قائل ہو جس کی بنیاد وہم پر ہو اس کی رؤیت اس لیے صحیح نہیں ہے کیونکہ وہم کا وقوع موہوم پر ہوتا ہے جو کہ ایک ایسی جزئی ہے جو حواس میں ڈھل جاتی ہے، اس لیے کہ وہم، جزئیات کا ادراک، ان کو مادہ سے الگ کیے بغیر کرتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے، پس جس نے اس معنی میں رؤیت کو ممکن قرار دیا تو اس نے اس کو باطل کر دیا اور اس پر ایمان نہیں لایا۔

وَإِنَّمَا لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِمَنْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ؛ لِأَنَّ الْفَهْمَ يَكُونُ بِتَأَمُّلِ الْعَقْلِ بِحُصُولِ مَاهِيَّتِهِ فِيهِ، وَفَهْمُ الْمَعْنَى الَّذِي يُضَافُ إِلَى الرُّبُوبِيَّةِ لَا سَبِيلَ لِلْعَقْلِ إِلَى دَرْكِهِ، إِذْ هُوَ مُحَارُ الْعُقُولِ، تَحَيَّرَتْ

فِي بَيْدَاءِ الْأُلُوهِيَّةِ أَنْظَارُ الْعَقْلِ وَآرَاؤُهُ، وَارْتَجَّتْ دُونَ إِدْرَاكِهِ طُرُقُ الْفِكْرِ وَأَنْحَاؤُهُ، فَلِذَلِكَ قَالَ: لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَهْمًا وَفَهْمًا وَلُزُومُ التَّسْلِيمِ فِي كَيْفِيَّةِ الرُّؤْيَةِ؛ لِأَنَّ الرُّبُوبِيَّةَ مُنَزَّهَةٌ عَنِ الْمَاهِيَّةِ الَّتِي يُدْرِكُهَا الْعَقْلُ، وَالْكَيْفِيَّةُ وَالْكَمِّيَّةُ الْمُدْرَكَةُ بِالْوَهْمِ.

اور جس نے اپنی فہم کے مطابق رؤیت کی تاویل کی اس کا ایمان بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ فہم، عقل میں ماہیت کے حصول کے ذریعے عقلی غور وفکر سے ہوتی ہے، اور جس صفت کی نسبت ربوبیت کی طرف ہو عقل کے پاس اس کی فہم کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ عقل کو حیران کرنے کا مقام ہے، الوہیت کے میدان میں عقل کی غور وفکر اور اس کی آراء حیران ہو گئیں ہیں، اور اس کے ادراک سے پہلے ہی فکر کے راستے اور اس کے اطراف بند ہو گئے، اسی لیے کہا: رؤیت پر ایمان صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ وہم اور فہم کے اعتبار سے تاویل کو ترک کر دیا جائے اور رؤیت کی کیفیت کے بارے میں تسلیم کو لازم کیا جائے، اس لیے کہ ربوبیت تو ماہیت سے پاک ہے جس کا ادراک عقل کرتی ہے، اور کیفیت اور کمیت ہی تو ہیں جن کا ادارک عقل کرتی ہے۔

قَوْلُهُ: (**إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَلُزُومِ التَّسْلِيمِ، وَعَلَيْهِ دِيْنُ الرُّسُلِ**)، هَذَا اسْتِثْنَاءٌ عَنْ قَوْلِهِ: «لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ»، بِمَعْنَى: لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ فِي كَيْفِيَّةِ الرُّؤْيَةِ. وَلُزُومِ التَّسْلِيمِ فِيهَا، وَلِهَذَا لَمَّا أَوَّلَتْ الْمُعْتَزِلَةُ، وَقَالُوا: بِأَنَّ الرُّؤْيَةَ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمُقَابَلَةِ الرَّائِي وَالْمَرْئِيِّ، مَعَ عَدَمِ الْبُعْدِ وَالْقُرْبِ الْمُفْرِطَيْنِ وَاتِّصَالِ الشُّعَاعِ، فَقَدْ أَحَالُوا الرُّؤْيَةَ. فَلَوْ سَكَتُوا عَنِ التَّأْوِيلِ وَآمَنُوا بِأَصْلِ الرُّؤْيَةِ، لَمَا وَقَعُوا فِي الْإِنْكَارِ.

”(اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہر صفت کے بارے میں کوئی عقیدہ درست نہیں ہو سکتا) مگر یہ کہ تاویل کو ترک کر دیا جائے، اور مِن وعَن تسلیم کر لیا اور یہی انبیاء علیہم السلام کا دین ہے“ یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول: ”لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ“ سے استثناء ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ (رؤیت پر) ایمان، کیفیتِ رؤیت سے متعلق تاویل کو ترک کرنے اور تسلیم کو لازم پکڑے بغیر صحیح نہیں ہو سکتا ہے، اسی لیے جب معتزلہ نے تاویل کرتے ہوئے کہا کہ: رؤیت تو رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (جسے دیکھا جائے) کا اس طرح ایک دوسرے کے مقابل آئے بغیر نہیں ہو سکتی ہے کہ درمیان میں بہت زیادہ بعد اور قرب نہ ہو، اور اتصالِ شعاع ہوں، لہذا انہوں نے رؤیت کو محال قرار دیا، اگر وہ تاویل سے رک جاتے اور اصل رؤیت پر ایمان لے آتے تو انکار میں نہ پڑتے۔

وَدِينُ الْأَنْبِيَاءِ تَرْكُ التَّأْوِيلِ وَلُزُومُ التَّسْلِيمِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾، وَقَالَ تَعَالَى فِي قِصَّةِ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ فَوَجَبَ عَلَيْنَا الِاقْتِدَاءُ بِهِمْ وَالِاهْتِدَاءُ بِطَرِيقِهِمْ، فَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ طَرِيقِهِمْ فَقَدْ

مَالَ عَنِ الْحَقِّ بِسَفَهِهِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ﴾، وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُمِرَ بِاتِّبَاعِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ وَأَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ دَعَوا الْأُمَمَ إِلَى اتِّبَاعِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

اور انبیاء کا دین تو ترکِ تاویل اور لزومِ تسلیم کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کہو کہ: اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ رب کے آگے جھک جائیں" اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے واقعہ میں فرماتے ہیں کہ: "جب کے ان پروردگار نے ان سے کہا کہ: سر تسلیم خم کردو، تو وہ (فوراً) بولے: میں نے ربّ العالمین کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا دیا"، ہمارے اوپر ان کی اقتداء کرنا اور ان کے راستے سے رہنمائی لینا واجب ہے، جس نے ان کے راستے سے اعراض کیا تو اس نے اپنی حماقت کی وجہ سے حق سے اعراض کیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو!" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کے قول: "پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا" کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور اکثر انبیاء نے اپنی امتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی اتباع کی دعوت دی ہیں۔

قَوْلُهُ: (وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيهَ، زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيهَ)، مَنْ لَمْ يَجْتَنِبْ نَفْيَ الرُّؤْيَةِ الَّتِي أَثْبَتَهَا الشَّرْعُ، وَلَمْ يَجْتَنِبْ التَّشْبِيهَ الَّذِي هُوَ خِلَافُ الْعَقْلِ وَالنَّقْلِ، زَلَّ عَنِ الْحَقِّ وَوَقَعَ فِي الْبَاطِلِ، وَلَمْ يُصِبْ التَّنْزِيهَ الَّذِي يَطْلُبُهُ بِنَفْيِ الرُّؤْيَةِ وَإِثْبَاتِ التَّشْبِيهِ، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْمُشَبِّهَةِ.

"اور جو شخص نفی و تشبیہ سے نہ بچ سکا تو وہ (صراطِ مستقیم) سے پھسل گیا اور تنزیہ کا عقیدہ نہ پا سکا" جو شخص رؤیت کی نفی سے نہ بچ سکا جس کا اثبات شریعت نے کیا ہے، اور اور تشبیہ سے نہ بچ سکا جو کہ عقل اور نقل کے خلاف ہے تو وہ حق سے پھسل سے گیا اور باطل میں پڑ گیا، اور تنزیہ کے عقیدے کو بھی نہیں پا سکا جس کو وہ رؤیت کی نفی اور تشبیہ کے اثبات کے ذریعے تلاش کر رہا تھا، جیسا کہ معتزلہ اور مشبّہہ کا مذہب ہے۔

فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ نَفَوْا رُؤْيَةَ اللهِ، بِزَعْمِ أَنَّهُمْ يُنَزِّهُونَ ذَاتَ اللهِ عَنْ أَنْ يُرَى كَمَا تُرَى الْأَجْسَامُ. وَالْمُجَسِّمَةُ يُثْبِتُونَ رُؤْيَةَ اللهِ كَرُؤْيَةِ الْأَجْسَامِ، وَإِلَّا يَلْزَمُ مِنْهُ التَّعْطِيلُ، فَإِنَّ مَا لَا يَكُونُ مَحْسُوسًا عِنْدَهُمْ لَا يَكُونُ مَوْجُودًا، فَنَزَّهُوا اللهَ تَعَالَى عَنِ التَّعْطِيلِ بِإِثْبَاتِ التَّشْبِيهِ فِي الرُّؤْيَةِ، فَأَرَادَ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ نَفْيَ هَذَيْنِ الْمَذْهَبَيْنِ فَقَالَ: مَنْ أَرَادَ التَّنْزِيهَ بِنَفْيِ الرُّؤْيَةِ، وَإِثْبَاتِ التَّشْبِيهِ، فَقَدْ زَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ الْحَقِّ، وَلَمْ يُصِبْ التَّنْزِيهَ الَّذِي طَلَبَهُ، فَخَابَ سَعْيُهُ.

حاصل یہ ہے کہ معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا انکار کیا ہے، اس گمان پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح دکھائی دینے سے پاک قرار دے رہے ہیں جیسا کہ اجسام دکھائی دیتے ہیں، اور مجسّمہ نے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو اجسام کی رؤیت کی طرح ثابت مانا ہے، ورنہ تعطیل لازم آئے گی، اس لیے کہ ان کے نزدیک جو چیز محسوس نہ ہو وہ موجود بھی نہیں ہوگی، تو انہوں نے رؤیت میں تشبیہ کے اثبات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو تعطیل سے پاک قرار دیا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں مذاہب کی نفی کا ارادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جس نے نفیِ رؤیت اور اثباتِ تشبیہ کے ذریعے تنزیہ (اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دینا) کا ارادہ کیا وہ حق کے راستے سے پھسل گیا اور اس تنزیہ کو بھی نہ پہنچ سکا جس کی وہ تلاش میں تھا، تو اس کی کوشش ناکام ہوگئی۔

وَأَشَارَ إِلَى الدَّلِيلِ عَلَى هَذَا بِقَوْلِهِ: (فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ، مَنْعُوتٌ بِنُعُوتِ الْفَرْدَانِيَّةِ)، وَكَوْنُهُ مَرْئِيًّا مِنْ صِفَاتِ الْكَمَالِ؛ لِأَنَّ الْمُجَوِّزَ لِلرُّؤْيَةِ كَوْنُهُ مَوْجُودًا، وَكُلُّ مَوْجُودٍ لَا تَمْتَنِعُ رُؤْيَتُهُ. فَلَوْ قُلْنَا بِامْتِنَاعِ رُؤْيَتِهِ، يَلْزَمُ مِنْهُ نَفْيُ الْوُجُودِ وَإِثْبَاتُ الْعَدَمِ، تَعَالَى اللهُ عَنْ ذَلِكَ. فَالْمُعْتَزِلَةُ بِنَفْيِ الرُّؤْيَةِ لِإِرَادَةِ التَّنْزِيهِ وَقَعُوا فِي أَمْرٍ بَاطِلٍ، وَلَمْ يُصِيبُوا مَا طَلَبُوا.

اور اس پر (دلالت کرنے والی) دلیل کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا کہ: "اس لیے کہ ہمارا رب صفتِ وحدانیت کے ساتھ موصوف اور وصفِ فردانیت کے ساتھ متصف ہے (یعنی ذات میں اکیلا اور صفات میں یکتا ہے)" اور اس کا مرئی (دکھائی دینے والا) ہونا اس کی صفاتِ کمال میں سے ہے، اس لیے کہ رؤیت کو ممکن بنانے والی (چیز) اس کا موجود ہونا ہے، اور ہر وہ چیز جو موجود ہو اس کا دکھائی دینا ناممکن نہیں ہے، اگر ہم اس کے امتناعِ رؤیت کے قائل ہو جائیں تو اس سے وجود کی نفی اور عدم کا اثبات لازم آئے گا، جس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے، معتزلہ ارادہ کی نیت سے رؤیت کی نفی کے ذریعے باطل امر میں پڑ گئے ہیں، اور ان کو وہ چیز نہیں ملی جو وہ چاہتے تھے۔

وَكَذَا كَوْنُ صِفَاتِهِ غَيْرَ مُشَابِهَةٍ لِصِفَاتِ الْأَنَامِ مِنَ الْكَمَالِ، فَإِنَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، كَيْفَ تَكُونُ صِفَاتُ خَلْقِهِ مُشَابِهَةً لِصِفَاتِهِ؟ وَفِيمَا ذَكَرَهُ الْمُجَسِّمَةُ مِنْ إِثْبَاتِ الْجِهَةِ وَالْمَكَانِ وَتَشْبِيهِ رُؤْيَتِهِ بِرُؤْيَةِ الْأَجْسَامِ، إِثْبَاتُ نَقْصٍ فِي ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ، تَعَالَى اللهُ عَنْ ذَلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا، فَهُمْ أَخْطَؤُوا فِيمَا زَعَمُوا أَنَّهُمْ أَرَادُوا بِإِثْبَاتِ التَّشْبِيهِ نَفْيَ التَّعْطِيلِ.

اسی طرح اس کی صفات کا مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہ ہونا بھی کمالات میں سے ہے، اس لیے کہ وہ واحد، غالب، آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، کس طرح اس کی مخلوق کی صفات اس کی صفات کے مشابہ ہو سکتی ہیں؟ اور مجسمہ کی ذکر کردہ جہت،

مکان اور اس کی رؤیت کو اجسام کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ دینے کے اثبات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں نقص کا اثبات کرنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے، وہ اپنے اس گمان میں غلطی پر ہیں کہ وہ تشبیہ کے اثبات سے تعطیل کی نفی کو چاہتے ہیں۔

وَإِلَى نَفْيِ مَذْهَبِ الْمُشَبِّهَةِ أَشَارَ بِقَوْلِهِ: (لَيْسَ فِي مَعْنَى أَحَدٍ مِنَ الْبَرِيَّةِ)، فَلَا يُتَوَهَّمُ فِي رُؤْيَةِ اللهِ مِثْلُ مَا يُتَوَهَّمُ فِي رُؤْيَةِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنَ الْمُحَاذَاةِ وَاتِّصَالِ الشُّعَاعِ، إِنَّمَا يَرَاهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ، كَمَا عَرَفُوهُ فِي الدُّنْيَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا إِحَاطَةٍ، فَإِنَّهُ تَعَالَى فَرْدٌ مُنَزَّهٌ عَنْ جَمِيعِ جِهَاتِ التَّرْكِيبِ، فَإِنَّ كُلَّ مُرَكَّبٍ مُفْتَقِرٌ إِلَى أَجْزَائِهِ، وَكُلُّ مُفْتَقِرٍ مُمْكِنٌ، وَكُلُّ مُمْكِنٍ حَادِثٌ، فَلَا يَكُونُ فَرْدًا قَيُّومًا، فَثَبَتَ أَنَّ الْوَاجِبَ الْفَرْدَ الْوَاحِدَ فِي ذَاتِهِ، لَا يَكُونُ فِي حَيِّزٍ وَلَا فِي جِهَةٍ.

اور مشبہہ کے مذہب کی نفی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا کہ: "اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں مخلوقات میں سے کسی کی صفات کی طرح نہیں ہیں" اللہ تعالیٰ کی رؤیت میں ان چیزوں کا تصور نہیں ہو سکتا ہے جن کا تصور مخلوقات کی رؤیت میں ہوتا ہے جیسے محاذات اور اتصال شعاع ہیں، اہل جنت اس کو بلا کیفیت اور بغیر احاطہ کے دیکھیں گے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے، ترکیب کی تمام جہات سے پاک ہے، اس لیے کہ ہر مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے، اور ہر محتاج ممکن ہوتا ہے، اور ہر ممکن حادث ہوتا ہے، تو وہ یکتا اور قیوم (نظام عالم کو تھامنے والا) نہیں ہوگا، پس ثابت ہوا کہ اپنی ذات میں واجب، یکتا، واحد نہ کسی مکان میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی جہت میں۔

وَلِهَذَا قَالَ: (تَعَالَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنِ الْحُدُودِ وَالْغَايَاتِ، وَالْأَرْكَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ) إِذِ الْحَدُّ وَصْفُ الْمَحْدُودِ، وَهُوَ الْمَحْصُورُ الْمَقْهُورُ تَحْتَ قَهْرِ الْحَدِّ، وَهُوَ قَهَّارٌ فَلَا يَكُونُ مَحْدُودًا، وَالْغَايَةُ عِبَارَةٌ عَنِ النِّهَايَةِ، وَالْأَرْكَانُ وَالْأَعْضَاءُ صِفَاتُ الْأَجْسَامِ. وَالْأَدَوَاتُ آلَاتُ الْأَجْسَامِ، وَالْقَدِيمُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى مُنَزَّهٌ عَنْ هَذِهِ الْأَوْصَافِ كُلِّهَا.

اسی لیے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کناروں، انتہاؤں، اجزاء، جسمانی اعضاء ور آلات واسباب سے پاک ہے" اس لیے کہ حد (کنارے) محدود کی صفت ہیں، اور وہ (محدود) حد کے غلبہ کے تحت محصور (خاص حدود میں بند) اور مغلوب ہوتا ہے، جبکہ وہ غالب ہے جو کہ محدود نہیں ہو سکتا ہے۔

(وَلَا تَحْوِيهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ)؛ لِأَنَّهُ تَعَالَى نَفَى أَنْ يَكُونَ مَثَلًا لِشَيْءٍ، لِقَوْلِهِ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾، وَفِي إِثْبَاتِ الْجِهَةِ وَالتَّحَيُّزِ إِثْبَاتٌ لِلْمُمَاثَلَةِ مَعَ الْأَجْسَامِ، وَفِي وَصْفِهِ بِالْجِهَاتِ قَوْلٌ بِإِحَاطَتِهَا لَهُ، وَفِي الْقَوْلِ بِالْمَكَانِ إِثْبَاتُ الْحَاجَةِ إِلَى الْمَكَانِ، وَفِي كُلِّ ذَلِكَ إِيجَابُ حُدُوثِهِ وَإِزَالَةُ قِدَمِهِ. وَالْجِهَاتُ وَالْأَمْكِنَةُ مِنْ أَجْزَاءِ الْعَالَمِ، وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَالَمِ وَأَجْزَائِهِ، وَلِأَنَّ الْجِهَاتِ السِّتَّ

مُحْدَثَةٌ، وَهِيَ أَوْصَافٌ لِلْعَالِمِ الْمُحْدِثِ، وَاللهُ قَدِيمٌ، كَانَ وَلَا مَكَانَ وَلَا حِينَ وَلَا زَمَانَ، كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ، فَاللهُ تَعَالَى فِي الْأَزَلِ مَا كَانَ فِي الْجِهَاتِ لِعَدَمِ الْجِهَاتِ، فَلَوْ يَصِيرُ فِي الْجِهَاتِ بَعْدَ إِحْدَاثِهَا لَتَغَيَّرَ عَمَّا كَانَ عَلَيْهِ وَانْتَقَلَ، وَالتَّغَيُّرُ وَالِانْتِقَالُ مِنْ أَمَارَاتِ الْحُدُوثِ، تَعَالَى اللهُ عَنْ ذَلِكَ.

"اور جہاتِ ستہ اسے گھیر نہیں سکتیں جس طرح تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہیں"(۱) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے" سے اس چیز کی نفی کی ہے کہ وہ کسی چیز کی مثل ہو، اور جہت اور تحیز (مکان) کے اثبات میں اس کی اجسام کے ساتھ مماثلت کا اثبات ہوگا، اور ان تمام چیزوں میں اس کے حدوث کا ایجاب اور اس کے قدیم ہونے کا ازالہ ہوگا۔

اور جہات اور مکان تو عالم کے اجزاء میں سے ہیں، اور وہ تو عالم اور اس کے اجزاء سے مستغنی ہے، اور اس لیے کہ جہاتِ ستہ حادث ہیں، جو کہ حادث عالم کے اوصاف ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے، وہ اس وقت بھی تھا جب نہ کوئی مکان تھا نہ کوئی لحہ تھا اور نہ ہی کوئی زمان تھا، اللہ تعالیٰ تھا جبکہ اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ ازل میں جہات کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے جہات میں نہیں تھا، اگر ان کے پیدا کرنے کے بعد جہات میں ہو جائے تو یہ اس کی پرانی حالت سے تبدیلی اور انتقال ہے، جبکہ تبدیلی اور انتقال تو حدوث کی علامات میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بلند ہے۔

وَقَدْ تَمَسَّكَ الْمُجَسِّمَةُ بِظَوَاهِرِ النُّصُوصِ.

جبکہ مجسمہ نے نصوص کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔

وَمَذْهَبُ السَّلَفِ: أَنْ يُصَدِّقَهَا وَيُفَوِّضَ تَأْوِيلَهَا إِلَى اللهِ تَعَالَى، مَعَ التَّنْزِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ، وَلَا نَشْتَغِلُ بِتَأْوِيلِهَا، بَلْ نَعْتَقِدُ أَنَّ مَا أَرَادَ اللهُ تَعَالَى بِهَا حَقٌّ، وَهَذِهِ الطَّرِيقُ اخْتَارَهَا الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ.

سلف (صالحین) کا مذہب: ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی تاویل کو تشبیہ سے تنزیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں گے، اور ہم ان کی تاویل کے ساتھ مشغول نہیں ہوں گے، بلکہ ہم یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ کیا ہے وہ برحق ہے، اور اسی طریقے کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ: أَنْ نُؤَوِّلَهَا بِمَا يَلِيقُ بِذَاتِ اللهِ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ، وَلَا نَقْطَعُ بِأَنَّهُ مُرَادُ اللهِ، لِعَدَمِ دَلِيلٍ يُوجِبُ الْقَطْعَ عَلَى الْمُرَادِ وَقَالُوا: الْمُرَادُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾، ثُبُوتُ أُلُوهِيَّتِهِ فِيهِمَا لَا ثُبُوتُ ذَاتِهِ، كَمَا يُقَالُ: فُلَانٌ سُلْطَانٌ فِي الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ، وَبِقَوْلِهِ: ﴿وَهُوَ

---

(۱) جہات ستہ سے مراد چھ اطراف ہیں، جو کہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اور اوپر نیچے پر مشتمل ہیں۔

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾، الْفَوْقِيَّةُ مِنْ حَيْثُ الْقَهْرِ وَالْمَكَانَةِ، لَا مِنْ حَيْثُ الْعُلُوِّ وَالْمَكَانِ، فَإِنَّهُ لَا تَمَدُّحَ فِيهِ، إِذْ الْحَارِسُ قَدْ يَكُونُ فَوْقَ السُّلْطَانِ فِي الْمَكَانِ.

اور خلف کا مذہب: ہم اس کی ایسی تاویل کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے شایانِ شان ہو، اور مراد پر قطعیت کو ثابت کرنے والی کسی دلیل کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہیں گے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔

اور انہوں نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کے قول: "وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے ورزمین میں بھی معبود" سے مراد دونوں جگہوں میں اس کی الوہیت کا ثبوت ہے نہ کہ ذات کا ثبوت، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: فلاں شخص عرب اور عجم میں بادشاہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے" (میں فوق) سے مراد غلبہ اور درجہ کے اعتبار سے فوقیت ہے نہ کہ اوپری اور مکان کے اعتبار سے، اس لیے کہ اس میں کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے، کہ کبھی چوکیدار مکان کے اعتبار سے بادشاہ سے اوپر ہوتا ہے (لیکن اس سے چوکیدار کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی)۔

وَطَرِيقَةُ السَّلَفِ أَسْلَمُ مِنَ الْوُقُوعِ فِي تَأْوِيلٍ لَا يَكُونُ مُرَادًا، وَطَرِيقَةُ الْخَلَفِ أَحْكَمُ.

سلف کے طریقے میں ایسی تاویل میں پڑنے سے زیادہ سلامتی ہے جو اصلًا مراد نہ ہو، جبکہ خلف کا طریقہ (علمی اعتبار سے) زیادہ مضبوط ہے۔

الإسْراءُ والمِعْراجُ

قوله: (والمِعْراجُ حَقٌّ [1]، وقَدْ أسْرىٰ بالنَّبِيِّ عليه السَّلامُ).

"معراج برحق ہے، اور نبی کریم ﷺ کو رات کے وقت سیر کرائی گئی"۔

أَمَّا الْإِسْرَاءُ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى فَثَابِتٌ بِالنَّصِّ، وَهُوَ قَوْلُهُ تعالَى: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾، وَكَانَ فِي ذَلِكَ ظُهُورُ الْمُعْجِزَةِ، فَإِنَّهُ قَطَعَ مَسَافَةَ شَهْرَيْنِ فِي لَمْحَةٍ.

جہاں تک اسراء کا تعلق ہے تو یہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک (کا سفر) ہے، جو کہ قرآنی نص سے ثابت ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی، جس کے اطراف پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں"، اس میں معجزہ کا ظہور ہے، کیونکہ (اس سفر میں) آپ ﷺ نے دو مہینوں کی مسافت ایک لمحے میں طے کیا ہے۔

قَوْلُهُ: (وَعُرِجَ بِشَخْصِهِ فِي الْيَقَظَةِ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ إِلَى حَيْثُ شَاءَ اللهُ تعالَى مِنَ الْعُلَا، وَأَكْرَمَهُ بِمَا شَاءَ وَأَوْحَى إِلَيْهِ مَا أَوْحَى).

"اور بیداری کی حالت میں آسمان کی طرف آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو اٹھایا گیا، پھر وہاں سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا آپ ﷺ کو بلندیوں پر لے جایا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی منشاء کے مطابق آپ کو عزت بخشی، اور اللہ اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمانا چاہی وہ وحی فرمائی"۔

وَهَذَا ثَابِتٌ بِالْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ دُونَ الْكِتَابِ، مِنْهَا مَا رَوَى أَبُو قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ قَالَ: «بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ - وَرُبَّمَا قَالَ: فِي الْحِجْرِ - مُضْطَجِعٌ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، أَتَانِي آتٍ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ، فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي، ثُمَّ أُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءٍ إِيمَانًا، فَغُسِلَ

---

(۱) قرآن مجید اور احادیث میں نبی کریم ﷺ کے اس سفر کا ذکر دو الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

۱: اسراء ۲: معراج

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے لے کر بیت المقدس تک کے سفر کو "اِسراء" کہا جاتا ہے اور پھر مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک پھر وہاں سے جنت اور عرش تک کے سفر "کو معراج" کہا جاتا ہے اور بسا اَوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ "اِسراء" یا "معراج" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

قَلْبِي فِيهِ، ثُمَّ حُشِيَ فَأُعِيدَ، ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ، أَبْيَضَ، يَضَعُ خَطْوَهُ عِنْدَ أَقْصَى طَرْفِهِ، فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، فَانْطَلَقَ بِي جِبْرَائِيلُ حَتَّى أَتَى بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ فَقِيلَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا آدَمُ فَقَالَ: هَذَا آدَمُ أَبُوكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ وَقَالَ: مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ....» إِلَى آخِرِ حَدِيثِ الْمِعْرَاجِ.

یہ سفر کتاب اللہ سے نہیں بلکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے[1]، جن میں سے ایک وہ (روایت) ہے جسے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حطیم میں نیم خوابی و نیم بیداری کے عالم میں لیٹا ہوا تھا، بعض دفعہ قتادہ نے (حطیم کے بجائے) حجر بیان کیا کہ میرے پاس ایک صاحب (جبرائیل علیہ السلام) آئے اور پھر یہاں سے وہاں تک (میرے سینے کو چاک کیا)، پھر میرا دل نکالا اور ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، اس سے میرا دل دھویا گیا، اور پہلے کی طرح رکھ دیا گیا، اس کے بعد ایک سفید جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، اس کا ہر قدم اس کے منتہائے نظر پر پڑتا تھا، مجھے اس پر سوار کیا گیا اور جبرائیل مجھے لے کر چلے آسمان دنیا پر پہنچے تو دروازہ کھلوانا چاہا، پوچھا گیا کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ: جبرائیل (علیہ السلام)، پوچھا گیا: آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ آپ نے بتایا کہ: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا، کیا انہیں بلانے کے لیے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں، اس پر آواز آئی (انہیں) خوش آمدید! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ، اور دروازہ کھول دیا۔

جب میں اندر گیا تو میں نے وہاں آدم (علیہ السلام) کو دیکھا، (جبرائیل علیہ السلام نے) فرمایا: یہ آپ کے جد امجد آدم (علیہ السلام) ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا اور فرمایا: نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید۔۔۔ الخ اسی طرح حدیثِ معراج کے آخر تک ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْمِعْرَاجُ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ أَيْضًا، وَهُوَ قَوْلُهُ تعالَى: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾، وَالصَّحِيحُ أَنَّ هَذَا الْقُرْبَ كَانَ مَعَ جِبْرِيلَ، وَيَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تعالَى: ﴿وَهُوَ بِالْأُفُقِ

(۱) مسجد اقصیٰ تک کا زمینی سفر جو "اِسراء" کہلاتا ہے یہ قطعی ہے اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے فرمان: "سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى" (بنی اسرائیل:۱۵) سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہو گا۔

پھر مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کا سفر جو "معراج" کہلاتا ہے یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور یہ تقریباً تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اس کے انکار کرنے والے کو بدعتی کہا جائے گا۔

پھر آسمانوں سے اوپر جنت اور عرش تک اور جن مقامات تک اللہ نے لے جانا چاہا یہ سفر اخبار احاد سے ثابت ہے اور اس کا منکر گنہگار ہو گا۔

الْأَعْلَى﴾، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سَأَلَ جِبْرِيلَ أَنْ يُرِيَهُ نَفْسَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خَلَقَهُ اللهُ عَلَيْهَا، فَوَاعَدَهُ ذَلِكَ بِغَارِ حِرَاءٍ، فَطَلَعَ لَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْمَشْرِقِ، فَسَدَّ الْأُفُقَ إِلَى الْمَغْرِبِ، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى.

جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: معراج کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول: "پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا (پھر اور قریب ہوا)، یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک" ہے، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قربت جبریل علیہ السلام کے ساتھ تھی، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: (جبکہ وہ بلند افق پر تھا) دلالت کرتا ہے، اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ: وہ مجھے اپنی اس شکل میں دکھائی دے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے غار حراء کو اس کے لیے مقرر کر دیا، پس جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے مشرق سے ظاہر ہوا، افق کو مغرب تک بھر دیا، پھر قریب ہوا اور جھک پڑا۔

هَذَا مِنْ بَابِ الْقَلْبِ، ثُمَّ تَدَلَّى، أَيْ: جِبْرِيلُ، فَدَنَا مِنْ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ، أَيْ: قَدْرَ مَسَافَةِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى وَالْمَعْنَى: أَنَّهُ بَعْدَ مَا رَآهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى صُورَتِهِ، هَالَهُ مِنْ عَظَمَتِهِ، فَرَدَّهُ اللهُ إِلَى صُورَةِ آدَمِيٍّ حَتَّى قَرُبَ مِنْهُ لِلْوَحْيِ، وَذَلِكَ قَوْلُهُ: ﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ أَيْ: عَبْدِ اللهِ، وَهُوَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا أَوْحَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِلِسَانِ جِبْرِيلَ.

یہ تقلیب کے باب سے ہے، "پھر جھک گیا" یعنی حضرت جبریل علیہ السلام یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کے اتنے قریب ہو گئے کہ اس سے دو کمانوں کے فاصلے پر تھا، یعنی دو کمانوں کے فاصلے کے بقدر یا اس سے بھی قریب تر۔

اس کا معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کے بعد دہشت زدہ ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو انسانی شکل کی طرف لوٹا دیا، تاکہ وحی کے لیے اس کے قریب جائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول: (اسی طرح اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی)، یعنی "یہاں پر عبد سے مراد" اللہ کے بندے، اور محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو وحی نازل فرمائی حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے۔

حوضه عليه السلام وشفاعته

قوله: (والحَوضُ الذي أكْرَمَهُ اللهُ به غِياثًا لأُمَّتِهِ حقٌّ، والشَّفاعةُ التي ادَّخرها لهُمْ حقٌّ كما رُوِيَ في الأَخْبَارِ):

"وہ حوض جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عزت بخشی تاکہ آپ ﷺ کی امت اس سے سیر اب ہو، بر حق ہے، اور وہ شفاعت جسے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی امت کے لیے ذخیرہ بنا رکھا ہے، بر حق ہے، جیسا کہ احادیث میں مروی ہے"

- أَمَّا الْحَوْضُ فَلِمَا رَوَى أَبُو ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا آنِيَةُ الْحَوْضِ؟ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُضْحِيَةِ الْمُظْلِمَةِ، آنِيَةُ الْجَنَّةِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ، يَشْخُبُ فِيهِ مِيزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ، طُولُهُ مَا بَيْنَ عُمَانَ إِلَى أَيْلَةَ، وَمَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ» رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

جہاں تک حوض کا تعلق ہے تو وہ اس حدیث سے ثابت ہے جسے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت فرمائی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، حوض کے برتنوں کی تعداد کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس حوضِ (کوثر) کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں اور صاف اندھیری رات کے تاروں سے بڑھ کر ہوگی، جو جنت کے برتنوں میں سے ہیں، جس نے اس سے (ایک مرتبہ) پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اس میں جنت سے دو پرنالے بہائے جاتے ہیں، اس کی لمبائی عمان سے ایلہ تک کے برابر ہوگی، اس کا پانی دودھ سے بڑھ کر سفید اور شہد سے بڑھ کر میٹھا ہوگا۔

وَقَالَ أَنَسٌ: سُئِلَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا الْكَوْثَرُ؟ قَالَ: «نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ، أَعْطَانِيهِ اللهُ فِي الْجَنَّةِ، أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت انس فرماتے رضی اللہ عنہ ہیں کہ: نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جنت میں موجود ایک ایسی نہر ہے جسے اللہ تعالی نے جنت میں مجھے عطا کیا ہے، یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے" (ترمذی)۔

وَإِنَّمَا قَالَ: «غِيَاثًا لِأُمَّتِهِ»، إِذِ النَّاسُ عِنْدَ شِدَّةِ عَطَشِهِمْ يَدْنُو الشَّمْسَ مِنْهُمْ، وَعَظِيمُ كَرْبِهِمْ يَرِدُونَ عَلَيْهِ، فَيَكُونُ غِيَاثًا عِنْدَ مِسَاسِ الْحَاجَةِ فِي كُرُبَاتِ الْمَوْقِفِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَكُونُ كَعَطْشَانَ فِي الْبَرِيَّةِ وَرَدَ عَلَى حَوْضٍ مَاؤُهُ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ.

اور مصنف رحمہ اللہ علیہ نے "غياثًا لأمته" اس لیے کہا کہ سورج کے قریب ہونے کی وجہ سے پیاس کی شدت اور تکلیف کی زیادتی کے وقت لوگ اس کے پاس آئیں گے، تو وہ قیامت کے دن موقف (کھڑے ہونے کی جگہ) کی مشقتوں میں حاجت بر آری کے وقت مددگار کہلائے گا، وہ اس طرح ہوگا کہ جیسے کوئی پیاسا آدمی جنگل میں ایسے نہر کے پاس پہنچے جس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو۔

وَأَمَّا الشَّفَاعَةُ فَلِمَا رَوَى الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: اشْفَعْ لِذُرِّيَّتِكَ، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ اللهِ.

اور جہاں تک شفاعت کا تعلق ہے تو وہ اس حدیث کی بنا پر ہے کہ جسے امام بخاری رحمہ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب قیامت کا دن آئے گا تو لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ظاہر ہوں گے، پھر وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اپنی اولاد کے لیے شفاعت کریں، وہ کہیں گے کہ: میں اس قابل نہیں ہوں، تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔

فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللهِ، فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ.

لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے کہ: میں اس قابل نہیں ہوں، ہاں تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ سے ہم کلامی کا شرف پانے والے ہیں، لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور وہ بھی کہیں گے: کہ میں اس قابل نہیں ہوں، البتہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، چنانچہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے: کہ میں اس قابل نہیں ہوں، ہاں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

فَأُوتَى فَأَقُولُ: «أَنَا لَهَا، فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَأَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ أَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لَا أَقْدِرُ عَلَيْهَا الْآنَ يُلْهِمُنِيهَا اللهُ، ثُمَّ أَخِرُّ سَاجِدًا لِرَبِّي، فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ تُسْمَعْ، وَسَلْ تُعْطَهُ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ.

لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں کہوں گا کہ: میں اس شفاعت کے لیے ہوں، میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، وہ مجھے اجازت دیں گے تو میں اس کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور تعریف کی ایسی باتوں کے ساتھ اس کی حمد کروں گا جس پر ابھی



میں قادر نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ ہی یہ (حمد) میرے دل میں ڈالیں گے، پھر میں اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیں، آپ کو دیا جائے گا اور سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيَقُولُ: انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيرَةٍ مِنَ الْإِيمَانِ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا» إِلَى أَنْ قَالَ: «فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ، فَأَفْعَلُ».

میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت!، میری امت! تو مجھ سے کہا جائے گا: "جائیں جس کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر ایمان ہے اسے نکال لیں"،۔۔۔ یہاں تک فرمایا کہ: "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو، اسے نکال لیں، تو میں ایسا کروں گا"۔

وَرَوَى جَابِرٌ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: «شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي»، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

اور حضرت جابر کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہو گی" (ترمذی)۔

الميثاق الماخوذ على آدمَ وذريته

قوله: (والميثاقُ الذي أخَذَهُ اللهُ مِنْ آدمَ، صلواتُ اللهِ عليهِ، وذُرِيَّتِهِ حقٌّ)، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تعالَى: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ﴾، وَلَكِنَّ الْعُلَمَاءَ أَثْبَتُوا أَخْذَ الْمِيثَاقِ وَلَمْ يَتَكَلَّمُوا فِي كَيْفِيَّتِهِ لِكَوْنِهِ مِنَ الْمُتَشَابِهَاتِ، وَأَوْجَبُوا حَقِيقَتَهُ لِوُرُودِ الْكِتَابِ.

"اور وہ وعدہ جو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے لیا تھا بر حق ہے" اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ: "اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دِلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اُوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا تھا کہ: کیوں نہیں؟" لیکن اس کے متشابہات میں سے ہونے کی وجہ سے علماء نے عہد لینے کو ثابت تو مانا ہے لیکن اس کی کیفیت پر کلام نہیں کیا ہے، جبکہ کتاب (قرآنی آیت) کے وارد ہونے کی وجہ سے اس کی حقیقت کو ثابت مانا ہے۔

وَذَكَرَ الشَّيْخُ أَبُو مَنْصُورٍ فِي تَأْوِيلِهِ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ التَّأْوِيلِ: أَنَّ اللهَ تعالَى إِنَّمَا قَالَ: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾، عِنْدَمَا خَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَأَخْرَجَ مَنْ يَكُونُ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِثْلَ الذَّرِّ، فَعَرَضَ عَلَيْهِمْ قَوْلَهُ: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ﴾، ثُمَّ اخْتَلَفَ هَؤُلَاءِ فِيمَا بَيْنَهُمْ:

اور شیخ ابو منصور (الماتریدی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کی تاویل بعض مفسرین سے اس طرح نقل کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اس وقت "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟" فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور آپ کی پشت سے آپ کی ان تمام اولاد کو نکالا جو قیامت تک آنے والی ہے، اور ان کے سامنے پیش فرمایا اپنے قول: "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟" کو، تو سب نے جواب دیا تھا کہ: کیوں نہیں؟"۔

پھر ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے:

- فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ جَعَلَهُمْ بِالْمَبْلَغِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى مِثْلِهِمْ قَلَمُ التَّكْلِيفِ، بِأَنْ جَعَلَ فِيهِمُ الْحَيَاةَ وَالْعَقْلَ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ.

ان میں بعض حضرات نے کہا کہ: ان کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ ان جیسوں پر قلم تکلیف کو جاری کیا جاسکتا ہے، کہ ان میں زندگی اور عقل کو پیدا فرمادیا، اور یہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

- وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: عَرَضَ ذَلِكَ عَلَى الْأَرْوَاحِ دُونَ الْأَبْدَانِ.

اور ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ: اس بات کو ابدان پر نہیں بلکہ ارواح پر پیش کیا تھا۔

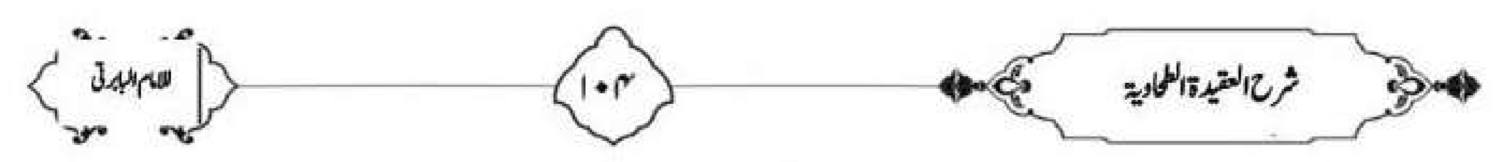


- وَقَالَ بَعْضُهُمْ: خَلَقَهُمْ صِنْفَيْنِ، فَقَالَ : هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِي، وَهٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَلَا أُبَالِي، وَعَرَضَ عَلَيْهِمْ قَوْلَهُ : ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾.

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو دو قسموں میں پیدا کر کے فرمایا کہ: "یہ جنت کے لیے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور یہ جہنم کے لیے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے" اور اس حالت میں ان پر اپنے قول: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کو پیش کیا۔

- وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَرَضَ عَلَى الْكُلِّ التَّوْحِيدَ فَقَالَ: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾، وَأَعْلَمَهُمْ مَا عَلَيْهِ أَحْوَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْفَقْرِ وَالْغِنَى وَالْأَجَلِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ.

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: سب پر توحید کو پیش کر کے کہا کہ: ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾، اور ان کو ان کی دنیوی حالت فقر، غنی اور موت وغیرہ سے متعلق خبردار کیا۔



القضاء والقدر

قَوْلُهُ: (وقَدْ عَلِمَ اللهُ تعالَى فيما لمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ الجَنَّةَ ويَدْخُلُ النَّارَ جملةً واحدةً، فلا يزادُ فِي ذٰلكَ العَدَدِ، ولا يَنْقُصُ منهُ، وكَذٰلِكَ أفعالُهُمْ فيما عَلِمَ منهُمْ أنْ يفعلوا).

"اور اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی ان لوگوں کی تعداد کا علم ہے جنہوں نے دفعۃً جنت میں جانا ہے اور ان لوگوں کی تعداد کا بھی علم ہے جو جہنم رسید ہوں گے، اور اس تعداد میں نہ کوئی اضافہ ہوگا اور نہ ہی کوئی کمی ہوگی، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان لوگوں نے آئندہ کیا کرنا ہے"۔

إِنَّمَا ذَكَرَ هَذَا إِثْبَاتًا لِسَعَةِ عِلْمِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَزَلِيَّتِهِ، وَلِإِثْبَاتِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ، قَطْعًا لِمَادَّةِ الشَّكِّ فِي الْقَضَاءِ وَالْقُدْرَةِ، وَدَفْعًا لِتَلْبِيسِ أَوْهَامِ الْقَدَرِيَّةِ.

اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی ازلیت کے اثبات اور قضاء وقدر کے اثبات اور قضاء وقدر سے متعلق شک کے مادہ کو ختم کرنے اور قدریہ کے توہمات کی تلبیس کو دفع کرنے کے لیے بیان کیا ہے۔

حَيْثُ قَالُوا: كَيْفَ يُعَذِّبُ اللهُ تعالَى عَلَى مَا قَضَاهُ وَقَدَّرَهُ؟ فَبَيَّنَ بِقَوْلِهِ: «وَقَدْ عَلِمَ اللهُ» إِلَى آخِرِهِ، أَنَّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُؤْمِنُ وَيُطِيعُ عَنْ اخْتِيَارٍ، فَعَلِمَ عَدَدَهُمْ، وَأَنَّ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ يَكْفُرُ وَيُخَالِفُ الْأَوَامِرَ عَنْ اخْتِيَارٍ، لَا عَنْ جَبْرٍ وَاضْطِرَارٍ، فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَعْلَمَ مَنْ خَلَقَهُمْ، ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾.

جیسا کہ (قدریہ) کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس فعل پر کس طرح عذاب دے سکتے ہیں جس کا فیصلہ انہوں نے خود کیا اور اس کی تعیین بھی کی؟ پس اس کو اپنے قول: "وقدْ عَلِمَ الله إلخ" (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) سے بیان کر دیا کہ جو شخص جنت میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے اختیار سے ہی ایمان لاتا ہے اور اطاعت کرتا ہے، وہ ان کی تعداد کو جانتے ہیں، اور یہ کہ جو جہنم میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے اختیار سے ہی کفر اختیار کرتا ہے اور احکام کی مخالفت کرتا ہے، نہ کہ جبر اور اضطرار کی بنا پر، پس یہ محال ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ یہ بات نہ جان سکے، "بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟"۔

وَلَمَّا قَضَى اللهُ وَقَدَرَ عَلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِذَلِكَ وَحَكَمَ، دَلَّ عَلَى عِلْمِهِ بِعَدَدِهِمْ؛ إِذْ الْقَضَاءُ لَا يَكُونُ بِدُونِ الْعِلْمِ، وَهُوَ ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾، فَكَيْفَ لَا يَعْلَمُ بِعَدَدِ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَوْ النَّارَ، وَكَذَا أَفْعَالُهُمْ بِخَلْقِهِ فَيَكُونُ عَالِمًا بِهَا.

اور جب اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں پر اس کا فیصلہ اور تعین کر کے حکم دیدیا تو یہ ان کی تعداد سے متعلق اس کے علم پر دلالت کرتا ہے؛ اس لیے کہ قضاء علم کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے، حالانکہ اللہ تو وہ ہے کہ: "کوئی ذرہ برابر چیز اُس کی نظر سے دور

نہیں ہوتی، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں"، پس ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ جو ذات جنت اور جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد اور اسی طرح اپنی مخلوق کے افعال کو نہ جانتی ہو اور ان سے متعلق عالم بھی ہو؟

وقوله: (وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ).

ہر آدمی کو اسی کام کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

قَالَ جَابِرٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: جَاءَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ بَيِّنْ لَنَا دِينَنَا، كَأَنَّا خُلِقْنَا الْآنَ فِيمَ الْعَمَلُ الْيَوْمَ؟ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، أَمْ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ؟ قَالَ: «بَلْ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ» قَالَ: فَفِيمَ الْعَمَلُ؟ قَالَ: «اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، وَكُلُّ عَامِلٍ بِعَمَلِهِ»، (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ: یارسول اللہ، ہمارے لیے ہمارے دین کو اس طرح بیان کیجیے کہ گویا ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں، آج کس چیز سے متعلق عمل ہوگا، کیا اس چیز سے متعلق کہ جس کے بارے میں قلم لکھ کر خشک ہو چکے ہیں، اور تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے یا مستقبل کے بارے میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بلکہ اس چیز سے متعلق کہ جس کے بارے میں لکھ کر قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے، تو انہوں نے عرض کیا کہ: پھر عمل کیوں؟ تو فرمایا کہ: "عمل کرو، کیوں کہ ہر آدمی کو اسی کام کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، اور ہر عمل کرنے والا اپنے عمل کے ساتھ ہوگا" اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہیں۔

وَفِي حَدِيثٍ آخَرَ: «اعْمَلُوا وَقَارِبُوا وَسَدِّدُوا، فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ».

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "عمل کرو، میانہ روی اختیار کرو اور سیدھے رہو اس لیے کہ ہر آدمی کو اسی کام کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے"۔

قَوْلُهُ: (وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ) لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الزَّمَنَ الطَّوِيلَ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ عَمَلُهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ».

"اور اعمال کا دور و مدار خاتمہ پر ہے" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی بنا پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بندہ ایک طویل مدت تک اہل جنت والے اعمال کر رہا ہوتا ہے، پھر اس کا خاتمہ اہل جہنم کے عمل پر ہوتا ہے، اور ایک بندہ اہلِ جہنم والا عمل کر رہا ہوتا ہے پھر اس کا خاتمہ اہل جنت والے عمل پر ہوتا ہے"۔

وَوَرَدَ أَيْضًا: «إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى يَبْقَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ بَاعٌ أَوْ ذِرَاعٌ، فَتُدْرِكُهُ السَّعَادَةُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ».

اور یہ بھی روایت ہے کہ: "ایک بندہ اہل جہنم والا عمل کر رہا ہوتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک بندہ اہل جہنم والا عمل کر رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور اس جہنم کے درمیان ایک بالشت یا ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے اس کو سعادت پہنچ جاتی ہے اور وہ اہل جنت والا عمل کرنے لگتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے"۔

قوله: (والسَّعيدُ مَنْ سَعِدَ بقضاءِ اللهِ، والشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللهِ تعالَى).

نیک بخت وہ ہے جو اللہ کی تقدیر میں نیک بخت ہو، اور بد بخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں بد بخت ہو۔

لِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ وَالْمَصْدُوقُ: «إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يَجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، فَيَبْعَثُ اللهُ لَهُ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، بِكتبِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٍ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ» رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ.

یہ اس حدیث کی بنا پر ہے کہ جسے روایت کرتے ہوئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جو سچ کہتے ہیں اور وحی کے ذریعے ان کو سچ بتایا جاتا ہے: تم میں سے ہر ایک شخص کا مادہ تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی شکل میں اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر وہ اتنی مدت (چالیس دن) کے لیے علقہ (جمے ہوئے خون کی شکل میں) ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت کے لیے مضغہ (گوشت کے لوتھڑے) کی شکل میں رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے کو چار باتوں کے ساتھ بھیجتا ہے جو اس کے رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور یہ کہ وہ خوش نصیب ہو گا یا بد نصیب، لکھے گا، پھر اس میں روح پھونک دے گا" (رواہ البخاری و مسلم)۔

مسئلہ تقدیر

قَوْلُهُ: (وَأَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللهِ تعالَى فِي خَلْقِهِ، لَمْ يَطَّلِعْ عَلَى ذَلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِي ذَلِكَ ذَرِيعَةُ الْخِذْلَانِ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ، وَدَرَجَةُ الطُّغْيَانِ).

تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا راز ہے، اس سے نہ تو کوئی مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ ہی کوئی نبی مُرسَل، تقدیر کی گہرائی میں جانا اور اس میں غور و فکر کرنا ناکامی، محرومی اور سرکشی کا ذریعہ بنتا ہے۔

الْقَدْرِ: جَعْلَ كُلِّ مَا هُوَ وَاقِعٌ فِي الْعَالَمِ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَنَفْعٍ وَضَرٍّ، وَبَيَانُ مَا يَقَعُ عَلَى سُنَنِ الْقَضَاءِ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَمَكَانٍ، وَهُوَ تَأْوِيلُ الْحِكْمَةِ وَالْعِنَايَةِ السَّابِقَةِ فِي الْأَزَلِ، قَالَ اللهُ تعالى: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾.

تقدیر: کائنات میں موجود ہر چیز کو اس صفت یعنی خیر، شر، نفع اور نقصان کے مطابق بنانا کہ جس پر وہ ہے، اور اس بات کا بیان کہ ہر زمان اور مکان میں قضا کی ترتیب کے مطابق کیا واقع ہو گا، اور یہ ازل میں حکمت اور سابقہ توجہ کی تاویل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے"۔

فَيَكُونُ عُقُولُ الْبَشَرِ قَاصِرَةً عَنِ الْإِحَاطَةِ بِكُنْهِ الْحِكَمِ الْإِلَهِيَّةِ، وَالْبَصَائِرُ حَاسِرَةٌ عَنْ إِدْرَاكِ الْأَسْرَارِ الرَّبَّانِيَّةِ، فَيَكُونُ الْقَدَرُ مِنَ الْغَيْبِ الَّذِي اسْتَأْثَرَ اللهُ بِعِلْمِهِ، وَجَعَلَهُ سِرًّا مَكْتُومًا عَنْ خَلْقِهِ، لَمْ يَظْهَرْ ذَلِكَ لِمَلَكٍ مُقَرَّبٍ، وَلَا لِنَبِيٍّ مُرْسَلٍ.

پس انسانی عقلیں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی حقیقت کے احاطہ سے قاصر اور بصیرتیں ربانی اسرار کے ادراک سے عاجز ہوتی ہیں، لہذا تقدیر علم غیب کا وہ حصہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر دیا ہے، اور اس کو مخلوق سے چھپا ہوا ایک راز بنایا ہے، جسے نہ کسی مقرب فرشتے کے لیے ظاہر کیا جاتا ہے، اور نہ ہی کسی نبی مُرسَل کے لیے۔

فَيَكُونُ التَّعَمُّقُ فِيهِ وَسِيلَةَ الْخِذْلَانِ؛ لِأَنَّ التَّعَمُّقَ فِي طَلَبِ الْوُقُوفِ عَلَى الْحِكْمَةِ الَّتِي كَتَمَهَا اللهُ تعالَى عَنِ الْخَلْقِ، يَكُونُ نَاشِئًا عَنِ الْإِنْكَارِ وَالِارْتِيَابِ، وَهُمَا مِنْ أَوْصَافِ النِّفَاقِ.

اس کی گہرائی میں جانا ناکامی کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی حکمت سے متعلق واقف ہو جانے کی کوشش کرنے میں گہرائی میں جانا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چھپایا ہے، یہ انکار اور شک سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ دونوں نفاق کی صفات میں سے ہیں۔

فَيَصِيرُ التَّعَمُّقُ فِيهِ ذَرِيعَةَ الْخِذْلَانِ، إِذِ الْمَخْذُولُ هُوَ الَّذِي مُنِعَ بِسَبَبِ خِلَافِهِ عَنِ النُّصْرَةِ وَالظَّفْرِ بِالْحَقِّ، ثُمَّ بِاسْتِمْرَارِهِ عَلَى النَّظَرِ فِيمَا مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ فِيهِ، يَصِيرُ نَظَرُهُ سُلَّمًا لِلْحِرْمَانِ عَنِ الثَّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ.

اس لیے اس کی گہرائی میں جانا ناکامی کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ ناکام وہ ہے کہ جسے مخالفت کرنے کی وجہ سے نصرت اور حق کے ذریعے کامیابی سے محروم رکھا جائے، پھر جس چیز میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے اس میں غور و فکر پر دوام کی وجہ سے اس کی غور و فکر اس کے لیے حق پر ثبات سے محرومی کے لیے سیڑھی بن جائے گی۔

ثُمَّ إِذَا كَرَّرَ وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْ طَلَبِهِ، يَنْتَهِي إِلَى دَرَجَةِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ عَنِ الْحَدِّ الْمَجْعُولِ لِلْعَبْدِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلْعَبْدِ الْمُنَازَعَةُ فِي أَحْكَامِ مَوْلَاهُ، وَلَا الطَّلَبِ لِلِاطِّلَاعِ عَلَى أَسْرَارِهِ. لِذَلِكَ رَتَّبَ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ عَلَى هَذَا النَّسَقِ.

پھر جب بار بار ہو اور وہ اس طلب سے باز نہ آئے تو وہ سرکشی کے درجے تک پہنچ جائے گا، جو کہ بندے کے لیے بنائی گئی حد سے تجاوز کرنا ہوتا ہے، اس لیے کہ غلام کو آقا کے احکام سے متعلق نہ جھگڑنے کا کوئی حق حاصل ہے اور نہ ہی اس کے رازوں پر مطلع ہونے کی خواہش کا (حق حاصل ہے)، اس لیے کہ ان کلمات کو اس ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

قوله: **(فالحَذَرَ كلَّ الحَذَرِ مِنْ ذَلِكَ نَظَرًا وفِكْرًا ووَسْوَسَةً)**

لہٰذا مسئلہ تقدیر میں غور کرنے سے نظر نظر و فکر اور وسوسہ سمیت ہر اعتبار سے مکمل اجتناب کرنا ضروری ہے۔

هَذَا مُبَالَغَةٌ فِي التَّحْذِيرِ عَنْ طَلَبِ مَا حُجِبَ عَنِ الْعِبَادِ عِلْمُهُ، **(فَإِنَّ اللهَ طَوَى عِلْمَ الْقَدَرِ عَنِ الْأَنَامِ، وَنَهَاهُمْ عَنِ الْمَرَامِ كَمَا قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾، فَمَنْ سَأَلَ: لِمَ فَعَلَ؟ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ، وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ)**، وَإِنَّمَا نَهَاهُمْ عَنِ الْخَوْضِ فِي الْقَدَرِ لِأَنَّهُ أَمْرٌ لَا سَبِيلَ إِلَى مَعْرِفَتِهِ.

یہ اس چیز کی طلب سے بچنے میں مبالغہ ہے کہ جس کے علم کو بندوں سے چھپایا گیا ہو، "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی مخلوق سے سمیٹ لیا ہے، اور اس کے مقصد کو حاصل کرنے (میں غور و فکر کرنے) سے روک دیا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی ہے، اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا"، جس نے یہ اعتراضاً پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کتاب اللہ کے حکم کو ٹھکرا دیا، اور جس نے کتاب اللہ کے حکم کو ٹھکرایا، وہ زمرۂ کافروں میں سے ہو گیا، اور مخلوق کو اس تقدیر سے متعلق غور و فکر سے اس لیے روکا ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس کے جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: **(فَهَذَا جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهُ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ تعالَى)**، أَيْ: إِنَّمَا يَعْلَمُ بِهَذَا وَيَقِفُ عَلَيْهِ وَيَعْمَلُ بِمُقْتَضَاهُ مَنْ نَوَّرَ اللهُ قَلْبَهُ بِالْيَقِينِ مِنْ أَوْلِيَائِهِ، قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾.

"یہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جن کی ضرورت وہ اولیاء محسوس کرتے ہیں جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں" یعنی اس کو اللہ کے ولیوں میں سے وہ شخص جان سکتا ہے اور اس سے واقف ہو سکتا ہے اور اس کے مقتضی پر عمل کر سکتا ہے کہ جس کے دل کو اللہ

تعالیٰ نے یقین کے نور سے منور کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آ چکا ہے (سنگدلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟)"۔

ثُمَّ ذَكَرَ لِهَذَا تَعْلِيلاً بِقَوْلِهِ: (وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ؛ لِأَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ: عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُودٌ، وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُودٌ، فَإِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُودِ كُفْرٌ، وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُودِ كُفْرٌ. وَلا يَثْبُتُ الإِيمَانُ إِلَّا بِقَبُولِ الْعِلْمِ الْمَوْجُودِ، وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُودِ).

پھر اس کے لیے علت کے طور پر اپنے اس قول کو ذکر کیا کہ: "اور یہی راسخین فی العلم کا مقام ہے، کیونکہ علم دو طرح کا ہے: ایک وہ علم جو مخلوق میں موجود ہے اور دوسرا علم مخلوق میں ناپید ہوتا ہے، موجود علم کا انکار کفر اور مفقود علم کا دعویٰ کرنا بھی کفر ہے، اور اس وقت تک ایمان صحیح نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ موجود علم کو قبول نہ کیا جائے اور مفقود (پوشیدہ) علم کو ترک نہ کیا جائے"۔

الْعِلْمُ الْمَوْجُودُ فِي الْعَالَمِ وَالْخَلْقِ، هُوَ مَا عُلِمَ بِالدَّلَائِلِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَرَاهِينِ الْبَاهِرَةِ، كَالْعِلْمِ بِالصَّانِعِ بِمَا نُصِبَ عَلَيْهِ مِنْ دَلَائِلِ الْوَحْدَانِيَّةِ وَقِدَمِهِ وَكَمَالِ عِلْمِهِ وَقُدْرَتِهِ وَحُكْمِهِ، وَبَرَاءَتِهِ مِنْ سِمَاتِ النَّقْصِ وَأَمَارَاتِ الْحَدَثِ، وَجَمِيعِ صِفَاتِ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، وَكَالْعِلْمِ بِجَمِيعِ الْأَوَامِرِ وَالنَّوَاهِي كَمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الشَّرِيعَةِ الْغَرَّاءِ الثَّابِتَةِ بِالْقُرْآنِ الْمُعْجِزِ، وَمِنْ بَيَانِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ.

کائنات اور مخلوق کے اندر موجود وہ علم جسے ظاہری دلائل اور واضح براہین سے جانا جا سکے، جیسے صانع (کے وجود) سے متعلق علم جسے اس کی وحدانیت، اس کے قدیم ہونے، کمالِ علم، قدرت اور حکمت، نقص کی نشانیوں، حدوث کی علامات اور جلال واکرام کی تمام صفات پر دلالت کرنے والے دلائل کے ذریعے جانا جائے، اور جیسے تمام اوامر اور نواہی اور حلال وحرام سے متعلق علم عاجز کرنے والے قرآن سے ثابت شدہ اس روشن شریعت کے ذریعے سے جانا جا سکے جسے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں۔

فَهَذَا الْعِلْمُ كُلُّهُ مَوْجُودٌ فِي الْخَلْقِ، فَيَكُونُ إِنْكَارُهُ كُفْرًا.

یہ پورے کا پورا علم مخلوق میں موجود ہے، لہٰذا اس کا انکار کفر ہو گا۔

وَأَمَّا الْعِلْمُ الْمَفْقُودُ فِيهِمْ، فَنَحْوُ الْعِلْمِ الَّذِي أَخْفَاهُ اللهُ عَنْ خَلْقِهِ، كَالْعِلْمِ بِالْغَيْبِ الَّذِي اسْتَأْثَرَ بِعِلْمِهِ، وَكَعِلْمِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ، وَقِيَامِ السَّاعَةِ كَمَا قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾، وَقَالَ: ﴿لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾، فَادِّعَاءُ هَذَا الْعِلْمِ وَطَلَبُهُ كُفْرٌ أَيْضًا؛ لِأَنَّهُ دَعْوَى الْمُشَارَكَةِ مَعَ اللهِ فِيما اسْتَأْثَرَ بِهِ.



اور جہاں تک ان میں مفقود (غیر موجود) علم کا تعلق ہے، تو مثلاً یہ وہ علم ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے، جیسے غیب کا وہ علم کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے، اور جیسے قضاء اور قدر اور قیامت کے قیام کا علم ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کہہ دو کہ: اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے" اور فرمایا کہ: "وہی (اللہ) اسے اپنے وقت پر کھول کر دِکھائے گا، اور کوئی نہیں۔" پس اس علم کا دعوی کرنا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی کفر ہے؛ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز میں شرکت کا دعوی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔

الإيمان باللوح والقلم

قوله: (وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيعِ مَا فِيهِ قَدْ رُقِمَ، فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلَى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللهُ تعالَى فِيهِ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوهُ غَيْرَ كَائِنٍ، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ. وَلَوِ اجْتَمَعُوا كُلُّهُمْ عَلَى شَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ تعالَى فِيهِ لِيَجْعَلُوهُ كَائِنًا، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ. وجَفَّ الْقَلَمُ بِما هُوَ كائِنٌ إلى يومِ القِيَامَةِ، وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ).

"ہم لوح و قلم اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ اس میں لکھ دیا گیا ہے، اگر تمام مخلوق کسی ایسی بات کو "انہونی بنانے" پر جمع ہو جائیں جس کے بارے میں اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یہ ہو گی، تو وہ اس پر قادر نہ ہوں گے، اور اگر تمام مخلوق کسی ایسی بات کو "ہونی" بنانے پر جمع ہو جائیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ "ہونی" ہونے کا فیصلہ نہیں لکھا ہے، تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔

قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے، (یعنی اسے لکھا جا چکا ہے)، جو چیز بندے کو نہیں پہنچی وہ کبھی اس کو پہنچنے والی نہیں تھی، اور جو چیز اس کو پہنچی ہے وہ کبھی اس سے ٹلنے والی نہیں تھی"۔

أَمَّا اللَّوْحُ فَثَابِتٌ بِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ، فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾، والقَلَمُ بِقَوْلِه تعالَى: ﴿ن ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾، فَيَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِمَا.

بہر حال لوح کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے کہ: "بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، جو لوحِ محفوظ میں درج ہے" سے اور قلم کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے کہ: "قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں"، لہٰذا ان دونوں پر ایمان لانا واجب ہو گا۔

وَأَمَّا الْإِيمَانُ بِجَمِيعِ مَا فِيهِ قَدْ رَقَمَ، فَبِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾، قِيلَ: هُوَ اللَّوحُ المَحْفُوظُ، وَبِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾.

اور جہاں تک اس میں لکھی ہوئی تمام باتوں پر ایمان کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے قول سے ہے کہ: "ہم نے ایک واضح کتاب میں ہر ہر چیز کا پورا احاطہ کر رکھا ہے" کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے" سے (ثابت ہے)۔

وَبِمَا رُوِيَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ لِابْنِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ: يَا بُنَيَّ إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى تَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ

يَقُولُ: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ، قَالَ لَهُ: اُكْتُبْ، فَقَالَ: يَا رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

اور اس حدیث سے کہ جو حضرت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! تم اس وقت تک ایمان کی حلاوت کو نہیں پاسکتے ہو جب تک کہ تم یہ نہ جان لو کہ جو کچھ تمہیں (اچھا یا برا) ملنا ہے وہ تمہیں مل کر ہی رہے گا اور جو تمہیں نہیں ملتا وہ تمہیں مل ہی نہیں سکتا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت تک ہونے والی ساری چیزوں کی تقدیریں لکھ"۔

(اخرجہ ابو داود والترمذی)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا ﷺ وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ فَقَالَ: «أَتَدْرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ»؟ قُلْنَا: لَا يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا.

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک بار) ہماری طرف تشریف لائیں اس وقت آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں، آپ نے پوچھا: "تم لوگ جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟" ہم لوگوں نے عرض کیا: نہیں، سوائے اس کے کہ آپ ہمیں بتادیں۔

فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُمْنَى: هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ، فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا، وَقَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ: «هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ، وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا».

داہنے ہاتھ والی کتاب کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے، جس میں جنتیوں، ان کے آباء واجداد اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں، پھر آخر میں ان کا میزان ذکر کر دیا گیا ہے، لہٰذا ان میں نہ تو کسی کا اضافہ ہو گا اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو گا"، پھر آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے، جس میں جہنمیوں، ان کے آباء واجداد اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں اور آخر میں ان کا میزان ذکر کر دیا گیا ہے، اب ان میں نہ تو کسی کا اضافہ ہو گا اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو گا۔

قَالَ أَصْحَابُهُ: فَفِيمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ كَانَ أَمْرًا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟ فَقَالَ: «سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ كَانَ»، ثُمَّ قَالَ ﷺ بِيَدِهِ - أَيْ: أَشَارَ بِيَدِهِ - فَنَبَذَهَا، ثُمَّ قَالَ: «فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ، وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ».

صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! پھر عمل کس لیے کریں جب کہ اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "سیدھی راہ پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو، اس لیے کہ جنتی کا خاتمہ جنتی کے عمل پہ ہو گا، اگرچہ اس سے پہلے وہ جو بھی عمل کرے اور جہنمی کا خاتمہ جہنمی کے عمل پہ ہو گا اگرچہ اس سے پہلے وہ جو بھی عمل کرے"، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا، پھر ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا اور فرمایا: "تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک فریق جنت میں جائے گا اور ایک فریق جہنم میں جائے گا"۔

وَبَاقِي الْأَلْفَاظِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْكِتَابِ كُلُّهَا مَرْوِيَّةٌ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، بَعْضُهَا بِاللَّفْظِ وَبَعْضُهَا بِالْمَعْنَى، وَهِيَ مُسْتَغْنِيَةٌ عَنِ الشَّرْحِ.

اور کتاب (یعنی متنِ عقیدہ طحاویہ) کے اندر مذکور باقی تمام الفاظ نبی ﷺ سے مروی ہیں، ان میں سے بعض لفظاً اور بعض معنیً (مروی ہیں) جو کہ شرح سے مستغنی ہیں۔

قَوْلُهُ: (وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللهَ تعالى سَبَقَ عِلْمُهُ فِي كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ، فَقَدَّرَ ذَلِكَ بِمَشِيئَتِهِ تَقْدِيرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا، لَيْسَ لَهُ نَاقِضٌ، وَلَا مُعَقِّبٌ، وَلَا مُزِيلٌ، وَلَا مُغَيِّرٌ، وَلَا مُحَوِّلٌ، وَلَا نَاقِصٌ وَلَا زَائِدٌ مِنْ خَلْقِهِ فِي سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِهِ).

بندے پر واجب ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لے کہ اس کی مخلوقات میں ہونے والی ہر چیز پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق اپنی مشیت سے مستحکم اور نہ بدلنے والا فیصلہ کر رکھا ہے، اس فیصلے کو زمین و آسمان کی مخلوقات میں سے نہ کوئی توڑ سکتا ہے، نہ رد کر سکتا ہے، نہ ختم کر سکتا ہے اور نہ ہی بدل سکتا ہے اور نہ ہی ان میں کمی کر سکتا ہے اور نہ ان میں اضافہ کر سکتا ہے۔

هَذَا تَصْرِيحٌ بِإِثْبَاتِ أَزَلِيَّةِ عِلْمِ اللهِ تعالى وَمَشِيئَتِهِ، وَبِإِثْبَاتِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ، وَبِتَقْدِيرِ كُلِّ شَيْءٍ عَلَى مَا تَقْتَضِيهِ حِكْمَتُهُ الْبَالِغَةُ مِنْ حُسْنٍ وَقُبْحٍ، وَخَيْرٍ وَشَرٍّ، وَطَاعَةٍ وَمَعْصِيَةٍ، وَغِنًى وَفَقْرٍ.



یہ اللہ تعالی کے علم کی ازلیت، اس کی مشیت، اس کی مخلوقات میں سے جو کچھ ہوگا اس کی قضاء وقدر کے اثبات اور ہر اس چیز کی تقدیر سے متعلق تصریح ہے جو اس کی کامل حکمت کا تقاضا ہے، چاہے وہ حسن وقبح ہو، خیر شر ہو، طاعت اور معصیت ہو یا غنی اور فقر ہو۔

وَفِي قَوْلِهِ : «لَا مُعَقِّبَ« لَا مُؤَخِّرَ لِمَا حَكَمَ إِلَى قَوْلِهِ : «فِي سَمَائِهِ وَأَرْضِهِ» إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ هُوَ الْمُنْفَرِدُ بِالْحُكْمِ وَالتَّدْبِيرِ، وَالْغَالِبُ فِي أَمْرِهِ، لَا يُشَارِكُهُ فِي ذَلِكَ أَحَدٌ. وَقَدْ مَرَّ تَحْقِيقُ الْبَرَاهِينِ عَلَى ذَلِكَ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول: "لا مُعقِّبَ" "اس کے حکم کو کوئی موخر کرنے والا نہیں ہے" سے اس کے قول: "في سمائه وأرضه" تک اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ حکم اور تدبیر میں اکیلا ہے اور اپنے "امر" میں غالب ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اور اس پر دلائل کی تحقیق گزر چکی ہے۔

التكوين صفة لله تعالى قديمة

قوله: (ولا يكونُ مُكوَّنٌ إلّا بتكْوينِه، والتّكوين لا يكونُ إلّا حَسَنًا جميلًا).

"کوئی ہونے والا کام اس کی تکوین "کرنے کے "کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور تکوین حسین اور جمیل ہوتی ہے"

قَوْلُهُ: اعْلَمْ أَنَّ التَّكْوِينَ وَالتَّخْلِيقَ وَالْإِيجَادَ وَالْإِحْدَاثَ وَالِاخْتِرَاعَ كُلُّهَا أَسْمَاءٌ مُتَرَادِفَةٌ، مَعْنَاهُ: إِخْرَاجُ الْمَعْدُومِ مِنْ كَتْمِ الْعَدَمِ إِلَى ظُهُورِ الْوُجُودِ، وَإِنَّمَا خَصَّ لَفْظَ التَّكْوِينِ اقْتِدَاءً بِالسَّلَفِ، فَإِنَّهُمْ قَالُوا: التَّكْوِينُ غَيْرُ الْمُكَوَّنِ.

جان لو! تکوین، تخلیق، ایجاد، احداث اور اختراع سب کے سب الفاظ مترادفہ ہیں، جس کا معنی معدوم کو عدم کی پوشیدگی سے وجود کے ظہور کی طرف نکالنا ہے، اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لفظِ "التکوین" کی تخصیص سلف کے اقتداء کی وجہ سے کیا ہے، اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ: "التکوین غیر المکوَّن" (تکوین مکون کا غیر ہے)۔

وَهُوَ صِفَةٌ أَزَلِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِ اللهِ تعالى، كَجَمِيعِ صِفَاتِهِ، وَهُوَ تَكْوِينٌ لِلْعَالَمِ وَلِكُلِّ جُزْءٍ مِنْهُ فِي وَقْتِ وُجُودِهِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعَالَمَ حَادِثٌ بِإِحْدَاثِ اللهِ، وَلَوْ لَمْ يَكُنِ الْإِحْدَاثُ صِفَةً للهِ تعالى لَمَّا كَانَ حَادِثًا بِإِحْدَاثِهِ.

اور یہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرف اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور یہ اس کے وقتِ وجود میں عالم اور اس کے ہر ہر جزء کی تکوین (بنانا) ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ عالم اللہ تعالیٰ کے احداث (پیدا کرنے) سے حادث ہے، اور اگر احداث اللہ تعالیٰ کی صفت نہ ہو تو وہ اس کے احداث سے حادث نہیں ہو گا۔

وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ قَدِيمًا؛ إِذْ لَوْ كَانَ حَادِثًا لَاحْتَاجَ إِلَى تَكْوِينٍ آخَرَ، إِذِ التَّقْدِيرُ أَنَّ جَمِيعَ الْحَوَادِثِ مُحْتَاجٌ إِلَى تَكْوِينِ اللهِ، وَيَتَسَلْسَلُ أَوْ يَنْتَهِي إِلَى تَكْوِينٍ قَدِيمٍ.

اور اسے قدیم ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ اگر حادث ہو تو یہ اسے دوسری تکوین کی ضرورت پڑے گی؛ اس لیے کہ مفروض یہ ہے کہ تمام حوادث اللہ تعالیٰ کی تکوین کے محتاج ہیں، اور یہ سلسلہ ایک قدیم تکوین تک چلے گا۔

وَلِأَنَّهُ لَوْ كَانَ حَادِثًا: فَإِمَّا أَنْ حَدَثَ فِي ذَاتِ اللهِ فَيَكُونُ مَحَلًّا لِلْحَوَادِثِ وَهُوَ مُحَالٌ، وَإِنْ حَدَثَ لَا فِي ذَاتِهِ، فَلَا يَكُونُ التَّكْوِينُ صِفَةً لَهُ؛ لِأَنَّ صِفَةَ الشَّيْءِ لَا تَقُومُ بِغَيْرِهِ، إِذْ لَوْ قَامَتْ بِغَيْرِهِ لَكَانَ هُوَ الْمُكَوِّنُ دُونَ اللهِ.

اور اس لیے کہ اگر حادث ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں حادث ہو گی تو (اس صورت میں) وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) حوادث کا محل ہو گی، اور اگر یہ اس کی ذات کے علاوہ میں حادث ہو تو تکوین اس کی صفت نہیں ہو گی؛ اس لیے کہ کسی چیز کی صفت دوسری چیز کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی ہے، اس لیے کہ اگر یہ کسی اور کے ساتھ قائم ہو تو اللہ تعالیٰ کے بجائے وہی "مکوّن" ہو گا۔

وَقَوْلُ الْأَشْعَرِيِّ بِأَنَّ التَّكْوِينَ وَمَا هُوَ صِفَاتُ الْأَفْعَالِ كَالْإِحْيَاءِ وَالْإِمَاتَةِ حَادِثٌ، مَرْدُودٌ؛ لِأَنَّ الْعَالَمَ وُجِدَ بِخِطَابِ «كُنْ» عِنْدَهُ أَيْضًا، وَهُوَ تَكْوِينٌ، وَخِطَابُ «كُنْ» كَلَامٌ أَزَلِيٌّ قَائِمٌ بِذَاتِ اللهِ بِلَا خِلَافٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ، فَجَعْلُ التَّكْوِينِ حَادِثًا تَنَاقُضٌ.

اور (امام ابو الحسن) الاشعری (رحمہ اللہ علیہ) کا یہ قول مردود ہے کہ: تکوین اور افعال کی صفات جیسے احیاء (زندہ کرنا) اور اماتہ (موت دینا) حادث ہیں؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک بھی عالم کی تخلیق بھی "کن" کے خطاب سے ہوئی ہے، اور یہی تکوین ہے، اور "کن" کا خطاب ہمارے اور ان کے درمیان بغیر کسی اختلاف کے ایک ازلی کلام ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، پس تکوین کو حادث قرار دینا تناقض ہے۔

وَقَوْلُهُمْ بِأَنَّ التَّكْوِينَ هُوَ الْمُكَوَّنُ أَيْضًا مَرْدُودٌ، إِذِ التَّكْوِينُ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِ اللهِ أَزَلِيَّةٌ بِخِلَافِ الْمُكَوَّنِ. وَالْقَوْلُ بِاتِّحَادِهِمَا كَالْقَوْلِ بِأَنَّ الضَّرْبَ عَيْنُ الْمَضْرُوبِ.

اور ان کا اس طرح کہنا بھی مردود ہے کہ تکوین ہی "مکوّن" ہے؛ اس لیے کہ مکوّن کے برخلاف تکوین اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور ان دونوں کی وحدت کا قول ایسا ہے جیسے اس طرح کہنا کہ "ضرب" (مارنا) مضروب (جسے مارا جائے) کا عین ہے۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ قِدَمِ التَّكْوِينِ قِدَمُ الْمُكَوَّنِ؛ إِذْ وُجُودُ الْمُكَوَّنِ مَوْقُوفٌ عَلَى تَعَلُّقِ التَّكْوِينِ وَقْتَ الْوُجُودِ فَيَكُونُ ذَاتُهُ قَدِيمَةً وَتَعَلُّقُهُ حَادِثًا، كَسَائِرِ الْخِطَابَاتِ الْأَزَلِيَّةِ وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ التَّكْوِينَ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِ اللهِ لَا يَكُونُ إِلَّا حَسَنًا جَمِيلًا.

اور تکوین کے قدم سے مکوّن کا قدم لازم نہیں آئے گا؛ اس لیے کہ "مکوّن" کا وجود، وجود کے وقت تکوین کے تعلق پر موقوف ہے، پس تمام ازلی خطابات کی طرح اس کی ذات قدیم ہو گی اور اس کا تعلق حادث ہو گا، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تکوین اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ایک صفت ہے تو یہ حسن اور جمیل ہی ہے۔

قوله: (فَهٰذا مِنْ عَقْدِ الإِيمَانِ وَأُصُولِ الْمَعْرِفَةِ وَالِاعْتِرَافِ بِتَوْحِيدِ اللهِ تعالى وَرُبُوبِيَّتِهِ كَمَا قَالَ تعالَى فِي كِتَابِهِ: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾، وَقَالَ تعالَى: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مقدورا﴾.

اور یہ (عقیدہ) ایمان کی پختگی، معرفت کی بنیاد اور توحید وربوبیت باری تعالیٰ کے اقرار کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر بھی لکھ دی ہے"، مزید فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے"۔

فَهٰذَا - أَيْ: جَمِيعُ مَا سَبَقَ مِنَ الْعَقَائِدِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ وَغَيْرِهِمَا - مِنْ عَقْدِ الْإِيمَانِ؛ لِأَنَّهُ مَنْ لَمْ يَعْتَرِفْ بِسَبْقِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ عَلَى مُقْتَضَى الْحِكْمَةِ الْبَالِغَةِ، فَقَدْ يَشُكُّ فِي عِلْمِهِ الْأَزَلِيِّ وَعِنَايَتِهِ، وَبِذٰلِكَ يَتَطَرَّقُ الْخَلَلُ إِلَى الِاعْتِقَادِ فِي أُلُوهِيَّتِهِ.

"فهٰذا" (یہ) یعنی قضاء وقدر وغیرہ میں سے مذکور تمام گذشتہ عقائد ایمان کی پختگی میں سے ہیں؛ اس لیے کہ جو شخص انتہاء کو پہنچی ہوئی حکمت کے تقاضا کے مطابق قضاء وقدر کی سبقت کر جانے کا اقرار نہ کرے، تو وہ اس کے علم ازلی اور عنایت میں شک کرنے والا ہوگا، اور اسی سے اس کی الوہیت کے بارے میں اعتقاد کی طرف خلل راہ پاتا ہے۔

وَفِي إِثْبَاتِ التَّخْلِيقِ لِغَيْرِ اللهِ إِبْطَالُ تَوْحِيدِ الصَّانِعِ فِي أَفْعَالِهِ، وَإِثْبَاتُ مَنْ يُشَارِكُهُ فِي إِيجَادِ الْحَوَادِثِ، وَفِيهِ إِدْخَالُ الْخَلَلِ فِي عَقْدِ الْإِيمَانِ، نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخِذْلَانِ.

اور غیر اللہ کے لیے تخلیق کا اثبات افعال میں خالق کی توحید کا ابطال ہے، اور ایسی ذات کا اثبات ہے جو حوادث کو پیدا کرنے میں اس کا شریک ہے، اور اسی کے ذریعے سے ایمان کی پختگی میں خلل داخل ہو جاتا ہے، ہم اس رسوائی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

قَوْلُهُ: (فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ للهِ فِي الْقَدَرِ خَصِيمًا، وَأَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيهِ قَلْبًا سَقِيمًا، لَقَدْ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِي فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيمًا، وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيهِ أَفَاكًا أَثِيمًا).

"لہٰذا وہ شخص تباہ وبرباد ہوگا جو تقدیر کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا خصیم (جھگڑالو) بن جائے، اور اس میں غور وفکر کے لیے اپنے بیمار دل (ناقص فہم) سے کام لے، کیونکہ اس شخص نے اپنے وہم کے ذریعے غیب کی جستجو میں مخفی راز کو حاصل کرنے کی (ناکام) کوشش کی ہے، نتیجۃً یہ شخص عقدۂ تقدیر کے باب میں اپنی باتوں کی بناء پر جھوٹا اور گنہگار ثابت ہوگا"۔

وَهٰذَا تَأْكِيدٌ وَتَصْرِيحٌ بِذَمِّ مَنْ أَنْكَرَ الْقَدَرَ، وَسَمَّاهُ خَصِيمًا لِلّٰهِ؛ لِأَنَّهُ سَبَقَ بَيَانُهُ بِالدَّلَائِلِ الْقَطْعِيَّةِ إِثْبَاتُ الْقَدَرِ، فَمَنْ يُنْكِرْهُ فَقَدْ نَازَعَ اللهَ فِيمَا أَثْبَتَهُ، فَصَارَ خَصِيمًا لَهُ فَيَسْتَحِقُّ الْوَيْلَ.



یہ منکرِ تقدیر کی مذمت میں تاکید اور تصریح ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کا خصیم اس لیے قرار دیا کہ دلائلِ قطعیہ سے تقدیر کے اثبات کا بیان گزر چکا ہے، پس جو شخص اس کا انکار کرے گا وہ اس چیز میں اللہ سے جھگڑا کرنے والا ہوگا جسے اس نے ثابت کیا ہے، پس وہ اس کا خصیم بن جائے گا تو ہلاکت کا ہی مستحق ہوگا۔

وَإِنَّمَا سَمَّاهُ سَقِيمَ الْقَلْبِ لِارْتِيَابِهِ فِيمَا ثَبَتَ بِالْأَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ لِمَرَضٍ فِي قَلْبِهِ، وَلِطَلَبِهِ الْوُقُوفَ عَلَى مَضْمُونِ سِرٍّ كَتَمَهُ اللهُ عَنْ خَلْقِهِ.

اور اپنے دل میں موجود مرض کی وجہ سے دلائلِ قطعیہ سے ثابت شدہ امر میں شک کرنے اور ایسے راز پر واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنے کی وجہ سے اس کو سقیم القلب (بیمار دل والے) کا نام دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے۔

وَصَرَّحَ بِكَوْنِهِ أَفَاكًا أَثِيمًا؛ إِذْ الْأَفَاكُ هُوَ كَثِيرُ الْكَذِبِ، وَالْأَثِيمُ هُوَ الْفَاجِرُ كَثِيرُ الْإِثْمِ، وَذَلِكَ بِسَبَبِ إِنْكَارِ مَا ثَبَتَ مِنْ اللهِ بِالْأَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ.

اور اس کے "أفاكًا أثيمًا" ہونے کی تصریح کی؛ اس لیے کہ "أفاك" بہت زیادہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں، اور "الأثيم" وہ بہت زیادہ گناہگار فاجر کو کہا جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلائلِ قطعیہ کے ذریعے ثابت شدہ چیز کے انکار کی وجہ سے ہے۔

العرش والكرسي

قولُهُ: (والعَرْشُ والكُرْسِيُّ حقٌّ كما بيَّنَ في كِتَابِهِ، وهوَ جَلَّ وعَلَا مُسْتَغْنٍ عَنِ العَرْشِ وما دُونَهُ، مُحِيطٌ بكُلِّ شيءٍ وفوْقَهُ، وقدْ أعْجَزَ عَنِ الإحَاطَةِ بهِ خَلْقَهُ).

عرش اور کرسی برحق ہیں، اور وہ عرش اور غیر عرش (سب سے) بے نیاز ہے، اور بزرگ وبرتر ہے، ہر چیز اور اس کے اوپر والی (چیزوں) کا احاطہ کرنے والا ہے، اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

ذَكَرَ اللهُ تعالَى الْعَرْشَ وَالْكُرْسِيَّ فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ وَلَمْ يُبَيِّنْ مَاهِيَّتَهَا سِوَى أَنْ قَالَ: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾، وَقَالَ: ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾، فَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ التَّأْوِيلِ إِلَى أَنَّ الْكُرْسِيَّ كِنَايَةٌ عَنْ الْعِلْمِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَرْشَ غَيْرُ الْكُرْسِيِّ. وَقَدْ ذَكَرَ اللهُ تعالَى الْعَرْشَ مُقَيَّدًا بِالْحَمْلِ مُحْتَفًّا بِهِ الْمَلَائِكَةُ بِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ﴾، فَالْعَرْشُ الْمُقَيَّدُ بِالْحَمْلِ قَالُوا: هُوَ السَّرِيرُ الْمَحْمُولُ الْمَحْفُوفُ بِالْمَلَائِكَةِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَرْشَ الْمَذْكُورَ مُطْلَقًا يَحْتَمِلُ أَنْ يُرَادَ بِهِ الْمُلْكُ.

اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب کے اندر عرش اور کرسی کا تذکرہ فرمایا ہے مگر اس کے سوا ان کی ماہیت سے متعلق کچھ بھی نہیں کہا ہے، کہ فرمایا: "اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے"، اور فرمایا کہ: "اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے"، بعض اہل تاویل اس طرف گئے ہیں کہ کرسی، علم سے کنایہ ہے، اور انہی میں سے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: عرش، کرسی کے علاوہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: "وہ فرشتے جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں" عرش کو حمل (اٹھانے) اور ملائکہ سے گھرے ہوئے ہونے کی قید کے ساتھ بیان فرمایا ہے، پس حمل کی قید کے ساتھ مقید عرش کے بارے میں انہوں نے کہا کہ: یہ ایک اٹھایا گیا تخت ہے، جسے ملائکہ نے گھیر رکھا ہے، اور ان میں بعض حضرات نے کہا کہ: مطلقاً مذکور عرش اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد سلطنت ہو۔

وَالْمَذْهَبُ الصَّحِيحُ عِنْدَ عُلَمَائِنَا أَنَّ كُلَّ مَا ثَبَتَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْعَمَلُ، فَإِنَّهُ لَا يَجِبُ الِاشْتِغَالُ بِتَأْوِيلِهِ، بَلْ يَجِبُ الِاعْتِقَادُ بِثُبُوتِهِ وَحَقِيقَةِ الْمُرَادِ بِهِ.

جبکہ ہمارے علماء کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر وہ بات جو کتاب اور سنت سے ثابت ہو اور اس کے ساتھ کوئی عمل متعلق نہ ہو تو اس کی تاویل میں مشغول رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے ثبوت اور اس سے حقیقت کی مراد ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔

وَإِنَّمَا قَالَ: «هُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُونَهُ» نَفْيًا لِتَوَهُّمِ الْحَاجَةِ إِلَى التَّمَكُّنِ عَلَى الْعَرْشِ، وَالتَّحَيُّزِ فِي الْجِهَةِ كَمَا قَالَهُ الْمُجَسِّمَةُ، فَإِنَّ الْعَرْشَ حَادِثٌ بِإِحْدَاثِهِ، فَقَبْلَ خَلْقِهِ كَانَ مُسْتَغْنِيًا عَنِ الْمَكَانِ، فَلَوْ تَمَكَّنَ عَلَيْهِ بَعْدَهُ صَارَ مُفْتَقِرًا إِلَيْهِ، وَهُوَ مِنْ أَمَارَاتِ النَّقْصِ، تعالَى اللهُ عَنْ ذَلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "وهو مستغن عن العرش وما دونه" عرش پر تمکن اور جیسا کہ مجسمہ کے قول کی طرح کسی ایک جہت میں تحیز کی حاجت کے وہم کی نفی کے لیے فرمایا ہے، اس لیے کہ عرش اسی کے احداث (بنانے) سے حادث (بنا) ہے، پس اس کی تخلیق سے پہلے وہ مکان سے مستغنی تھا، اگر اس کے بعد اس پر تمکن فرمایا تو اس کی طرف محتاج ہو گیا، جو نقص کی علامات میں سے ہے، جس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔

وَأَرَادَ بِإِحَاطَتِهِ بِكُلِّ شَيْءٍ إِحَاطَتَهُ بِالْعِلْمِ، لَا كَإِحَاطَةِ الظَّرْفِ بِالْمَظْرُوفِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ خَصَائِصِ الْجِسْمِ وَاللهُ مُنَزَّهٌ عَنْهُ.

"ہر چیز کے احاطہ" سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد علم کے ذریعے اس کا احاطہ کرنا ہے، نہ کہ اس ظرف کا مظروف کو احاطہ کرنے کی طرح، اس لیے کہ یہ جسم کی خصوصیات میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

وَأَرَادَ بِقَوْلِهِ: «وَفَوْقَهُ» الْفَوْقِيَّةَ مِنْ حَيْثُ الْمَكَانَةُ وَالْقَهْرُ وَالْغَلَبَةُ، لَا مِنْ حَيْثُ الْمَكَانُ كَقَوْلِهِ تعالَى: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾، إِذْ لَا تُمَدَّحُ فِي غَيْرِ الْفَوْقِيَّةِ بِالْقَهْرِ، إِذِ الْحَارِسُ قَدْ يَكُونُ فَوْقَ السُّلْطَانِ مِنْ حَيْثُ الْمَكَانُ.

اور اپنے قول: "فوقه" سے ان کی مراد جاہ، قدرت اور غلبہ کے اعتبار سے فوقیت ہے، نہ کہ مکان کی حیثیت سے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ (اور وہ اپنے بندوں کے اُوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے)، اس لیے کہ اقتدار کی فوقیت کے بغیر کوئی مدح بھی نہیں ہے، اس لیے کہ کبھی چوکیدار بھی مکان کے اعتبار سے بادشاہ سے اوپر ہوتا ہے (مگر اس سے چوکیدار کے لیے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے)۔

قَوْلُهُ: (**ونَقُولُ بأَنَّ اللهَ اتَّخذَ إبْرَاهِيمَ خَلِيْلًا، وكلَّمَ موسَى تكْلِيمًا**) وَذَلِكَ ثَابِتٌ بِنَصِّ الْقُرآنِ.

"ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ کلام سے نوازا" اور یہ قرآنی نص سے ثابت ہے۔

وَإِنَّمَا قَالَ: (**إِيمَانًا وَتَصْدِيقًا وَتَسْلِيمًا**)، لِدَفْعِ تَوَهُّمِ النَّصَارَى حَيْثُ قَاسُوا تَسْمِيَتَهُمْ عِيسَى بِالْوَلَدِ عَلَى اتِّخَاذِ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَهَذَا قِيَاسٌ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّ الْوَلَدَ لَا يَكُونُ إِلَّا مِنْ جِنْسِ الْوَالِدِ، وَاللهُ

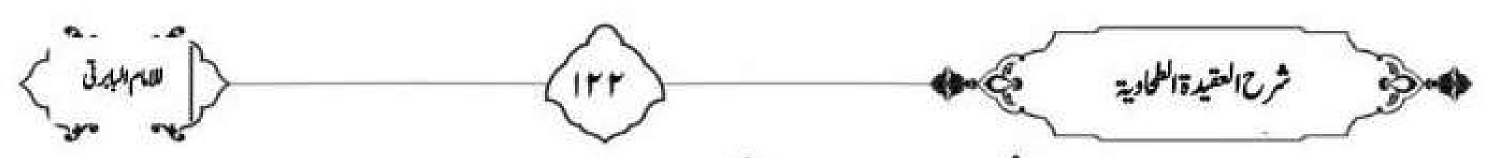


تعالَى مُتَعَالٍ عَنْ الْمُجَانَسَةِ مَعَ الْبَشَرِ، فَأَمَّا اتِّخَاذُ الْخَلِيلِ فَلَا يُوجِبُ الْمُجَانَسَةَ، بَلْ يُوجِبُ الْقُرْبَ وَالْكَرَامَةَ، فَافْتَرَقَا.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "إيمانًا وتَصديقًا وتَسليمًا" (اس بات پر ہمارا ایمان ہے، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہیں)، نصاریٰ کے وہم کو ختم کرنے کے لیے فرمایا، کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹے کا نام دینے کو ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے پر قیاس کیا ہے، جبکہ یہ ایک باطل قیاس ہے، اس لیے کہ بیٹا تو باپ کے جنس سے ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی مجانست سے پاک ہیں، اور رہا خلیل بنانا تو اس سے مجانست ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ قربت اور کرامت ضرورت ثابت ہوتی ہے، لہذا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

وَإِنَّمَا أَكَّدَ قَوْلَهُ: «وَكَلَّمَ مُوسَى تَكْلِيمًا» بِالْمَصْدَرِ كَمَا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ، لِيُعْلَمَ أَنَّهُ كَلَّمَهُ حَقِيقَةً بِكَلَامٍ هُوَ صِفَتُهُ، دَفْعًا لِإِرَادَةِ الْمَجَازِ.

اور جس طرح قرآن میں ہے کہ اپنی بات: "وكلّم موسىٰ تكليمًا" کو مصدر کے ساتھ موکد کر دیا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے حقیقی طور پر ایسے کلام کے ساتھ تکلم کیا جس کی صفت ہے، تا کہ مجاز کے ارادے کو ختم کر دیا جائے۔



الإيمانُ بالملائكة والأنبياء والكتب المنزلة

قوله: (ونُؤمِنُ بالمَلَائِكَةِ، والنَّبِيِّينَ، والكُتُبِ المُنْزَلَةِ على المُرْسَلينَ، ونشهدُ أَنَّهم كانوا على الحقِّ المُبينِ)، وهٰذا ثَابِتٌ بِقَولِهِ تعالَى: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾.

"ہم فرشتوں پر، انبیاء علیہم السلام پر، اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام واضح حق پر تھے" اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول: "یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے" سے ثابت ہے۔

فَالْإِيمَانُ بِالْمَلَائِكَةِ: أَنْ نُؤْمِنَ بِأَنَّهُمْ أَشْخَاصٌ رُوحَانِيَّةٌ فِي تَرْكِيبِ الْحَيَوَانِ، يَنْزِلُونَ وَيَصْعَدُونَ إِلَى السَّمَاءِ بِإِذْنِ اللهِ، لَذَّتُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ، وَأُنْسُهُمْ بِعِبَادَتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ، ﴿لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾.

پس ملائکہ پر ایمان: یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ حیوانی ترکیب میں روحانی اشخاص ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اترتے ہیں اور آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، ان کی لذت اللہ کے ذکر میں ہے، اور ان کی انسیت اللہ کی عبادت اور معرفت میں ہے، "اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

وَأَمَّا الْإِيمَانُ بِالنَّبِيِّينَ: فَهُوَ أَنْ نُؤْمِنَ بِأَنَّ اللهَ اصْطَفَاهُمْ لِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهِ، وَأَكْرَمَهُمْ بِالرِّسَالَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عِبَادِهِ، وَالرِّسَالَةُ لَيْسَتْ بِمُكْتَسَبَةٍ بَلْ هِيَ عَطِيَّةٌ يُعْطِيهَا اللهُ لِمَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ عَلَى مَا قَالَهُ: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾، وَهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْمَعَاصِي، وَهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، وَبَعْضُهُمْ أَفْضَلُ مِنْ بَعْضٍ.

جہاں تک نبیوں پر ایمان لانے کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لے آئیں کہ اللہ نے ان کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چنا ہے، ان کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان رسالت (قاصد) کا شرف عطا فرمایا ہے، اور رسالت کسبی نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول: "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے" کے مطابق یہ ایک عطا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرماتے ہیں، اور وہ گناہوں سے معصوم ہیں، اور ملائکہ سے افضل ہیں، اور ان میں بعض دوسروں سے افضل ہیں۔

وَإِنَّمَا قَدَّمَ الْمَلَائِكَةَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ فِي الذِّكْرِ وَالْإِيمَانِ بِهِمْ، لِأَنَّ اللهَ تعالى إِنَّمَا يُوحِي إِلَى الْأَنْبِيَاءِ بِوَاسِطَةِ الْمَلَائِكَةِ، قَالَ اللهُ تعالى : ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾، فَلِهَذَا السَّبَبِ قُدِّمَ ذِكْرُهُمْ.

اور ذکر اور ایمان میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ملائکہ کو انبیاء سے اس لیے مقدم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے پاس وحی ملائکہ کے واسطے سے بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "امانت دار فرشتہ اسے لے کر اترا ہے، (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اترا ہے تا کہ تم اُن (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبر دار کرتے ہیں"، پس اسی وجہ سے ان کے ذکر کو مقدم کر دیا۔

وَأَمَّا الْإِيمَانُ بِالْكُتُبِ: فَهُوَ أَنْ نُؤْمِنَ بِأَنَّهَا وَحْيٌ مِنَ اللهِ إِلَى رُسُلِهِ، إِمَّا سَمَاعًا مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ، أَوْ بَلَاغًا مِنَ الْمَلَكِ الْمُنْزِلِ، لَيْسَ لِلنَّبِيِّ وَلَا لِلْمَلَكِ فِيهَا تَصَرُّفٌ فِي النَّظْمِ وَلَا فِي الْمَعْنَى.

اور جہاں تک کتابوں پر ایمان کا تعلق ہے، تو وہ یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء کی طرف وحی ہیں، یا تو بلا کیف براہ راست اسی سے سنی ہوئی، یا اترے ہوئے فرشتے کے پہنچانے کے ذریعے، البتہ نبی اور فرشتے کو اس کے نہ نظم اور نہ ہی معنی میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔

وَنَشْهَدُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ كَانُوا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ الظَّاهِرِ بِالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالدَّلَائِلِ الْقَاهِرَةِ.

اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام واضح حق پر تھے جو واضح معجزات اور غالب دلائل کے ساتھ ظاہر ہوئے تھے۔



بيان شرط تسمية أهل القبلة

قَوْلُهُ: (وَنُسَمِّي أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُؤْمِنِينَ مَا دَامُوا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مُعْتَرِفِينَ، وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَ وَأَخْبَرَ مُصَدِّقِينَ).

ہم اہلِ قبلہ کو مسلمان اور مؤمن سمجھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کا اعتراف کریں اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا اور خبر دی اس کی تصدیق کریں۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ صَلَّى إِلَى قِبْلَتِنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَهُوَ مِنَّا»، فَإِذَا كَانُوا مُعْتَرِفِينَ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الشَّرْعِ وَالدِّينِ، وَمُعْتَقِدِينَ التَّوْحِيدَ، وَمُتَمَسِّكِينَ بِالشَّرِيعَةِ، نُسَمِّيهِمْ مُؤْمِنِينَ وَنَحْكُمُ عَلَيْهِمْ بِجَمِيعِ أَحْكَامِ الْمُؤْمِنِينَ، وَنُرَاعِي ظَوَاهِرَهُمْ وَنَكِلَ ضَمَائِرَهُمْ إِلَى اللهِ، بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «بُعِثْتُ أَتَوَلَّى الظَّوَاهِرَ، وَاللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ».

حضور ﷺ کے اس قول کی بناپر کہ: "جس نے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی، اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا تو وہ ہم میں سے ہے" جب وہ ہمارے نبی علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت اور دین کا معترف ہوں اور توحید کا معتقد ہوں، اور شریعت کا پابند ہوں، تو ہم ان کو مؤمن کہیں گے اور ان پر مؤمنین کے تمام احکام کو جاری کریں گے، اور ہم ان کی ظاہری حالت کا اعتبار کریں گے اور آپ ﷺ کے قول: "مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ ظاہر کی نگہبانی کروں اور اللہ ہی باطن کی نگہبانی کرنے والے ہیں" کی بناپر ان کے باطن کو اللہ کے حوالہ کریں گے۔

وَإِنَّمَا قَالَ: «مَا دَامُوا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مُعْتَرِفِينَ»، لِأَنَّ مُجَرَّدَ التَّوَجُّهِ إِلَى قِبْلَتِنَا لَا يَدُلُّ عَلَى الْإِيمَانِ مَا لَمْ يُصَدِّقِ النَّبِيَّ فِيمَا جَاءَ بِهِ مِنَ الشَّرِيعَةِ، فَإِنَّ الْغُلَاةَ مِنَ الرَّافِضَةِ الَّذِينَ يَدَّعُونَ أَنَّ جِبْرِيلَ غَلِطَ فِي الْوَحْيِ إِلَىٰ مُحَمَّدٍ، فَإِنَّ اللهَ أَرْسَلَهُ إِلَى عَلِيٍّ، وَبَعْضُهُمْ قَالُوا: بِأَنَّهُ إِلَهٌ، فَهَؤُلَاءِ وَإِنْ صَلُّوْا إِلَى الْقِبْلَةِ لَيْسُوا بِمُؤْمِنِينَ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ما داموا بما جاءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مُعتَرِفِينَ"، کیونکہ جب تک آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں آپ کی تصدیق نہ کرے تو صرف قبلہ کی طرف منہ کرنا ایمان پر دلالت نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ وہ غالی رافضی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو محمد کی طرف وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کو حضرت علی کی طرف بھیجا تھا، اور ان میں بعض نے یہ بھی کہا کہ: وہ (حضرت علی) خدا ہے، تو یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں مؤمن نہیں کہلائیں گے۔

حكم الخوض في ذاته تعالى

قوله قَوْلُهُ: (وَلا نَخُوضُ فِي اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلا نُمَارِي فِي الدِّينِ).

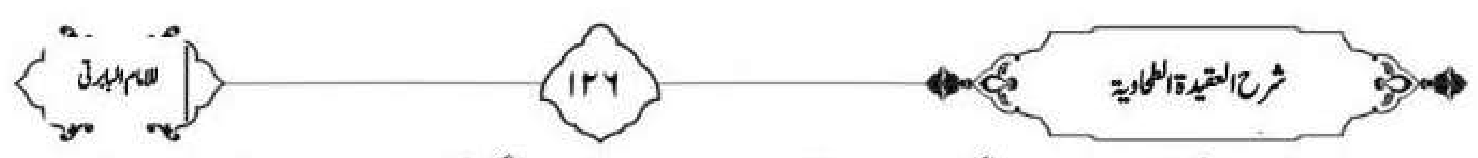
ہم اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق غور وفکر نہیں کرتے ہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

مَعْنَاهُ: وَلَا نَتَكَلَّمُ فِي ذَاتِ اللهِ وَصِفَاتِهِ بِمَحْضِ الْعَقْلِ مِنْ غَيْرِ اتِّبَاعِ مَا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ، إِذْ الْأَصْلُ فِي أَسْمَاءِ اللهِ وَصِفَاتِهِ التَّوْقِيفُ. وَلَا نَخُوضُ فِي الْفِكْرِ فِي ذَاتِهِ، فَإِنَّهُ يُحَيِّرُ الْأَفْكَارَ، فَرُبَّمَا يُؤَدِّي إِلَى الْإِنْكَارِ، بَلْ يُتَفَكَّرُ فِي أَفْعَالِهِ وَصُنْعِهِ، فَإِنَّ الْعَقْلَ قَاصِرٌ عَنْ إِدْرَاكِ كُنْهِ كِبْرِيَائِهِ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ مَعَ تَجَرُّدِهِمْ عَنْ دَنَسِ الْعَلَائِقِ النَّفْسَانِيَّةِ اعْتَرَفُوا بِالْقُصُورِ، وَقَالُوا: «مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ»، فَكَيْفَ الْبَشَرُ الْمُتَعَلِّقُ بِالْعَلَائِقِ وَالْغَوَاشِي الْغَرِيبَةِ الْمَانِعَةِ عَنْ خُلُوصِ الْإِدْرَاكِ؟ فَالْخَوْضُ فِيهِ رُبَّمَا يُفْضِي إِلَى الْقَوْلِ بِمَا هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهُ، فَالْأَوْلَى تَرْكُ الْخَوْضِ فِيهِ.

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں کتاب وسنت کے نصوص کی رہنمائی کے بغیر محض عقل سے کوئی بات نہیں کرتے ہیں؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں اصل توقیف ہے، اور اس کی ذات میں غور وفکر نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ اس نے افکار کو حیران کر دیا ہے، یہ انکار کی طرف لے جاسکتی ہے، بلکہ اس کے افعال اور ایجادات کے بارے میں غور وفکر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل اس کی کبریائی کی حقیقت کے ادراک سے قاصر ہے، اس لیے کہ نفسانی خواہشات سے پاک ہونے کے باوجود ملائکہ نے اپنے قاصر ہونے کا اعتراف کر لیا، اور کہا کہ: "ہم نے تجھ کو اتنا نہیں پہچانا جتنا کہ پہچاننے کا حق ہے"، تو انسان کا کیا حق ہے جسے ایسی عجیب وغریب خواہشات نے ڈھانپ لیا ہے، جو خلوصِ ادراک سے مانع ہیں، پس اس میں غور وفکر کرنا ایسی بات کی طرف لے جاسکتا ہے جس سے وہ پاک ہے، پس اس میں غور وفکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

«وَلَا نُمَارِي فِي الدِّينِ»، أَيْ: لَا نُخَاصِمُ أَهْلَ الْحَقِّ بِإِلْقَاءِ شُبُهَاتِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ عَلَيْهِمْ الْتِمَاسًا لِافْتِرَائِهِمْ وَمَيْلِهِمْ عَنِ الْحَقِّ. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُبْطِلٌ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَهُ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا، وَمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا»، أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ.

"ولا نماري في الدّين" یعنی اہل باطل کے شبہات کو ان کے جھوٹ اور حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے اہل حق کے سامنے پیش کر کے ان کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتے ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "جو شخص باطل پر ہوتے ہوئے جھگڑا کو چھوڑ



دے، اس کے لیے جنت کی ایک طرف میں گھر بنایا جائے گا، اور جو حق پر ہوتے ہیں جھگڑا کو چھوڑ دے اس کے لیے اس کے وسط میں گھر بنایا جائے گا، اور جو شخص اپنے اخلاق اچھے کرلے اس کے لیے اعلی درجے میں گھر بنایا جائے گا"۔

(أخرجه الترمذي)

وَرَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ، فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ: «أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ، أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ التَّنَازُعِ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَنَازَعُوا فِيهِ»، أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، تو غضب ناک ہوئے یہاں تک آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور فرمایا: "کیا تم لوگوں کو اس طرح کا حکم دیا گیا، یا مجھے اس چیز کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے؟ بے شک تم سے پہلے والی امتیں اپنے دین کے بارے میں تنازعات اور انبیاء کی مخالفتوں کی کثرت کی وجہ سے تباہ ہوئیں، میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اس کے بارے میں جھگڑا نہیں کرو"۔

(أخرجه الترمذي وأبو داوود)

التحذير من الجدال في القرآن

قَوْلُهُ: (وَلا نُجَادِلُ فِي الْقُرْآنِ)، بِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ حَادِثٌ، أَوْ مِنْ جِنْسِ الْحُرُوفِ وَالْأَصْوَاتِ، بَلْ نُؤْمِنُ بِأَنَّهُ مُرَادُ اللهِ وَكَلَامُهُ. وَلَا نُجَادِلُ فِي الْآيَاتِ الْمُتَشَابِهَةِ، وَلَا نُؤَوِّلُ بِتَأْوِيلَاتِ أَهْلِ الزَّيْغِ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ، وَلَا نُجَادِلُ فِي وُجُوهِ الْقِرَاءَاتِ الثَّابِتَةِ، بَلْ نَقْرَأُهُ بِكُلِّ مَا ثَبَتَ.

"اور ہم قرآن کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے ہیں" کہ یہ مخلوق حادث ہے، یا حروف اور آوازوں کی جنس میں سے ہے، بلکہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد اور اس کا کلام ہے، اور ہم آیاتِ متشابہات کے بارے میں بھی جھگڑا نہیں کرتے ہیں کہ اور نہ ہی فتنے کی طلب میں گمراہ لوگوں کی طرح تاویل کرتے ہیں، اور نہ ہی ہم قراءاتِ ثابتہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بلکہ ہم قرآن کو ہر ثابت شدہ قراءت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

قَوْلُهُ: (وَنَعْلَمُ أَنَّهُ) أَيْ: الْقُرْآنَ (كَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ) وَهَذَا رَدٌّ لِكَلَامِ الْمَلَاحِدَةِ أَنَّ الْقُرْآنَ وُجِدَ بِإِلْهَامٍ طَبِيعِيٍّ لِصَفَاءِ جَوْهَرِهِ، وَأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَوِّرُهُ فِي نَفْسِهِ فَيَنْظِمُهُ قُرْآنًا. وَالدَّلِيلُ عَلَى بُطْلَانِ ذَلِكَ قَوْلُهُ تعالَى: ﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾، يَعْنِي: جِبْرِيلَ، وَقَوْلُهُ: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾، وَقَوْلُهُ تعالَى: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ﴾.

"اور ہم مانتے ہیں کہ یہ "یعنی قرآن "رب العالمین کا کلام ہے، جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے" یہ ملاحدہ کے اس کلام کی تردید ہے کہ قرآن اس کے جوہر کی صفائی کی وجہ سے فطری الہام سے تخلیق کیا گیا ہے، اور یہ کہ نبی علیہ السلام اس کو اپنے ذہن میں تصور کرتے تھے پھر اس کو قرآن کے طور پر ترتیب دیتے تھے۔

ان کے اس قول کے باطل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: "بیشک یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، امانت دار فرشتہ اسے لے کر اترا ہے"، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام، اور اللہ تعالیٰ کا قول: "اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے"، "اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ"۔

قَوْلُهُ: (فَعَلَّمَهُ مُحَمَّدًا) أَيْ: عَلَّمَ جِبْرِيلُ مُحَمَّدًا (سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ ﷺ وَعَلَى آلِهِ أَجْمَعِينَ) الْقُرْآنَ الْمُنَزَّلَ إِلَيْهِ، لِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى﴾ وَفِي التَّصْرِيحِ بِتَعْلِيمِ جِبْرِيلَ إِيَّاهُ إِبْطَالٌ لِتَوَهُّمِ الْمَلَاحِدَةِ أَنَّهُ كَانَ يُصَوِّرُهُ فِي نَفْسِهِ، لِأَنَّ طَبِيعَتَهُ وَغَرِيزَتَهُ كَانَتْ تَقْتَضِي ذَلِكَ، أَوْ كَانَ يُلْهِمُهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يَأْتِي هُوَ بِكَلَامٍ مُرَتَّبٍ. وَالدَّلِيلُ عَلَى بُطْلَانِ هَذَا أَنَّ اللهَ تعالَى صَرَّحَ بِالتَّعْلِيمِ وَالتَّلْقِينِ، وَالتَّعْلِيمُ مِنَ الْمَلَكِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِأَنْ يَسْمَعَ مِنْهُ الْكَلَامَ فَيَحْفَظَهُ ثُمَّ يُبَلِّغَهُ إِلَى الْمُخَاطَبِينَ.

"اسے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کو سکھایا" یعنی جبریل علیہ السلام نے محمد ﷺ کو آپ کی طرف اترنے والا قرآن سکھایا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر کہ: "انہیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے"۔

اور جبریل علیہ السلام کا آپ کو سکھانے کی تصریح ملاحدہ کے اس وہم کا ابطال ہے کہ آپ ﷺ اس کو اپنے ذہن میں سوچتے ہیں، اس لیے آپ کی طبیعت اور ذہنی صلاحیت اس کا تقاضا کر رہی تھی، یا جبریل علیہ السلام آپ کو الہام کرتے تھے پھر آپ ہی مرتب کلام لے کر آتے تھے۔

اس کے بطلان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم اور تلقین کی تصریح کی ہے، اور فرشتے کی طرف سے تعلیم صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس سے کلام سنے پھر اس کو یاد رکھے پھر مخاطبین تک پہنچائے۔

قَوْلُهُ: **(وَكَلَامُ اللهِ تعالَى لا يُسَاوِيهِ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوقِينَ)**، لِأَنَّ كَلَامَهُ تعالَى صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ، أَزَلِيٌّ جَامِعٌ لِلَّطَائِفِ، يَعْجِزُ عَنْ إِتْيَانِ مِثْلِ أَقْصَرِ سُورَةٍ مِنْهُ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ، فَكَيْفَ يَكُونُ كَلَامُ الْبَشَرِ الَّذِي هُوَ حَادِثٌ رَكِيكٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ مُسَاوِيًا لَهُ؟

اور "مخلوقات کا کوئی کلام اللہ کے کلام کے برابر نہیں ہو سکتا ہے"، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ایسی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، ازلی ہے اور تمام اچھائیوں کو جامع ہے، اس کی چھوٹی سی سورت کی مثل لانے سے تمام انسان اور جنات قاصر ہیں، پھر کس طرح انسان کا ایسا کلام اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کہ اس کی بنسبت حادث اور کمزور ہے۔

قَوْلُهُ: **(وَلا نَقُولُ بِخَلْقِهِ)**، هَذَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْمُعْتَزِلَةِ الْقَائِلِينَ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ، وَالدَّلِيلُ عَلَى بُطْلَانِ مَذْهَبِهِمْ: أَنَّ كَلَامَ اللهِ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ، فَلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا يَلْزَمُ قِيَامُ الْحَادِثِ بِذَاتِهِ تعالَى، وَهُوَ مُنَزَّهٌ عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ مَرَّ تَحْقِيقُ ذَلِكَ فِيمَا قَبْلُ.

"اور ہم اس کے مخلوق ہونے کی بات نہیں کرتے ہیں" یہ معتزلہ پر رد ہے جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں، اور ان کے مذہب کے بطلان پر دلیل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفت ہے اسی کے ساتھ قائم ہے، اگر یہ مخلوق ہوتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حادث کا قیام لازم آتا، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اور اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

قَوْلُهُ: **(وَلا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ)**، لِقَوْلِهِ ﷺ: «مَنْ خَرَجَ عَنِ الْجَمَاعَةِ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ»، وَالْإِجْمَاعُ حُجَّةٌ مِنْ حُجَجِ الشَّرْعِ، فَخِلَافُهُ زَيْغٌ وَضَلَالٌ، وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَثَّ عَلَى التَّمَسُّكِ بِالْجَمَاعَةِ، حَيْثُ قَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ»، وَقَالَ: «لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ»، وَ«مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ».



"اور ہم اجماعِ امت کی مخالفت نہیں کرتے ہیں" حضور ﷺ کے قول: "جس نے جماعت سے جدائی اختیار کی تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکا" اور اجماع شرعی اصولوں میں سے ایک اصول ہے، اس کی مخالفت کج روی اور گمراہی ہے، اور نبی علیہ السلام نے جماعت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی ترغیب دی ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سوادِ اعظم (یعنی بڑی جماعت کو لازم پکڑو)"، اور فرمایا کہ: "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ہے"، اور "جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہو گی"۔

القولُ في أهلِ القِبْلَةِ

قَوْلُهُ: (وَلَا نُكَفِّرُ أَحَداً مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ)، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا تُكَفِّرُوا أَهْلَ قِبْلَتِكُمْ». الْمُرَادُ بِأَهْلِ الْقِبْلَةِ هُمُ الَّذِينَ جَمَعُوا بَيْنَ الصَّلَاةِ إِلَى الْكَعْبَةِ وَالتَّصْدِيقِ بِجَمِيعِ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الشَّرِيعَةِ، وَلِهَذَا قَالَ الْمُصَنِّفُ فِيمَا سَبَقَ: «وَنُسَمِّي أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِينَ مَا دَامُوا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُعْتَرِفِينَ». وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْغُلَاةَ مِنَ الرَّوَافِضِ وَإِنْ صَلَّوْا إِلَى الْقِبْلَةِ لَيْسُوا بِدَاخِلِينَ فِي هَذَا.

"ہم کسی گناہ کی وجہ سے اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے ہیں، جب تک کہ وہ اس کو حلال نہ سمجھے"، حضور ﷺ کے قول: "اپنے اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرو" کی وجہ سے۔

اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کعبہ کی طرف نماز اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کو جمع کر لیا ہو، اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ پہلے فرمایا کہ: "ونُسمِّي أهلَ قبلتنا مسلمين ما داموا بما جاء به النَّبيُّ عليه السَّلام معترفين" (اہم اہلِ قبلہ کو مسلمان اور مؤمن سمجھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کا اعتراف کریں)، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ غالی رافضی اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں پھر اس میں داخل نہیں ہیں۔

وَإِنَّمَا قَالَ هَذَا رَدّاً عَلَى الْخَوَارِجِ الَّذِينَ قَالُوا بِأَنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا ارْتَكَبَ كَبِيرَةً يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ وَيَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ، وَعَلَى الْمُعْتَزِلَةِ الَّذِينَ قَالُوا: يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ، وَيَكُونُ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ.

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات خوارج کی تردید کرنے کے لیے کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: مسلمان جب گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو ایمان سے نکل جائے گا اور کفر میں داخل ہو جائے گا، اور معتزلہ کی بھی تردید کی ہے کہ وہ (معتزلہ) کہتے ہیں کہ: ایمان سے نکل جائے گا مگر کفر میں داخل نہیں ہوگا اور دو مقامات (جنت اور جہنم، ایمان اور کفر) کے درمیان ہوگا۔

وَالدَّلِيلُ عَلَى بُطْلَانِ هَذَا: أَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَكْفُرُ بِالذَّنْبِ، لِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ﴾ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ الْمُذْنِبِينَ بِالتَّوْبَةِ، إِذِ التَّوْبَةُ عِبَارَةٌ عَنِ الرُّجُوعِ إِلَى اللهِ بِمُوَافَقَةِ أَمْرِهِ بَعْدَ الْمُخَالَفَةِ. وَقَدْ سُمِّيَ صَاحِبُ الذَّنْبِ مُؤْمِناً فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَخْرُجُ عَنِ الْإِيمَانِ بِالذَّنْبِ، وَلِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾، سَمَّاهُمْ مُؤْمِنِينَ مَعَ أَنَّ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ بَاغِيَةٌ مُرْتَكِبَةٌ لِلْكَبِيرَةِ، وَلِقَوْلِهِ تعالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾، فَسَمَّى قَاتِلَ النَّفْسِ عَمْداً مُؤْمِناً مَعَ

ارْتِكَابِهِ الْكَبِيرَةَ، ثُمَّ قَالَ: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾، سَمَّاهُ أَخًا بِأُخُوَّةِ الْإِسْلَامِ، فَلَوْ صَارَ كَافِرًا بِالْقَتْلِ لَمَا جَازَ تَسْمِيَتُهُ بِالْأَخِ.

اس کے بطلان پر دلیل یہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے کسی مؤمن کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے قول: "اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو" کی وجہ سے، کہ جس میں گناہگار مؤمنوں کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے، اور توبہ تو حکم کی مخالفت کے بعد موافقت کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے، اور گناہگار کو مؤمن کہا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ گناہ کی وجہ سے ایمان کے دائرے سے خارج نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں" کی وجہ سے کہ کسی ایک گروہ کے باغی اور مرتکبِ کبیرہ ہونے کے باوجود دونوں کو مؤمن کہا، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے" کی وجہ سے کہ جان بوجھ کر کسی کو قتل کرنے والے کو اس کے باوجود مؤمن کا نام دیا کہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، پھر فرمایا: "پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے" اس میں مقتول کو قاتل کا اسلامی بھائی قرار دیا گیا ہے، اگر قتل کی وجہ سے وہ کافر ہوتے تو اس کو بھائی کا نام دینا جائز نہیں تھا۔

وَلِأَنَّ الْإِيمَانَ فِي الْحَقِيقَةِ هُوَ التَّصْدِيقُ بِالْقَلْبِ، وَالْإِقْرَارُ دَلِيلٌ عَلَيْهِ، وَمَحَلُّ الْمَعْصِيَةِ الْجَوَارِحُ، فَلَا تَضَادَّ بَيْنَهُمَا، إِذِ اتِّحَادُ الْمَحَلِّ شَرْطٌ لَهُ، فَمَا دَامَ التَّصْدِيقُ بَاقِيًا يَكُونُ الْإِيمَانُ بَاقِيًا، وَلِأَنَّ الْأَعْمَالَ الصَّالِحَةَ غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِي الْإِيمَانِ، فَلَا يَنْتَفِي الْإِيمَانُ بِانْتِفَائِهَا.

اور اس لیے کہ حقیقت میں ایمان تو دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، اور اقرار اس پر دلیل ہے، جبکہ گناہ کا مقام تو اعضاء ہیں، دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ تضاد کے لیے مقام کی وحدت شرط ہے، پس جب تک تصدیق باقی رہے گی ایمان باقی رہے گا، اور اس لیے کہ اعمالِ صالحہ ایمان میں داخل نہیں ہیں، تو ان کے منتفی ہو جانے سے ایمان کی نفی نہیں ہو گی۔

وهٰذا إِذَا ارْتَكَبَ الكَبِيرَةَ ولَمْ يَسْتَحِلَّها ، أَمَّا لو استَحَلَّها فهُوَ كَافِرٌ، لإنكَارِهِ مَا حرَّمَ اللهُ تعالَى بالدَّلائلِ القَطْعِيَّةِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾.

یہ اس وقت ہے کہ جب وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے لیکن اس کو جائز نہ سمجھے، اگر وہ اس کو جائز سمجھ لے تو قطعی دلائل سے ثابت شدہ، اللہ کے حرام کردہ امر کے انکار کی وجہ سے وہ کافر ہو گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں"۔

قوله: (ولا نقولُ: لا يَضُرُّ مَعَ الإيْمَانِ ذَنبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ)، هٰذا ردٌّ لِمَذْهَبِ المُرجِئَةِ، فإنَّهُمْ بمُقَابلَةِ الخَوَارِجِ، حيثُ قالوا: لا يَضُرُّ الذَّنبُ مَعَ الإيمانِ، والخَوَارِجُ قالوا: لا يَنْفَعُ الإيمانُ مَعَ الذَّنْبِ.

"اور نہ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ: ایمان کے ساتھ کوئی گناہ کا عمل مؤمن کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے" یہ مرجئہ کے مذہب کی تردید ہے کہ وہ خوارج کے مذہب کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ: ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا ہے، جبکہ خوارج کہتے تھے کہ: گناہ کے ساتھ ایمان فائدہ نہیں دیتا ہے۔

والدَّليلُ على إبْطَالِ مَذْهَبِ المُرْجِئَةِ أنَّ النُّصُوصَ وَالأحَادِيثَ الصَّحِيْحَةَ قَدْ دلَّتْ علىٰ تَعْذِيبِ أَصْحَابِ الكَبَائِرِ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ، فَدَلَّتْ علىٰ أنَّ الذُّنُوبَ قد تَضُرُّ مَعَ الإيمَانِ.

مرجئہ کے مذہب کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نصوص اور صحیح احادیث کبیرہ گناہ کے مرتکب کو گناہوں کی بقدر سزا دینے پر دلالت کرتی ہیں، پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کے ساتھ بھی گناہ نقصان دیتا ہے۔

قولُهُ: (ونَرجُو لِلمُحسِنِينَ مِنَ المؤمنينَ)، أي: نَرْجُو الثَّوابَ في الآخِرَةِ لِمَنْ عَمِلَ الحَسَناتِ مِنَ المُؤمِنِينَ بِحُكْمِ الوَعْدِ.

"اور ہم مؤمنین میں سے نیک لوگوں کے بارے میں امید رکھتے ہیں" یعنی مؤمنین میں سے نیک عمل کرنے والوں کے لیے وعدے کے مطابق آخرت میں ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

وَإِنَّمَا قَالَ بِلَفْظِ «الرَّجَاءِ»؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ الصَّالِحَ لَيْسَ بِمُوجِبٍ لِلْجَزَاءِ، بَلْ الْجَزَاءُ بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَنْ يَدْخُلَ أَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ، قِيلَ: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِرَحْمَتِهِ»، وَلِأَنَّ الْعَمَلَ الصَّالِحَ إِنَّمَا يَكُونُ وَسِيلَةً لِلثَّوَابِ، إِذَا كَانَ لِوَجْهِ اللهِ وَمَقْبُولًا عِنْدَهُ، وَذٰلِكَ غَيْرُ مَعْلُومٍ، فَلَا نَتَيَقَّنُ بِهِ بَلْ نَرْجُو الْفَضْلَ مِنَ اللهِ.

لفظ "الرجاء" (امید) سے اس لیے تعبیر کیا کہ عمل صالح ہی جزاء کو ثابت کرنے والا نہیں ہے، بلکہ جزاء تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوگا، کہا گیا کہ: یا رسول اللہ آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے"، اور اس لیے کہ عمل صالح اس وقت ثواب کا ذریعہ ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ کی رضا کے لیے ہو اور اس کے ہاں مقبول ہو، اور وہ معلوم نہیں ہے، تو ہم بھی اس کے متعلق یقین نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے فضل کی امید رکھتے ہیں۔

قَوْلُهُ: (وَلا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَلا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ)، أَيْ: لَا نَأْمَنُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا يُحْبِطُ عَمَلَهُمْ مِنْ كُفْرٍ أَوْ نِفَاقٍ، أَوْ مَا يُحْبِطُ ثَوَابَ عَمَلِهِمْ مِنْ عُجْبٍ وَرِيَاءٍ وَسُمْعَةٍ، لِأَنَّهُمْ غَيْرُ مَعْصُومِينَ عَنْ ذَلِكَ، فَمَا دَامُوا فِي الْحَيَاةِ لَا يَتَحَقَّقُ الْأَمْنُ مِنْ ذَلِكَ، إِذْ الِاعْتِبَارُ لِلْخَوَاتِيمِ، وَقِصَّةُ بَلْعَمِ بْنِ بَاعُورَاءَ مَشْهُورَةٌ.

"اور ہم ان کے لیے جنت کی گواہی نہیں دیتے ہیں" یعنی ہم مؤمنین کے بارے میں کفر اور نفاق میں سے کسی ایسی چیز کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں گے جو ان کے اعمال کو ختم کردے یا تکبر، ریا اور شہرت میں سے جو ان کے اعمال کے ثواب کو ختم کردے، اس لیے کہ وہ ان چیزوں سے معصوم نہیں ہیں، پس جب تک وہ زندہ رہیں گے ان چیزوں کے حوالے سے اطمینان نہیں ہوگا، اس لیے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے، اور بلعم بن باعوراء کا واقعہ تو مشہور ہے۔

قَوْلُهُ: (وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيئِهِمْ)، أَيْ: نَطْلُبُ مِنَ اللهِ الْمَغْفِرَةَ لِلْمُذْنِبِينَ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ؛ لِأَنَّا أُمِرْنَا بِاسْتِغْفَارِ بَعْضِنَا لِبَعْضٍ، قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾، وَالْمَلَائِكَةُ وَالْأَنْبِيَاءُ أُمِرُوا بِالِاسْتِغْفَارِ لِلْمُؤْمِنِينَ، فَوَجَبَ الِاقْتِدَاءُ بِهِمْ.

"اور ان میں سے گناہگاروں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ سے گناہگار اہل ایمان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں ایک دوسرے کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "پھر میں نے اُن سے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے"، اور ملائکہ اور انبیاء کو بھی مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس ان کا اقتداء کرنا واجب ہے۔

قَوْلُهُ: (وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ)، أَيْ: نَخَافُ عَلَى الْمُذْنِبِينَ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ الْعِقَابَ، لِأَنَّ اللهَ تعالَى أَوْعَدَ بِالْعِقَابِ بِمُخَالَفَةِ أَوَامِرِهِ، فَنَسْتَغْفِرُ لَهُمْ كَمَا نَسْتَغْفِرُ لِأَنْفُسِنَا، وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ كَمَا نَخَافُ عَلَى أَنْفُسِنَا، قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْمُؤْمِنُونَ كَالْجَسَدِ الْوَاحِدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ».

"اور ان کے بارے میں ہمیں خوف بھی ہے" یعنی ہمیں گناہگار اہل ایمان کے عقاب کا خوف ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی مخالفت پر عقاب کی دھمکی دی ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: "تمام مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں، جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی سارا جسم بیداری اور بخار کے ذریعے تمام اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر اس کا ساتھ دیتا ہے"۔

قولُهُ: (ولا نُقَنِّطُهُمْ)، أي: لا نُؤَيِّسُهُمْ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ مَعَ ذَنْبِهِمْ، إِذِ الْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ مِنْ أَوصَافِ الضَّالِّينَ، قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾.

"اور ان کو ہم مایوس نہیں کریں گے" یعنی ہم گناہ کے باوجود ان کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کریں گے، اس لیے کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہ لوگوں کے اوصاف میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "ابراہیم نے کہا: "اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون نا اُمید ہو سکتا ہے"۔

قَوْلُهُ: (وَالْأَمْنُ وَالْإِيَاسُ يُنْقِلَانِ عَنِ الْمِلَّةِ)، يَعْنِي: الْأَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللهِ، وَالْيَأْسُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ، يَنْقُلَانِ الْمُؤْمِنَ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ إِلَى الْكُفْرِ؛ لِأَنَّ اللهَ تعالى وَعَدَ بِالرَّحْمَةِ وَأَوْعَدَ بِالْعَذَابِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِمَا. فَفِي الْأَمْنِ عَمَّا أَوْعَدَ ظَنُّ الْعَجْزِ عَنِ الْعُقُوبَةِ، وَفِي الْإِيَاسِ عَنِ الرَّحْمَةِ ظَنُّ الْعَجْزِ عَنِ الْمَغْفِرَةِ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَاقِلٌ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ، وَقَدْ قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَسِرُونَ﴾، وقال تعالَى: ﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾.

"بے خوفی اور نا امیدی دین سے باہر کر دیتی ہے"، یعنی اللہ کی تدبیر سے بے خوفی، اور اللہ کی رحمت سے نا امیدی مؤمن کو دین اسلام سے کفر کی طرف منتقل کرنے والے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا وعدہ کیا ہے اور عذاب کی دھمکی دی ہے، پس دھمکی سے بے خوف ہونا سزا دینے سے عاجز ہونے کا گمان کرنا ہے، اور رحمت سے مایوسی مغفرت سے عاجزی کا گمان کرنا ہے، اور ان میں سے ہر ایک دین اسلام سے منتقل (خارج) کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل (کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا امید ہوتے ہیں جو کافر ہیں"۔

قَوْلُهُ: (وَسَبِيلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِأَهْلِ الْقِبْلَةِ)، أَيْ: بَيْنَ الْأَمْنِ وَالْيَأْسِ، وَهُوَ الْوُقُوفُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ، إِذْ هُوَ حَقِيقَةُ الْعُبُودِيَّةِ، قَالَ اللهُ تعالَى: ﴿يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾، أَيْ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهِ وَطَمَعًا فِي رَحْمَتِهِ وَثَوَابِهِ، وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَوْ وُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَرَجَاؤُهُ لَاعْتَدَلَا».

"اہل قبلہ کے لیے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے" یعنی بے خوفی اور مایوسی کے درمیان ہے، اور وہ یہ خوف اور امید کے درمیان رکے رہنا ہے، اس لیے کہ یہی بندگی کی حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید (کے ملے جلے جذبات کے ساتھ پکار رہے ہیں)" یعنی اللہ تعالیٰ کے عقاب سے خوف اور اللہ کی رحمت اور اس کے ثواب کی امید سے، اور نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: "اگر مؤمن کے خوف اور امید کو تولا جائے تو دونوں برابر ہوں گے"۔

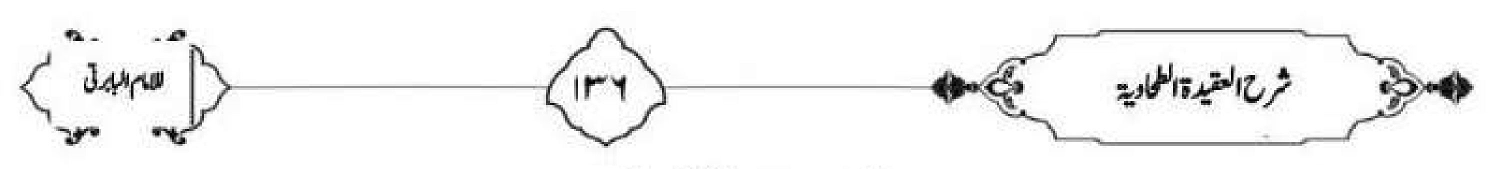
وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى رَدِّ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْخَوَارِجُ وَالْمُرْجِئَةُ، فَإِنَّ الْخَوَارِجَ أَيِسُوا مِنْ ثَوَابِ اللهِ بِارْتِكَابِ الْكَبِيرَةِ، وَالْمُرْجِئَةَ أَمِنُوا مِنَ الْعِقَابِ بِارْتِكَابِهَا، فَهُمَا فِي طَرَفَيِ التَّفْرِيطِ وَالْإِفْرَاطِ، وَخَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا، وَهُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.



اس میں خوارج اور مرجئہ کے مذہب کی تردید ہے، اس لیے کہ خوارج کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ کے ثواب سے مایوس ہوگئے اور مرجئہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے عقاب سے بے خوف ہوگئے، پس یہ دونوں افراط اور تفریط کے دو انتہاؤں پر ہیں، اور معاملات میں میانہ روی بہتر ہے، اور یہی اہل السنہ والجماعت کا مذہب ہے۔

قَوْلُهُ: (وَلا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الإِيمَانِ إِلَّا بِجُحُودِ مَا أَدْخَلَهُ فِيهِ)، لِأَنَّ الْكُفْرَ وَالْإِيمَانَ مُتَضَادَّانِ، فَلَا يَبْطُلُ أَحَدُهُمَا إِلَّا بِإِتْيَانِ الْآخَرِ، وَالْمُؤْمِنُ إِنَّمَا صَارَ مُؤْمِنًا وَدَخَلَ فِي الْإِيمَانِ بِالتَّصْدِيقِ وَالْإِقْرَارِ، فَلَا يَصِيرُ كَافِرًا وَخَارِجًا عَنِ الْإِيمَانِ إِلَّا بِالْجُحُودِ وَالتَّكْذِيبِ. فَإِذَا ارْتَكَبَ كَبِيرَةً مَعَ بَقَاءِ اعْتِقَادِ الْجَزْمِ وَالتَّصْدِيقِ وَالْإِيمَانِ لَا يَخْرُجُ عَنِ الْإِيمَانِ، فَلَا يُحْكَمُ بِكُفْرِ أَحَدٍ حَتَّى يُعْلَمَ مِنْهُ جُحُودُ مَا صَارَ بِهِ مُؤْمِنًا.

”اور بندہ اس وقت تک ایمان سے نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کردے جن کے ماننے سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا“ اس لیے کہ کفر اور ایمان دو متضاد چیزیں ہیں، دوسرے کے آئے بغیر پہلا ختم نہیں ہوگا، اور مؤمن مؤمن ہوا تھا اور اس کے دل میں ایمان داخل ہوگیا تھا تصدیق اور اقرار سے، پس وہ انکار کرنے اور جھٹلائے بغیر کافر اور ایمان سے خارج نہیں ہوگا، لہذا پکا یقین، تصدیق اور ایمان کی موجودگی میں اگر اس نے کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھا تو ایمان سے خارج نہیں ہوگا، پس کسی شخص کے کفر کا فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جاسکے گا جب تک کہ اس کی طرف سے ان چیزوں کا نکار ثابت نہ ہوجائے کہ جن کے ذریعے وہ مؤمن ہوا تھا۔



بيان معنى الإيمان

قوله: (والإيمانُ هوَ الإقرارُ باللِّسانِ والتَّصديقُ بالجَنَانِ)، وَهُوَ القَلْبُ. فالحَاصِلُ: أنَّ المَشَايِخَ قَدِ اختلَفُوا في أنَّ الإيمانَ في الحَقِيقَةِ عِبارةٌ عَنْ ماذا؟

"ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تسلیم کرنے کا نام ہے"، اور (جنان) دل ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ: علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے ایمان کس چیز سے عبارت ہے؟

فَقَالَ الشَّيْخُ أَبُو مَنْصُورٍ الْمَاتُرِيدِيُّ: الْإِيمَانُ فِي الْحَقِيقَةِ التَّصْدِيقُ بِالْقَلْبِ، وَلَكِنْ لَمَّا كَانَ مَا فِي الْقَلْبِ أَمْرًا بَاطِنًا، لَا يُمْكِنُ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ، جَعَلَ الشَّارِعُ الْإِقْرَارَ دَلِيلًا عَلَيْهِ، وَشَرْطًا لِإِجْرَاءِ الْأَحْكَامِ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى لَوْ صَدَّقَ بِقَلْبِهِ، وَلَمْ يُقِرَّ بِلِسَانِهِ، يَكُونُ مُؤْمِنًا عِنْدَ اللهِ؛ لِأَنَّهُ تعالَى عَالِمٌ بِمَا فِي الْقُلُوبِ، فَيَعْلَمُ بِتَصْدِيقِهِ، لَا فِي أَحْكَامِ الدُّنْيَا لِعَدَمِ الْإِقْرَارِ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ فِي حَقِّنَا، وَنَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ، وَهَذَا الْقَوْلُ مَرْوِيٌّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي كِتَابِ «الْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ».

شیخ ابو منصور الماتُریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حقیقت میں ایمان دل سے تصدیق کرنا ہے، لیکن دل میں موجودبات ایک باطنی امر ہے، جس پر مطلع ہونا ممکن نہیں ہے، تو شریعت نے اس پر ایک علامت اور دنیا میں احکام کے اجراء کے لیے شرط مقرر کردی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ دل سے تصدیق کرلے، اور زبان سے اقرار نہ کرے تو اللہ کے نزدیک مؤمن ہوگا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے لہٰذا وہ اس کی تصدیق کو بھی جان لیں گے، ہمارے حق میں دلالت کرنے والے اقرار کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ دنیوی احکام (میں مؤمن) نہیں ہوگا، اور ہم تو ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی دلوں کے راز جاننے والا ہے، اور کتاب "العالم والمتعلم" میں یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔

وَقَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ وَفَخْرُ الْإِسْلَامِ: الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ رُكْنُ الْإِيمَانِ كَالتَّصْدِيقِ، إِلَّا أَنَّهُ رُكْنٌ زَائِدٌ يَحْتَمِلُ السُّقُوطَ بِعُذْرِ الْإِكْرَاهِ، وَالتَّصْدِيقُ رُكْنٌ أَصْلِيٌّ لَا يَحْتَمِلُ السُّقُوطَ بِحَالٍ. فَمَنْ صَدَّقَ بِقَلْبِهِ وَلَمْ يُقِرَّ بِلِسَانِهِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ لَمْ يَكُنْ مُؤْمِنًا، وَإِلَيْهِ يُشِيرُ كَلَامُ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللهُ حَيْثُ قَالَ: هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيقُ بِالْجَنَانِ.

امام شمس الائمہ (السرخسی) رحمۃ اللہ علیہ اور فخر الاسلام (البزدوی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اقرار باللسان تصدیق کی طرح ایمان کا ایک رکن ہے، مگر یہ کہ یہ ایک زائد رکن ہے جو کہ اکراہ کے عذر کی وجہ سے سقوط کا احتمال رکھتا ہے، جبکہ تصدیق رکن اصلی ہے جو کسی بھی حال میں سقوط کا احتمال نہیں رکھتا ہے، جس نے دل سے تصدیق کرلیا مگر کسی عذر کے بغیر زبان سے اقرار نہیں

کیا تو مؤمن نہیں کہلائے گا، اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول: ”هوَ الإقرارُ باللِّسانِ والتَّصديقُ بالجَنانِ“ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَالْأَعْمَالُ لَيْسَتْ بِدَاخِلَةٍ فِي حَقِيقَةِ الْإِيمَانِ، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ حَيْثُ قَالُوا: الْإِيمَانُ هُوَ التَّصْدِيقُ بِالْجَنَانِ وَالْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالْعَمَلِ بِالْأَرْكَانِ، وَهُوَ مَحْكِيٌّ عَنْ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَأَهْلِ الظَّاهِرِ، قَالَ الْإِمَامُ فَخْرُ الدِّينِ الرَّازِيُّ: الْأَعْمَالُ خَارِجَةٌ عَنْ مُسَمَّى الْإِيمَانِ.

اور اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: ایمان دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے، اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل ظاہر سے منقول ہے، جبکہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اعمال اس چیز سے خارج ہیں جس کا نام ایمان ہے

وَالْقَائِلُونَ بِأَنَّ الْأَعْمَالَ دَاخِلَةٌ فِي الْإِيمَانِ اخْتَلَفُوا، فَقَالَ الشَّافِعِيُّ: «الْفِسْقُ لَا يُخْرِجُ الْفَاسِقَ عَنْ الْإِيمَانِ»، وَهَذَا فِي غَايَةِ الْإِشْكَالِ؛ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ الْإِيمَانُ اسْمًا لِمَجْمُوعِ التَّصْدِيقِ وَالْإِقْرَارِ وَالْأَعْمَالِ، فَيَنْتَفِي بِانْتِفَاءِ جُزْئِهِ، فَوَجَبَ أَنْ لَا يَبْقَى مُؤْمِنًا بِدُونِ الْأَعْمَالِ.

پھر اعمال کو ایمان میں داخل کہنے والے حضرات کے درمیان اختلاف ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”فسق فاسق کو ایمان سے نہیں نکالتا ہے“، اور یہ بات انتہائی قابلِ اشکال ہے، اس لیے کہ جب ایمان تصدیق، اقرار اور اعمال کے مجموعے کا نام ہے، تو اپنے کسی ایک جزء کے منتفی ہونے سے ہی منتفی ہو جائے گا، لہذا ضروری ہے کہ اعمال کے بغیر وہ مؤمن نہ رہے۔

لنا: أنَّ الأعمال عُطفت على الإيمانِ في مواطن كثيرة في القرآن، قال الله تعالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾، وقال تعالَى: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾، وقال تعالَى: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ﴾، والمعطوف غير المعطوف عليه. ولأنَّ الإيمان شرط لصحَّة الأعمال، قال الله تعالَى: ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾، والشَّرطُ غيرُ المشروط، ولأنَّ جبريل لمَّا سأل النَّبيَّ عليه السَّلام عن الإيمان، لم يُجب عنه إلَّا بالتَّصديق بأشياء مذكورة في ذلك الحديث حيث قال: «الإيمانُ أن تؤمن بالله وملائكته وكُتُبِهِ ورُسُلِهِ واليوم الآخر، وتؤمنَ بالقدر خيرِهِ وشرِّهِ» ثمَّ قال: «هذا جبريل أتاكم ليعلِّمكم معالم دينكم، فلو كان الإيمانُ عبارة عن الأعمال مع التَّصديق والإقرار لَبيَّنه النَّبيُّ عليه السلام.

ہماری دلیل یہ ہے کہ: قرآن میں کئی مقامات پر اعمال کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں“، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”جو بن دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں

اور نماز قائم کرتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں" اور معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔

اور اس لیے کہ ایمان اعمال کی صحت کے لیے شرط ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور جس نے نیک عمل کیے ہوں گے جبکہ وہ مؤمن بھی ہو"، اور شرط بھی مشروط کا غیر ہوتی ہے۔

اور اس لیے کہ جب جبریل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس حدیث میں مذکور چیزوں کی تصدیق کے سوا کوئی جواب نہیں دیا، چنانچہ فرمایا کہ: "ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں، اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائیں"۔

قَوْلُهُ: (وَأَنَّ جَمِيعَ مَا أَنْزَلَ اللهُ تعالَى فِي الْقُرْآنِ وَجَمِيعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلَّهُ حَقٌّ)؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ أَنَّ الْقُرْآنَ مُنَزَّلٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَأَنَّ الرَّسُولَ صَادِقٌ، ثَبَتَ أَنَّ جَمِيعَ مَا فِي الْقُرْآنِ وَمَا صَحَّ مِنَ الْأَحَادِيثِ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي بَيَانِ الشَّرْعِ حَقٌّ كُلُّهُ، لِأَنَّهُ مَعْصُومٌ عَنِ الْكَذِبِ وَالْبَاطِلِ.

"اور وہ تمام چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمائی ہے، اور شریعت کی وہ تمام باتیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے سب برحق ہیں"؛ اس لیے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے، اور یہ کہ رسول ﷺ سچے ہیں، تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن میں موجود تمام چیزیں اور شریعت کی وضاحت کے متعلق نبی ﷺ سے منقول تمام صحیح احادیث برحق ہیں، اس لیے کہ وہ جھوٹ اور باطل سے معصوم ہے۔

وَإِنَّمَا ذُكِرَ هَذَا؛ لِأَنَّ الْإِيمَانَ التَّفْصِيلِيَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِمَّا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُمْكِنُ، فَيَجِبُ الْإِيمَانُ الْإِجْمَالِيُّ لِيَكُونَ إِيمَانًا بِكُلِّ مَا يَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِ؛ إِذْ لَوْ أَوْجَبْنَا عَلَيْهِ التَّفْصِيلَ لَعَجَزَ عَنْهُ، وَقَدْ يَتْرُكُ شَيْئًا يَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِ؛ إِذْ لَا يُمْكِنُ أَنْ يُحِيطَ الْمُكَلَّفُ بِتَفْصِيلِ جَمِيعِ مَا فِي الشَّرْعِ مِنَ الْأَحْكَامِ.

اس بات کو اس لیے ذکر کر دیا کہ نبی علیہ السلام کی لائی ہوئی تمام چیزوں میں سے ہر ایک پر تفصیلی ایمان ممکن نہیں ہے، لہذا اجمالی ایمان ہی ضروری ہے تاکہ یہ ان تمام چیزوں پر ایمان ہو جن پر ایمان لانا واجب ہے، اس لیے کہ اگر ہم اس پر تفصیل کو واجب کر دیں تو وہ اس سے عاجز آئے گا، اور وہ کسی ایسی چیز کو چھوڑ سکتا ہے، اس لیے کہ مکلف کے لیے شریعت کے تمام احکام کی تفصیل کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔



الإيمان في أصله لا يزيد ولا ينقص

قوله: (والإيمانُ واحدٌ، وأهلُهُ في أصلِهِ سواءٌ، والتَّفاضُلُ بينهم بالخَشيةِ والتُّقى ومُخالفةِ الهوىٰ ومُلازمةِ الأولىٰ).

ایمان واحد (بسیط) ہے، اور اہلِ ایمان اصلِ ایمان میں برابر ہیں، ہاں اہلِ ایمان کی ایک دوسرے پر فضیلت خشیت، تقویٰ، نفسانی خواہشات کی مخالفت اور افضل اعمال کے التزام سے ہوتی ہے۔

إِنَّمَا قَالَ: «الْإِيمَانُ وَاحِدٌ»؛ لِأَنَّ الْإِيمَانَ عِبَارَةٌ عَنِ التَّصْدِيقِ بِجَمِيعِ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَا تَفَاوُتَ فِي ذَلِكَ بَيْنَ الْمُكَلَّفِينَ.

مصنف نے "الإيمان واحدٌ" اس لیے کہ ایمان، رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کرنے سے عبارت ہے، اور اس کے حوالے سے مکلفین کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

وَإِنَّمَا قَالَ: «أَهْلُهُ فِي أَصْلِ الْإِيمَانِ سَوَاءٌ»، يَعْنِي: أَنَّ إِيمَانَ أَهْلِ السَّمَاءِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَأَهْلِ الْأَرْضِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ فِي الْأَصْلِ وَاحِدٌ، وَهُوَ التَّصْدِيقُ بِوَحْدَانِيَّةِ اللهِ وَإِثْبَاتُ صِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْأَفْعَالِيَّةِ، وَبِكُلِّ مَا يَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِ جُمْلَةً، وَجَمِيعُ الْمُكَلَّفِينَ فِي هَذَا عَلَى السَّوَاءِ.

اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "أهله في أصل الإيمان سواء" فرمایا، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آسمانی اہلِ ایمان یعنی ملائکہ اور زمینی اہلِ ایمان یعنی انس اور جن اصلِ ایمان میں ایک جیسے ہیں، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تصدیق، اور اس کی صفاتِ ذاتیہ اور افعالیہ اور فی الجملہ ان تمام چیزوں کا اثبات جن پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس چیز میں تمام مکلفین برابر ہیں۔

وَإِلَى هَذَا أَشَارَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فِي كِتَابِ «الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ» حَيْثُ قَالَ: إِنَّ إِيمَانَنَا مِثْلُ إِيمَانِ الْمَلَائِكَةِ؛ لِأَنَّا آمَنَّا بِوَحْدَانِيَّةِ اللهِ تَعَالَى وَرُبُوبِيَّتِهِ وَمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِهِ، بِمِثْلِ مَا أَقَرَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ وَصَدَّقَتْ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ، فَمِنْ هَاهُنَا إِيمَانُنَا مِثْلَ إِيمَانِهِمْ، وَلَهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَيْنَا فَضَائِلُ فِي الثَّوَابِ عَلَى الْإِيمَانِ وَجَمِيعِ الْعِبَادَاتِ، وَهُوَ زَائِدٌ عَلَى أُصُولِ الْإِيمَانِ؛ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى كَمَا فَضَّلَهُمْ بِالنُّبُوَّةِ عَلَى النَّاسِ، كَذَلِكَ فَضَّلَ عِبَادَتِهِمْ وَثَوَابِهِمْ، وَهُمْ أُمَنَاءُ الرَّحْمَنِ، لَا يُدَانِيهِمْ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ فِي عِبَادَتِهِمْ وَخَوْفِهِمْ.

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "العالم والمتعلّم" میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ہمارا ایمان ملائکہ کے ایمان جیسا ہے، اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی ربوبیت اور اس کی جانب سے آئی ہوئی باتوں پر اسی

طرح ایمان لایا ہے جس طرح ملائکہ نے اقرار کیا تھا اور انبیاء اور رسولوں نے تصدیق کی ہے، اسی بنیاد پر ہمارا اور ان کا ایمان ایک جیسا ہے، اس کے بعد ان کو ہمارے اوپر ایمان پر ثواب اور تمام عبادات کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے، اور یہ نفسِ ایمان سے زائد چیز ہے؛ اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے ذریعے فضیلت دی ہے، اسی طرح ان کی عبادت اور ثواب کو بھی فضیلت دی ہے، اور وہ رحمن کے امین ہیں، لوگوں میں سے کوئی شخص عبادت اور خوف میں ان کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ أَصْلَ الإِيمَانِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ؛ لِأَنَّ أَصْلَهُ هُوَ التَّصْدِيقُ بِجَمِيعِ مَا يَجِبُ الْإِيمَانُ بِهِ، وَذَلِكَ لَا يَحْتَمِلُ الزِّيَادَةَ وَلَا النُّقْصَانَ.

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفسِ ایمان میں کوئی اور زیادتی نہیں ہوتی، اس لیے کہ نفسِ ایمان تو ان تمام چیزوں کی تصدیق کا نام ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے، اور یہ کمی اور زیادتی کا نقصان نہیں رکھتے ہیں۔

وَالزِّيَادَةُ الْوَارِدَةُ فِي الْإِيمَانِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾، قَوْلُهُ: ﴿لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا﴾، وَغَيْرُهَا مَحْمُولَةٌ عَلَى الزِّيَادَةِ فِي ثَمَرَاتِ الْإِيمَانِ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَإِشْرَاقِ نُورِهِ وَصَفَائِهِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ﴾، لَا عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الزِّيَادَةُ فِي أَصْلِ الْإِيمَانِ، عَمَلاً بِالدَّلِيلَيْنِ. وَإِلَيْهِ أَشَارَ بِقَوْلِهِ: إِنَّمَا التَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ وَالتَّفَاوُتُ فِي مَرَاتِبِهِمْ فِي أَوْصَافِ الْإِيمَانِ، مِنْ الِاسْتِنَارَةِ وَالضِّيَاءِ وَزِيَادَةِ الْيَقِينِ، وَالتَّمَسُّكِ بِالتَّقْوَى، وَمُخَالَفَةِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ بِالسُّوءِ، وَمُلَازَمَةُ مَا هُوَ الْأَوْلَى فِي الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ.

اللہ تعالیٰ کے قول: "ان کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں" اور اللہ تعالیٰ کے قول: "تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو" میں وارد شدہ ایمان کی زیادتی اعمالِ صالحہ کے ذریعے ثمراتِ ایمان اور اس کے نور کی روشنی اور صفائی میں زیادتی پر محمول ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے"، دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے اس سے نفسِ ایمان میں زیادتی مراد نہیں ہے، اور اپنے قول: "إنّما التَّفاضلُ بينهم والتَّفاوتُ في مراتبهم في أوصاف الإيمان، من الاستنارة والضِّياء وزيادة اليقين، والتَّمسُّك بالتَّقوى، ومخالفة النَّفس الأمَّارة بالسُّوء، وملازمة ما هو الأولى في القول والفعل" (یعنی اہلِ حق کی ایک دوسرے سے فضیلت ایمانی اوصاف کے مراتب، جیسے نورِ ایمانی، ایمان کی روشنی اور زیادتِ یقین، تقویٰ کو سختی سے پکڑنے، اور برائی کا حکم دینے والے نفس کی مخالفت اور اپنے قول اور عمل میں اولیٰ کو اختیار کرنے کے اعتبار سے ہے)۔

قَوْلُهُ: (وَالْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمَنِ، وَأَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَطْوَعُهُمْ وَأَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْآنِ)، وَالدَّلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُه تَعَالَى: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وَالْوَلِيُّ فَعِيلٌ بِمَعْنَى فَاعِلٍ، أَيْ: اللهُ مُتَوَلِّي أُمُورِهِمْ

وَنَاصِرِهُمْ، وَيَقْرُبُ مِنْهُمْ بِالْعَوْنِ وَالنُّصْرَةِ وَالتَّوْفِيقِ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْهِدَايَةِ إِلَى الْمَعْرِفَةِ. وَالدَّلِيلُ عَلَى أَنَّ أَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللهِ أَطْوَعُهُمْ قَوْله تَعَالَى: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوَى»، وَاتِّبَاعُ الْقُرْآنِ دَلِيلٌ عَلَى الطَّاعَةِ وَالتَّقْوَى.

"اور تمام مؤمنین اللہ کے دوست ہیں، اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے معزز وہ ہے جو قرآن کا سب سے زیادہ مطیع وفرمانبردار ہو" اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے"۔

اور ولی فعیل کے وزن پر فاعل (کے معنی میں) ہے، یعنی اللہ ہی ان کے معاملات کے نگہبان اور ان کا مددگار ہے، اور مدد، نصرت، عبادات کی توفیق اور معرفت کی طرف رہنمائی کے اعتبار سے ان کے قریب ہے۔

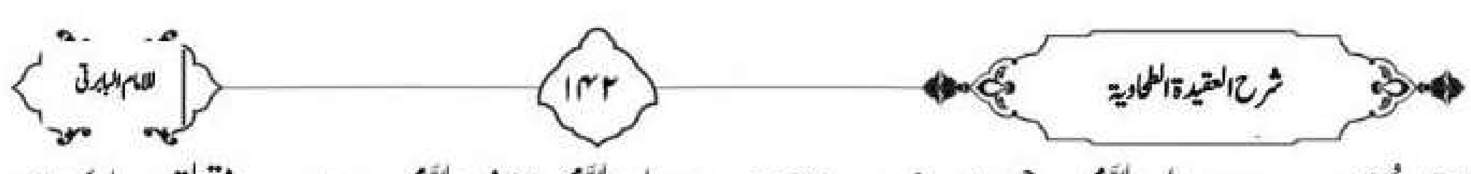
اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ فرمانبردار ہی شخص سب سے زیادہ معزز ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو"، حضور ﷺ کا قول: "تقوی کے علاوہ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی کسی گورے کو کسی کالے پر (فضیلت حاصل ہے)"، اور قرآن کا اتباع ہی طاعت اور تقوی پر دلیل ہے۔

قوله: (وأَصلُ الإيمانِ: هو الإيمانُ بالله تعالَى وملائكتِهِ وكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ واليوم الآخرةِ والبعثِ بعدَ الموتِ والقَدَرِ خَيْرِهِ وشَرِّهِ وحُلوِهِ ومُرِّهِ مِنَ الله تعالَى، ونحنُ مؤمنونَ بذلك كلِّهِ، لا نُفرِّقُ بين أحدٍ من رُسُلِهِ، نُصدِّقُهم كلَّهم فيما جاؤوا به).

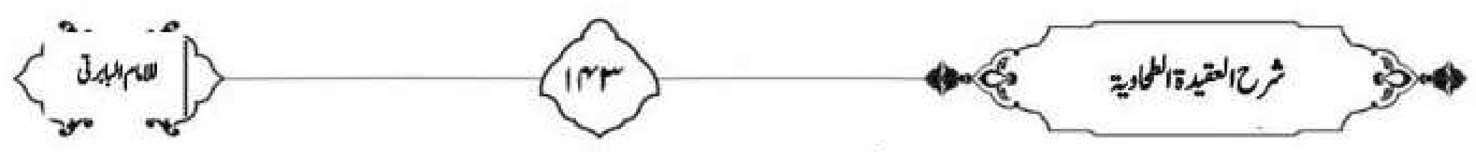
"اور ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی نازل کردہ کتابوں کو، اس کے رسولوں کو، قیامت کے دن کو اور اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی تقدیر کے من جانب اللہ ہونے کو تسلیم کرنے کا، اور ہم ان تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے جو بھی خدا کی تعلیمات پیش کیں ہم ان سب کی تصدیق کرتے ہیں"۔

لَمَّا ذكر أولاً بأنَّ أهل الإيمان في أصله سواءٌ، شرع في بيان أصل الإيمان فقال: «وأصل الإيمان هو الإيمان بالله.. إلى آخره»، ففصَّل بعد ذكره بالإجمال. والأصل فيه آية ﴿آمَنَ الرَّسُولُ﴾، وحديثُ جبريل حين سأل النَّبيَّ عليه الصَّلاة والسَّلام عن الإيمان، وقد مرَّ ذكره.

جب اس سے پہلے یہ بیان کر دیا کہ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں، تو اصل ایمان کو بیان کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ: "وأصل الإيمان هو الإيمان بالله.. إلى آخره"، اجمالی تذکرے کے بعد تفصیل کر دیا، اس میں اصل آیت: ﴿آمَنَ



الرَّسُولُ﴾اور حدیث جبریل علیہ السلام ہے جس میں انہوں نے (حضرت جبریل علیہ السلام نے) نبی علیہ السلام سے ایمان سے متعلق سوال کیا تھا، جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔



حكم أهل الكبائر في الآخرة

قوله: (وأهلُ الكَبائِرِ في النَّارِ لا يُخلَّدُونَ إذَا مَاتُوا وَهُمْ مُوَحِّدونَ، وَإنْ لَمْ يَكُونُوا تَايِبيْنَ بَعْدَ أنْ لَقُوا اللهَ سُبْحَانَهُ عَارِفينَ).

"امتِ محمدیہ ﷺ کے وہ لوگ جنہوں نے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو عارف ہونے (ایمان) کی حالت میں اللہ سے ملنے کے بعد وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، اگرچہ وہ توبہ کیے بغیر مرے ہوں۔

الْمُسْلِم إِذَا ارْتَكَبَ كَبِيرَةً وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ وَهُوَ مُوَحِّدٌ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ، فَهُوَ وَإِنْ دَخَلَ النَّارَ لَا يَخْلُدُ فِيهَا، بَلْ مَآلُ أَمْرِهِ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ.

مسلمان جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرے وہ جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے تو وہ اگرچہ جہنم میں داخل ہو جائے گا لیکن اس کا انجام یہ ہو گا کہ وہ جہنم سے نکل جائے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔

وَفِيهِ رَدٌّ لِقَوْلِ الْمُعْتَزِلَةِ الْقَائِلِينَ بِأَنَّهُ يَخْلُدُ فِي النَّارِ أَبَداً وَلَا يَخْرُجُ مِنْهَا. وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ لَا يَخْرُجُ عَنِ الْإِيمَانِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَهُمْ يَخْرُجُ، فَإِذَا لَمْ يَتُبْ يَكُونُ عِنْدَهُمْ كَافِراً فَيَخْلُدُ فِي النَّارِ. وَقَدْ مَرَّ التَّحْقِيقُ فِيهِ.

اس میں معتزلہ کی اس بات کی تردید ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے اور اس سے نہیں نکلیں گے، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نہیں نکلے گا اور ان کے نزدیک نکل جائے گا، اگر توبہ نہ کرے تو ان کے نزدیک کافر ہو گا لہذا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، اس مسئلے کی تحقیق گزر چکی ہے۔

وَعِنْدَنَا: لَمَّا كَانَ مُؤْمِنًا لَا يَخْلُدُ فِي النَّارِ، وَيَكُونُ عَاقِبَةُ أَمْرِهِ الْجَنَّةَ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ وَهَذَا الشَّخْصُ مُؤْمِنٌ، وَقَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ مِنَ الصِّيَامِ وَالصَّلَوَاتِ، لَكِنَّهُ ارْتَكَبَ الْكَبِيرَةَ لِغَلَبَةِ الشَّهَوَاتِ مَعَ الِاعْتِقَادِ بِالْحُرْمَةِ وَخَوْفِ الْعُقُوبَةِ، فَيَكُونُ عَاقِبَتُهُ الْجَنَّةَ، وَلِأَنَّهُ تَعَالَى قَالَ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ فَرَّقَ بَيْنَ الشِّرْكِ وَمَا دُونَهُ، وَأَخْبَرَ أَنَّ الشِّرْكَ غَيْرُ مَغْفُورٍ، وَأَطْمَعَ فِي مَغْفِرَةِ مَا دُونَهُ، حَيْثُ عَلَّقَ بِالْمَشِيئَةِ، وَإِنَّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَشِيئَةِ جَائِزُ الْوُجُودِ لَا مُمْتَنِعُ الْوُجُودِ، فَجَازَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ الْكَبِيرَةَ فَلَا يُدْخِلُهُ النَّارَ، أَوْ يُدْخِلَهُ ثُمَّ يُخْرِجَهُ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ.

ہمارے نزدیک جب وہ مومن ہی ہے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا، اور اس کا ٹھکانا جنت ہو گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کی مہمانی کے لیے بے شک فردوس کے باغ ہوں گے"، اور یہ شخص مؤمن ہے اور روزے اور نماز جیسے نیک اعمال بھی کیے ہیں، لیکن حرمت کے اعتقاد اور سزا کے خوف کے ساتھ شہوت کے غلبہ کی وجہ سے کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھا ہے، تو اس کا ٹھکانا جنت ہو گا۔

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے"، (اس آیت میں) شرک اور اس سے کمتر کے درمیان فرق کو بیان کیا ہے، اور یہ خبر دی ہے کہ شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا، اور اس سے کمتر کے بارے میں مغفرت کی امید دلائی ہے، کہ اس کو (مشیئت) "چاہنا" کے ساتھ معلق کر دیا ہے، اور بے شک جو چیز مشیئت کے ساتھ معلق ہو جائے اس کا وجود ممکن ہو گا، ممتنع نہیں ہو گا، تو یہ ممکن ہے کہ اللہ پاک کبیرہ گناہ کو معاف فرمائے اور اس کو جہنم میں داخل نہ کرے، یا داخل کر لے پھر اپنی رحمت سے اس کو وہاں سے نکال دے۔

وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ﴾ أَيْ: حَالَ ظُلْمِهِمْ، وَذَلِكَ يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ الْمَغْفِرَةِ قَبْلَ التَّوْبَةِ، وَلِأَنَّ تَوْحِيدَ سَاعَةٍ يَهْدِمُ كُفْرَ مِائَةِ سَنَةٍ، فَكَيْفَ لَا يَهْدِمُ مَعْصِيَةَ سَاعَةٍ، وَلَكِنْ ثَبَتَ تَعْذِيبُ أَهْلِ الْكَبَائِرِ بِالنُّصُوصِ، فَلَا أَقَلَّ مِنْ رَجَاءِ الْعَفْوِ، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے لیے اُن کی زیادتی کے باوجود تمہارے رب کی ذات ایک معاف کرنے والی ہے"، یعنی زیادتی کرنے کی حالت میں (ہی معاف کرنی والی ہے) اور یہ توبہ سے پہلے مغفرت کے امکان پر دلالت کرتا ہے، اور اس لیے کہ ایک ساعت کی توحید سو سال کے کفر کو مٹا دیتی ہے، تو ایک ہی ساعت کے گناہ کو کیسے نہیں مٹا سکتی ہے؟ لیکن چونکہ اہل کبائر کی تعذیب (سزا ملنا) نصوص سے ثابت ہے لہٰذا معافی کی امید سے کم کوئی درجہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔

وَلِأَنَّهُ تَعَالَى قَالَ: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾، فَمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ الصَّالِحَاتِ لَكِنَّهُ ارْتَكَبَ الْمَعَاصِيَ، لَوْ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ النَّارِ لَمَا رَأَى ثَوَابَ الْإِيمَانِ وَالْأَعْمَالِ، وَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْعَمِّ.

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہو گی، وہ اُسے دیکھے گا، اور اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہو گی، وہ اُسے دیکھے گا" جس نے ایمان لایا اور نیک اعمال کیا لیکن گناہوں کا ارتکاب بھی کر لیا تو اگر وہ جہنم

سے نہ نکلے تو وہ ایمان اور اعمال کا ثواب نہیں پائے گا، اسی لیے کہ دو عمومات کو جمع کرنا ضروری ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ: صاحبِ کبیرہ آدمی اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے گا پھر اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گا، جبکہ یہ باطل ہے، یا پھر پہلے اپنے کبیرہ گناہ کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گا پھر جنت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ حق ہے۔

قَوْلُهُ: (وَهُمْ) أَيْ: أَهْلُ الْكَبَائِرِ (فِي مَشِيئَتِهِ وَحُكْمِهِ: إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا عَنْهُمْ بِفَضْلِهِ)، كَمَا ذَكَرَهُ فِي كِتَابِهِ ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ يَعْنِي: لَا يَقْطَعُ بِعُقُوبَةِ أَهْلِ الْكَبَائِرِ وَلَا بِثَوَابِهِمْ، بَلْ حُكْمُهُمْ أَنَّهُمْ إِذَا مَاتُوا قَبْلَ التَّوْبَةِ فِي مَشِيئَةِ اللهِ: إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُمْ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ أَوْ شَفَاعَةِ نَبِيٍّ أَوْ وَلِيٍّ مِنْ عِبَادِهِ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ بِقَدْرِ جِنَايَتِهِمْ ثُمَّ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ.

"وہ" یعنی اہل کبائر "اللہ کی مشیت اور حکم پر ہیں، اگر چاہے تو ان کی مغفرت کرے اور اپنی فضل سے ان کو معاف کردے" جیسے اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ: "اور اس (شرک) سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے" یعنی نہ اہل کبائر کی عقوبت کے بارے میں یقین ہے اور نہ ہی ان کے ثواب کے بارے میں، بلکہ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ لوگ توبہ سے پہلے مر جائیں تو اللہ کی حکم پر ہوں گے، اگر چاہے تو اپنے اور فضل اور رحمت یا نبی یا اپنے بندوں میں سے کسی ولی کی شفاعت سے معاف کر دے اور اگر چاہے تو گناہ کے بقدر عذاب دیدے پھر ان کو جنت میں داخل کر دے۔

وَفِيهِ: رَدٌّ لِقَوْلِ الْخَوَارِجِ وَالْمُعْتَزِلَةِ الْقَائِلِينَ بِأَنَّ تَعْذِيبَهُمْ قَطْعِيٌّ، لَا يَجُوزُ الْعَفْوُ عَنْهُمْ إِنْ مَاتُوا بِلَا تَوْبَةٍ. وَرَدٌّ لِقَوْلِ الْمُرْجِئَةِ الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَصْلًا وَإِنْ أَتَى بِجَمِيعِ الْمَعَاصِي وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ. وَإِلَى رَدِّ الْقَوْلِ الْأَوَّلِ أَشَارَ بِقَوْلِهِ: «إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ»، وَإِلَى رَدِّ الْقَوْلِ الثَّانِي أَشَارَ بِقَوْلِهِ:

اس میں خوارج اور معتزلہ کے قول کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان کا عذاب یقینی ہے، اگر توبہ کے بغیر مر جائیں تو ان کی معافی ناممکن ہے، اور اسی طرح مرجئہ کے قول کی تردید ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مومن کبھی جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا ہے، اگرچہ تمام گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھے اور توبہ سے پہلے مر جائے، پہلی بات کی تردید کی طرف اپنے قول: "إن شاء غفر لهم" سے اشارہ کر دیا، اور دوسرے قول کی طرف تردید کی طرف اشارہ اپنے اس قول سے کر دیا کہ:

(وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِعَدْلِهِ، ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهِ، وَيَبْعَثُهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ، ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى مَوْلَى أَهْلِ مَعْرِفَتِهِ، وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ) أَيْ: دَارِ الدُّنْيَا وَدَارِ الْآخِرَةِ **(كَأَهْلِ نَكِرَتِهِ)** أَيْ: أَهْلِ إِنَاكِرِ الْمَعْرِفَةِ وَالْإِيمَانِ **(الَّذِينَ خَابُوا مِنْ هِدَايَتِهِ، وَلَمْ يَنَالُوا مِنْ كَرَامَتِهِ)**. وَقَدْ دَلَّتِ النُّصُوصُ عَلَى انْتِفَاءِ التَّسْوِيَةِ بَيْنَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ - وَهُمُ الْمُسْلِمُونَ - وَبَيْنَ أَهْلِ

الْإِنْكَارِ - وَهُمُ الْكَافِرُونَ - فِي الْآخِرَةِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ﴾، وَلِأَنَّ الْحِكْمَةَ تَقْتَضِي تَفْضِيلَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ عَلَى أَهْلِ النَّكِرَةِ، فَلَوْ خَلَدَا جَمِيعًا فِي النَّارِ بَطَلَتِ التَّفْرِقَةُ وَثَبَتَتِ التَّسْوِيَةُ، وَيَلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ أَنْ لَا يَنْفَعَ الْإِيمَانُ وَالْمَعْرِفَةُ.

"اور اگر چاہے تو اپنے عدل کے مطابق سزا دے، پھر اپنی رحمت اور نیک بندوں میں سے کسی سفارش کرنے والے کی سفارش کی وجہ سے ان کو وہاں سے نکال کر جنت کی طرف بھیج دے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے، اور وہ ان کو دونوں جہانوں "یعنی دنیا اور آخرت میں "اپنے منکرین کے جیسا معاملہ نہیں کرے گا" یعنی جو معرفت اور ایمان کے منکر ہیں، جو اس کی ہدایت سے محروم ہیں اور اس کی کرامت کو نہ پاسکے۔

اور بہت سارے نصوص آخرت میں اہل معرفت جو کہ اہل اسلام ہیں اور اہلِ انکار جو کہ کفار ہیں کے درمیان برابری کی نفی پر دلالت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جن لوگوں نے بُرے کاموں کا ارتکاب کیا ہے کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اُنہیں ہم اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، کیا ہم اُن کو ایسے لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں؟"۔

اور اس لیے کہ حکمت بھی اہل معرفت کی اہل انکار پر فضیلت کا تقاضا کرتی ہے، اگر دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں فرق ختم ہو جائے گا اور برابری ثابت ہو جائے گی، اور اس سے یہ ایمان اور معرفت کا غیر مفید ہونا ثابت ہو جائے گا۔

وَالدَّلِيلُ عَلَى تَعْذِيبِ أَهْلِ الْكَبَائِرِ ثُمَّ إِخْرَاجِهِمْ مِنَ النَّارِ إِلَى الْجَنَّةِ بِشَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ، قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: «أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ، وَلَكِنْ نَاسٌ أَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ فَأَمَاتَتْهُمْ إِمَاتَةً، حَتَّى إِذَا صَارُوا فَحْمًا أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ فَجِيءَ بِهِمْ، ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ، فَبُثُّوا عَلَى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ قِيلَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ مِنَ الْمَاءِ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ» أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ، وَقَوْلُهُ ﷺ: يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُسَمَّوْنَ: الْجَهَنَّمِيِّينَ» أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

اہلِ کبائر کو عذاب دینے پھر سفارش کرنے والوں کی سفارش کے ذریعے جہنم سے جنت کی طرف نکالنے پر دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے کہ: "جہاں تک اہل نار کا تعلق ہے تو یہ اس کے ہی اہل ہیں، وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ ہی زندہ رہیں گے، لیکن کچھ لوگوں کو ان کی گناہوں کی وجہ سے جہنم کا عذاب ہوگا جو ان کو مار دے گا، یہاں تک کہ جب وہ کوئلہ بن جائیں تو ان کے لیے

شفاعت کی اجازت دی جائے گی جو ان کو آہستہ آہستہ پہنچ جائے گی، پھر ان کو جنت کے نہروں پر پھیلا دیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ: اے جنتیو! ان پر پانی ڈال دو، تو وہ سیلاب کے کوڑا کرکٹ پر اُگنے والے پودے کی طرح اُگ جائیں گے" اس حدیث کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں۔

اور آپ کا یہ قول کہ: "حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے کچھ لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے جہاں ان کا نام "جہنمی" ہوگا" اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے کی ہیں۔

قَوْلُهُ: (**اللَّهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ مَسِّكْنَا بِالْإِسْلَامِ حَتَّى نَلْقَاكَ بِهِ**)، إِنَّمَا طَلَبَ الثَّبَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ إِلَى الْمَوْتِ؛ لِأَنَّ السَّعَادَةَ الْأَبَدِيَّةَ - وَهِيَ الْخُلُودُ فِي الْجِنَانِ فِي جِوَارِ الرَّحْمَنِ مِنْ أَنْوَاعِ الرَّوحِ وَالرَّيْحَانِ - إِنَّمَا تَحْصُلُ بِالثَّبَاتِ عَلَى الْإِسْلَامِ إِلَى أَنْ يَلْقَى اللهَ بَعْدَ الْمَوْتِ؛ لِأَنَّ الِاعْتِبَارَ بِالْخَوَاتِيمِ، وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَعَ عِصْمَتِهِمْ طَلَبُوا الثَّبَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْمَوْتَ عَلَيْهِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى إِخْبَارًا عَنْ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾، فَغَيْرُهُمْ أَوْلَى وَالِاقْتِدَاءُ بِهِمْ حَسَنٌ، وَلِأَنَّ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ إِلَى أَنْ يَمُوتَ عَلَى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ، فَوَجَبَ الِاهْتِمَامُ بِطَلَبِ الثَّبَاتِ عَلَيْهَا إِلَى الْمَوْتِ.

"اے اللہ! اے اسلام اور مسلمانوں کے ولی! ہمیں اسلام پر ثابت قدم فرما یہاں تک کہ ہم اسلام کی حالت میں تجھ سے ملاقات کریں" موت تک اسلام پر ثابت رہنے کی طلب کی، اس لیے کہ ابدی سعادت (جو کہ رحمن کے جوار میں مختلف قسم کی راحتوں اور مہربانوں میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے) اسلام پر ثابت قدم رہنے سے حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ موت کے بعد اللہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے، اس لیے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام اپنی عصمت کے باوجود اسلام پر ثابت قدمی اور اسی پر موت کا سوال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "مجھے اس حالت میں دُنیا سے اُٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا" لہٰذا تو دوسرے کے لیے آپ علیہ السلام کی کی اقتداء کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، اور اس لیے کہ مؤمن خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے یہاں تک کہ ملتِ اسلام پر اس کی موت واقع ہو جائے، پس موت تک ثابت قدم رہنے کی طلب کا اہتمام واجب ہو گا۔

قَوْلُهُ: (**وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَعَلَى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ**)، أَمَّا جَوَازُ الصَّلَاةِ خَلْفَهُمْ فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ»، وَلِأَنَّ تَرْكَ رُؤْيَةِ الصَّلَاةِ خَلْفَ الْفَاجِرِ يُوهِمُ التَّكْفِيرَ بِالْكَبَائِرِ، وَقَدْ قَامَ الدَّلِيلُ عَلَى بُطْلَانِهِ. وَلِأَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يُصَلُّونَ خَلْفَ الظَّلَمَةِ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ، وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِصِحَّةِ الْإِمَامَةِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الرَّافِضَةِ.

"اور اہل قبلہ میں سے ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں چاہے وہ نیک ہو یا فاسق ہے اور اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں"۔

جہاں تک ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے ہے کہ: "ہر نیک اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھو" اور اس لیے کہ فاسق کے پیچھے نماز کو ترک کر دینے والی رائے کبائر کے ذریعے تکفیر کا وہم دیتی ہے، جبکہ اس کے بطلان پر دلیل قائم ہو چکی ہے، اور اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بنو امیہ کے ظالموں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے، اور اس لیے کہ امام کے لیے عصمت شرط نہیں ہے جیسا کہ روافض کا مذہب ہے۔

وَأَمَّا الصَّلَاةُ عَلَى مَنْ مَاتَ مِنهُمْ فَثَابِتٌ بِفِعْلِ النَّبِيِّ، حَيْثُ صَلَّى عَلَى مَاعِزٍ مَعَ أَنَّهُ رَجَمَهُ بَعْدَمَا زَنَى، وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ لِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ مُسْلِمٌ لَمْ يَخْرُجْ عَنِ الْإِسْلَامِ بِفُجُورِهِ.

جہاں تک ان کے مردے پر جنازہ پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا لیا باوجودیکہ زنا کے بعد ان کو رجم کیا تھا، اور اس لیے کہ جنازہ حق اسلام کی وجہ سے ہے، اور وہ مسلمان ہے اپنے گناہ کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلا ہے۔

وَقَوْلُهُ: (وَلا نُنْزِلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلا نَارًا)، أَيْ: لَا نَقُولُ لِأَحَدٍ: إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ، أَوْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ السَّيِّئَاتِ؛ لِأَنَّ الْخَاتِمَةَ غَيْبٌ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللهُ تَعَالَى، فَجَازَ أَنْ يَمُوتَ الطَّالِحُ صَالِحًا وَيُخْتَمَ لَهُ بِالْخَيْرِ، وَالصَّالِحُ طَالِحًا وَيُخْتَمَ لَهُ بِالشَّرِّ، وَقَدْ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَا تُنْزِلُوا الْعَارِفِينَ الْمُخْبِتِينَ الْجَنَّةَ، وَلَا الْمُسِيئِينَ النَّارَ حَتَّى يَكُونَ اللهُ تَعَالَى هُوَ الَّذِي يُنْزِلُهُمْ.

"اور ہم اہل اسلام میں سے کسی کو نہ جنتی قرار دیتے ہیں اور نہ ہی جہنمی" یعنی ہم کسی کے بارے میں یہ نہیں کہیں گے کہ: یہ اہل جنت میں سے ہے، اگرچہ اس نے اچھے اعمال کیے ہوں، یا یہ جہنمی ہے، اگرچہ اس نے برے اعمال کیے ہوں۔

یہ ممکن ہے کہ کسی بد کی موت نیک ہونے کی حالت میں واقع ہو اور اس کا خاتمہ خیر پر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیک آدمی کی موت بد ہونے کی حالت میں واقع ہو جائے اور اس کا خاتمہ شر پر ہو جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مخلص عارفین کو جنت میں نہ اتارو اور نہ ہی گناہگاروں کو جہنم میں اتاروں یہاں تک کہ اللہ تعالی ہی ان کو اتار دے۔

قوله: (وَلا نَشْهَدُ عليهِمْ بِكفرٍ، ولا بِشركٍ، ولا بِنفاقٍ، مَا لمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شيءٌ مِنْ ذٰلِكَ)؛ إِذْ نحنُ نَحكُمُ بِالظَّاهِرِ واللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ، فلا يجوزُ لنا الشَّهادة إلَّا بما نعلَم، قالَ النَّبِيُّ: «إذا عَلِمْتَ مثل الشَّمْسِ فاشهد»، ولأنَّ الشَّهادةَ بدونِ ظهورِ شيءٍ مِنْ ذٰلكَ يكونُ بِالظَّنِّ، وقدْ قالَ اللهُ تعالَى: ﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾.

"ایسے کسی شخص کے کفر، شرک یا نفاق کی گواہی بھی نہیں دیتے جب کہ اس سے اس قسم کی کوئی بات ظاہر نہ ہو" اس لیے کے ہم ظاہر کے مطابق حکم لگائیں گے، باطن کا نگران تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، ہمارے لیے صرف اسی چیز کی گواہی دینا جائز ہے جسے ہم جانتے ہیں، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جب تمہارے لیے سورج کی طرح واضح ہو تو گواہی دو" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

وقوله: (ونَذَرُ) أي: نترك (سَرَائِرَهُمْ إلى اللهِ تعالَى)، لأنَّه هُوَ المطَّلعُ عليها دون العباد، يَعْلَمُ السِّرَّ وأخفَىٰ، قال الله تعالَى: ﴿قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ﴾، وإليهِ أشارَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ بقوله: «نحنُ نَحكُمُ بِالظَّاهِرِ واللهُ يَتَوَلَّى السَّرائرَ» وحديث «هَلَّا شَقَقْتَ قلبَهُ» مَعْرُوفٌ.

"اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں" اس لیے کہ بندوں کے بجائے وہی اس پر مطلع ہوتا ہے، وہی مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے"، اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی فرمان: "ہم ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں دلوں کے بھید تو اللہ جانتا ہے" اور حدیث: "کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا" سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قوله: (وَلَا نَرَى السَّيْفَ علىٰ أَحَدٍ مِنْ أُمَّةِ محمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ) لقوله ﷺ: «أُمِرتُ أنْ أقاتِلَ النَّاسَ حتَّى يقولوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فإذا قَالُوهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا»، مثل الرِّدَّة والقِصَاصِ والبَغْيِ.

"ہم امتِ محمدیہ میں سے کسی مسلمان کو واجب القتل قرار نہیں دیتے ہیں جب تک کہ اسے واجب القتل قرار نہ دیا جائے" حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس قول کی وجہ سے کہ: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس وقت تک قتال کروں کہ جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کریں، اور جب وہ یہ اقرار کرلیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کرلیں گے سوائے اس حق کے جو اسلام کی وجہ سے واجب ہوگا" جیسے ارتداد، قصاص اور بغاوت (کی سزائیں) ہیں۔

حُكْمُ الخُرُوجِ عَلٰى أَئِمَّةِ المُسلِمِينَ

قوله: (وَلا نَرىٰ الخُرُوجَ علىٰ أَئِمَّتِنَا وَوُلاةِ أُمُورِنا وَإِنْ جَارُوا) أي: ظَلَمُوا، (ولا نَدْعُو عَلَيْهِمْ، ولا نَنْزَعُ يداً مِنْ طَاعَتِهِمْ، ونَرَى طاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ تعالَى فَرِيْضَةً)، وذٰلكَ لأَنَّ العصمةَ لَيسَتْ بِشَرْطٍ في الإمامِ، فهُوَ وإنْ ظَلَمَ لَا يَخْرُجُ عَنِ الإمامَةِ، فالخُرُوجُ عليهِ بَغْيٌ وفسادٌ في الأرضِ وإثارةُ فتنةٍ بَيْنَ أهلِ الإسلامِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الخَوارِجِ، وَقَدْ قالَ اللهُ تعالَى: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾، مطلقاً، فيتناوَلُ وجوبَ طاعةِ الإمَامِ العَادِلِ وغيرِهِ، فتكونُ طاعتُهُمْ ثابتةٌ بالكتابِ مثلَ طاعةِ اللهِ وطاعةِ رسولِهِ فتكونُ فريضةً. وإنَّما يجبُ علينا طاعتُهُمْ فِيمَا إذا دُعُوا إلى طاعةٍ أَوْ إلىٰ ما فيهِ مصلحةٌ دينيةٌ أَوْ دُنْيَوِيَّةٌ، وليسَ فِيْهِ معصيَةٌ لقولِهِ ﷺ: «لا طاعةَ لمخلوقٍ في معصيةِ الخالِقِ».

”ہم اپنے امام اور حکمرانِ وقت کے خلاف بغاوت کو درست نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں، اور ہم ان کے بارے میں بد دعا نہیں کرتے ہیں، نہ ہی ان کی اطاعت کو چھوڑتے ہیں، اور ان کی اطاعت کو فرض کے درجے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت مانتے ہیں“۔

یہ اس لیے ہے کہ امامت کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے، وہ اگرچہ ظالم ہو پھر بھی امامت کے عہدے سے نہیں نکلے گا، اس کے خلاف بغاوت ایک سرکشی اور زمین میں فساد اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ کی افزائش ہے، جیسا کہ خوارج کا مذہب ہے، اور اللہ تعالیٰ مطلقاً فرماتے ہیں کہ: ”اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، ان کی بھی (اطاعت کرو)“، جو کہ امامِ عادل اور غیر عادل سب کی اطاعت کے وجوب کو شامل ہو گا۔

پس ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کی طرح قرآن سے ثابت ہو گی تو فرض ہو گی، اور ہم پر اس وقت ان کی اطاعت کرنا واجب ہے کہ جب وہ نیکی کی دعوت دیں یا کسی دینی یا دنیوی مصلحت کی طرف بلائیں، اور اس میں کوئی معصیت نہ ہو، حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ: ”کسی مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی کرنا جائز نہیں ہے“۔

قوله: (ونَدعُو لَهُمْ بِالصَّلاحِ والمُعافاةِ)، لأنَّ في ذٰلكَ رجاءُ الإجابةِ، وفيها عُمُومُ الصَّلاحِ للإمامِ والرَّعِيَّةِ وتَسْكِينُ الفسادِ وَالفِتْنَةِ، والدُّعاءُ بالمعافاةِ شاملٌ لِمصالِحِ الأديانِ والأَبْدانِ، إذْ في صَلاحِ أَبْدانِهِمْ نفعٌ عامٌّ؛ لأَنَّهُمْ بذٰلكَ يَقْدِرونَ عَلَى الجِهادِ وَقَطْعِ مَادَّةِ الظُّلْمِ وَالكُفْرِ وَالفسادِ، وَكَذا في صَلَاحِ دِيْنِهِمْ صَلاحٌ عامٌّ؛ لأَنَّهُمْ إذا صَلحُوا حَمَلُوا الرَّعِيَّةَ عَلَى ذٰلِكَ، إذ النَّاسُ علٰى دينِ مَلِيكِهِمْ.

”اور ہم ان کے لیے اللہ سے اصلاح اور عافیت کی دعا کرتے رہیں گے“ اس لیے کہ اس میں قبولیت کی امید ہے، اور اس میں امام اور عوام کے لیے عمومی اصلاح اور فتنہ وفساد کو خاموش کراتا ہے۔

اور عافیت کی دعا، دین اور بدن کے مصالح کو شامل ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کی جسمانی بہتری میں نفعِ عام ہے، اس لیے کہ وہ اسی کے ذریعے سے جہاد کرنے پر اور ظلم، کفر اور فساد کو جڑ سے ختم کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں، اسی طرح ان کے دینی بہتری میں بھی عام مصلحت ہے، اس لیے کہ جب وہ خود نیک ہوں گے تو عوام کو بھی اس پر ابھاریں گے، جبکہ انسان اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتا ہے۔

قوله: (ونَتَّبِعُ السُّنَّةَ والجماعةَ)، لأنَّ السُّنَّةَ هي الطَّريقةُ المَسْلوكَةُ في الدِّينِ، وهيَ مُفضيةٌ إلَى السَّعاداتِ، والفوزِ بِالدَّرجاتِ، والنَّجاةِ مِنَ العُقُوبَاتِ. و«الجماعة» هُمُ الصَّحابةُ وَالَّذينَ اتَّبعُوهُمْ بِإحسانٍ، واتِّباعُهُمْ هدىً، بأيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ، وَخِلافُهُمْ بدعةٌ وضلالٌ، والنَّبِيُّ عليه السَّلامُ قدْ حرَّضَ على اتِّباعِ السُّنَّةِ وَالجماعَةِ، بقولِهِ: «عَلَيكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعدِي»، «مَنْ فَارَقَ الجَمَاعَةَ شِبْراً فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الإسلامِ مِنْ عُنُقِهِ».

"ہم سنتِ رسول اور جماعت کی اتباع کریں گے" اس لیے کہ سنت وہ راستہ ہے دین میں جس کی اتباع کی جائے، اور یہ سعادت، درجات کے اعتبار سے کامیابی اور عقوبات سے نجات کی طرف لے جانے والا ہے۔

اور "جماعت" (سے مراد) صحابہ کرام اور وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کی اتباع ہی ہدایت ہے، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے، اور ان کی مخالفت بدعت اور گمراہی ہے، اور نبی علیہ السلام نے اپنی فرمان: "تم اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑو"، "جس نے جماعت سے بالشت برابر علیحدگی اختیار کی تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی (یعنی پابندی) اتار دی" میں سنت اور جماعت کی اتباع کی ترغیب دی ہے۔

قوله: (وَنَجْتَنِبُ الشُّذوذَ والخِلافَ والفُرقةَ)؛ لقولِهِ عليهِ السَّلامُ: «مَنْ شَذَّ شذَّ في النَّارِ». وقد حثَّ النَّبيُّ عليهِ السَّلام على ملازمةِ اتِّباعِ الجماعةِ، ونَهىٰ عنْ اتِّباعِ محدَثاتِ الأمورِ ومفارقةِ الجماعةِ، روي عنْ بعضِ الصَّحابةِ أنَّ النَّبيَّ ﷺ ذاتَ يومٍ أقبلَ إلينا بِوجهِهِ، فوَعَظَنا موعظةً بليغةً ذَرَفَتْ منها العُيُونُ، وَوَجِلَتْ منها القُلُوبُ، فقالَ الرُّجلُ: يا رسولَ اللهِ كأنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فماذا تَعْهَدُ إلينا؟ قالَ: «أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ والسَّمْعِ والطَّاعَةِ وإنْ عبْداً حَبَشِيّاً، فإنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلافاً كَثِيراً، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِها وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ» أخرجه أبو داوود والترمذي.

”اور ہم (اہلِ حق سے) اختلاف کرنے اور تفرقہ بازی سے دور رہیں گے“ حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ: ”جو جماعت سے الگ ہوا اسے تنہا آگ میں ڈالا جائے گا“ کی وجہ سے، اور حضور ﷺ نے جماعت کو اتباع کو لازم پکڑنے کی تاکید فرمائی ہیں اور نئی چیزوں کی اتباع اور جماعت سے الگ ہونے سے منع فرمایا ہے۔

بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں ایک ایسی مؤثر نصیحت فرمائی کہ آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور دل لرز گئے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے، آپ ہمیں کیا نصیحت فرماتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں تم لوگوں کو تقویٰ، اور امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سارے اختلافات کو دیکھے گا، تو میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اس کو تھام لو اور اسے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رکھو، اور دین میں نئی باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، اس لیے کہ ہر نئی بات ایک بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“ اس حدیث کو امام ابوداوود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

قوله: (وَنُحِبُّ أهلَ العَدْلِ وَالأَمَانَةِ، ونُبْغِضُ أهلَ الجَوْرِ وَالخِيَانَةِ)، أرادَ بـ «أهلِ العَدْلِ وَالأَمَانَةِ» أهلَ الحقِّ مِنْ أَهلِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ المتمسِّكِينَ بالعدلِ وأداءِ مَا يَجِبُ عليهِمْ مِنَ الأمانةِ مِنَ الوُلاةِ والسَّلاطين.

”ہم اہلِ عدل اور اہلِ امانت کو پسند کرتے ہیں اور ظلم وخیانت کرنے والوں سے نفرت کرتے ہیں“، ”أهل العدل والأمانة“ سے ماتن کی مراد اہل السنہ والجماعۃ میں سے اہلِ حق کے وہ لوگ ہیں، جو عدل کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں، اور سلاطین اور والیوں میں سے وہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر واجب شدہ امانت کو ادا کرتے ہیں۔

وأرادَ بـ «أهلِ الخِيَانَةِ» أهلَ الخلافِ «والجَوْرُ»: البَغْيُ والفسادُ والخِيَانَةُ فيما يَجِبُ عليهِمْ مِنَ الحقوقِ الجائرِينَ مِنَ الوُلاةِ. والمُرادُ بِحبِّهِمْ وبُغْضِهِمْ حبُّ أَفعَالِهِمْ وبُغْضُ أَفْعَالِهِمْ، لا ذَوَاتُهُمْ، وقدْ أَمَرَ اللهُ تعالَى بالعَدْلِ فيكونُ محبوبًا، ونَهىٰ عنِ البَغْيِ وَالجَوْرِ فيكونُ مبغوضًا، قالَ الله تعالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾.

اہلِ خیانت سے مراد اہلِ خلاف ہیں، اور ”جور“ (کا معنیٰ) حکمرانوں میں سے وہ لوگ جو بغاوت، فساد اور ان حقوق میں خیانت کرتے ہیں جو ان پر واجب ہو چکے ہیں، اور ان کی محبت اور بغض سے مراد ان کے کاموں کی محبت اور ان کے کاموں کی بغض ہے نہ کہ ان کی ذات کے، اور اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیا ہے تو یہ محبوب ہی ہوگا اور بغی اور ظلم سے منع فرمایا ہے تو یہ مبغوض ہی

ہو گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو"۔

قوله: (ونقولُ: «اللهُ أعلمُ» فيما اشتبَهَ علينا عِلمُهُ)، إنَّما ذكر هٰذا لئَلَّا يقعَ في الشَّكِّ فيما ذَكَرْنا مِنَ العَقائِدِ عِنْدَما يَشْتَبِهُ عليهِ شيءٌ، أَوْ يعتريهِ سؤالٌ ولا يُمكنُ دفعُهُ، فحينئذٍ يجبُ عليهِ أنْ يُفوِّضَ أمرَ ذٰلكَ وعِلْمَهُ إلى اللهِ، فإنَّهُ هوَ العالمُ بحقائقِ الأشياءِ، لا يعزبُ عنْ علمِهِ مثقالُ ذَرَّةٍ في السَّماواتِ ولا في الأرضِ، ولا يُمكنُ للبشرِ معرفةُ كُنهِ دقائقِ الأشياءِ وحقائقِها إلَّا بتعليمٍ وَإلهامٍ وتوفيقٍ مِنَ اللهِ، فإنَّ الملائكةَ معَ صَفَاءِ جَوَاهِرِهِمْ اعْتَرَفُوا بالعِجْزِ عَنِ العِلْمِ مِنْ ذَواتِهِمْ، حيثُ قالوا: ﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾، فكيفَ البشرُ معَ شَوَاغِلِهِمْ عَنِ التَّوَجُّهِ إلى جنابِ القُدُسِ؟ وقدْ قالَ تعالَى: ﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾، ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾، فإنَّ عُقُولَ البشرِ قاصِرةٌ عَنْ إدراكِ كثيرٍ مِنَ الأشياءِ، فإذا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ شيءٌ يَجِبُ أنْ يُفوِّضَ علمَ ذٰلكَ إلَى اللهِ، ويقولُ: «الله أعلم» لقولِهِ تعالَى: ﴿وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾.

"جن چیزوں کا علم ہم پر مشتبہ ہے ان کے بارے میں ہم یہی کہتے ہیں کہ اللہ زیادہ جاننے والا ہے" مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اس لیے فرمائی تاکہ اس وقت کوئی شک واقع نہ ہو کہ جب بندے پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے یا کوئی سوال لاحق ہو جائے اور اس کا دفع کرنا ممکن نہ ہو، تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ وہ بات اور اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دے، کیونکہ وہی چیزوں کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی چیز اس کے علم سے مخفی نہیں ہے، اور انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم، الہام اور توفیق کے بغیر چیزوں کی گہری حقیقتوں کو پہچاننا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ ملائکہ نے اپنی صفاءِ جوہر کے باوجود چیزوں کی حقیقت کو جاننے کے علم سے اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ: "جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے"، تو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹانے والے مشاغل کے ساتھ کیسا ہو گا؟

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے"، "اور وہ لوگ اس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے، سوائے اُس بات کے جسے وہ خود چاہے" اس لیے کہ انسانی عقل بہت ساری چیزوں کے ادراک سے قاصر ہے، اسی لیے جب اس پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے علم کو اللہ کے حوالے کر دے، اور کہے کہ: "اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: "اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے"۔



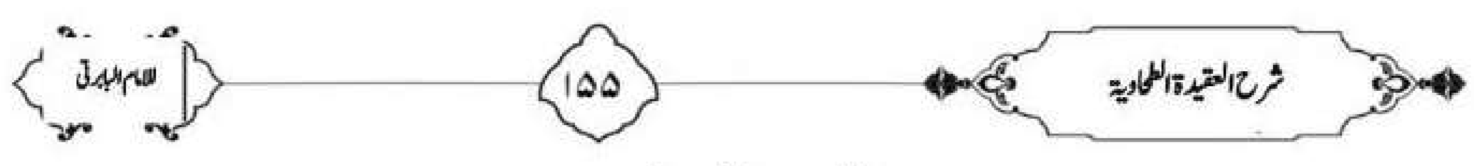
المسح على الخفَّينِ

قوله: (ونَرَى المَسْحَ على الخُفَّينِ في السَّفَرِ والحضَرِ، كما جاءَ في الأثرِ)، إنَّما ذكر هٰذا ردًّا لقولِ أهلِ الرَّفضِ، فإنَّهم أنكروا جوازَ المسحِ على الخُفَّينِ، وهٰذا وإنْ كانَ مِنْ أحْكامِ الفِقْهِ لكنَّه لما اشتَهَرَتْ فيهِ الآثارُ ألحقَهُ بالعقَائِدِ، دفعاً لإنكارِ المنكِرينَ، قَالَ أبو الحسنِ الكَرْخيّ: إنِّي لأخشى الكُفْرَ علىٰ مَنْ لا يَرَى المَسْحَ على الخُفَّينِ.

"ہم سفر و حضر میں موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں اس کا بیان موجود ہے" اس کو روافض کی تردید کے طور پر ذکر کر دیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے موزوں پر مسح کے جواز کا انکار کیا ہے۔

یہ اگرچہ فقہی احکام میں سے ہے، لیکن جب اس میں احادیث حدِ شہرت کو پہنچ گئیں تو علماء نے منکرین کے انکار کو دفع کرنے کے لیے اس کو عقائد کے ساتھ ملا دیا۔

امام ابو الحسن الکرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو جائز نہیں سمجھتا، مجھے اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔



الحج والجهاد

قوله: (**والحجُّ والجهادُ فرضانِ ماضِيانِ**)، إنَّما خصَّهما بالذِّكر لأنَّهما عبادتانِ في غايةِ المشقَّةِ، لا يحصلانِ إلَّا ببذلِ المالِ المحبوبِ للنَّفسِ، وخوفِ تلفِ الرُّوحِ وهجرِ الأهلِ والأوطانِ ومفارقةِ الأحبابِ والإخوانِ، والنُّفوسُ متنفِّرةٌ عنِ الشَّدائدِ النَّفسانيَّةِ خصوصاً إذا كانَ معَها صرفُ المالِ المحبوبِ، فخصَّهما بالذِّكر تحريضاً عليهِما، وتأكيداً لهُما كيلا يُتركا، وقدْ ذكرَ اللهُ تعالَى أنواعاً مِنَ التَّأكيدِ والتَّشديدِ في إيجابِ الحجِّ حيثُ قالَ: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾، يعني: أنَّه حقٌّ واجبٌ في الرِّقابِ لا بدَّ مِنْ أدائِهِ، ثمَّ قالَ: «ومَنْ كَفَرَ» مكانَ «ومَنْ لَمْ يحجَّ» تغليظاً علىٰ تاركِ الحجِّ.

”حج اور جہاد اور دوایسے فریضے ہیں جو مسلمانوں کے امیر کی زیر قیادت (قیامت قائم ہونے تک) جاری رہیں گے“ ان دونوں کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کر دیا کیونکہ یہ دونوں انتہائی مشقت کی حامل عبادات ہیں، جو کہ انسان کی محبوب چیز مال کو خرچ کرنے، جان کے ضیاع کے خطرے کا سامنے کرنے، گھر بار چھوڑ دینے اور دوست واحباب سے دور ہوئے بغیر انجام نہیں پاسکتے ہیں، جبکہ نفس نفسانی مشقتوں سے دور بھاگتا ہے، خصوصاً جب اس کے ساتھ محبوب مال کا خرچ کرنا بھی ہو، تو اسی لیے ان دونوں کو ترغیب اور تاکید کے طور پر خصوصی طور پر ذکر کر دیا، تاکہ ان کو ترک نہ کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی حج کے ایجاب میں مختلف قسم کی تاکید اور تشدید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے“ یعنی یہ اس پر واجب شدہ وہ حق ہے جس کی ادائیگی سے کوئی چارہ نہیں ہے، پھر (اس سے آگے آیت میں) حج کو ترک کرنے والے پر سختی کرتے ہوئے ”جس نے حج نہیں کیا“ کے بجائے ”جس نے کفر کیا“ فرمایا۔

وكذا مثلُ هٰذا التَّغليظِ جاءَ في الحديثِ وهوَ قولُهُ عليهِ السَّلامُ: «مَنْ مَلَكَ زاداً وراحلةً تُبلِّغُهُ إلى بيتِ اللهِ الحرامِ ولمْ يحجَّ، فلا عليهِ أنْ يموتَ يهوديّاً أوْ نصرانياً، أخرجه الترمذي.

اور اسی طرح کی سختی حدیث میں بھی آئی ہے، جو کہ حضور کا قول: ”جو شخص اتنے زاد راہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے اور پھر بھی وہ حج نہ کرے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر“ ہے۔

ثمَّ قالَ تعالَى: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ مكانَ «غنيٌّ عنهُ» ليَدُلَّ على الاستغناءِ عنهُ بالبرهانِ، فإنَّه إذا استغنىٰ عنِ العالَمِينَ كانَ مستغنياً عنهُ لا محالةَ فإنَّهُ داخلٌ فيهِ، ولأنَّهُ يدلُّ على الاستغناءِ الكاملِ، فكانَ أدلَّ علىٰ كمالِ السُّخطِ علىٰ تركِ الحجِّ.

پھر اللہ تعالیٰ نے "وہ اس (حج نہ کرنے والے) سے بے نیاز ہے" کہنے کے بجائے "اللہ تعالیٰ دینا جہاں کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے" فرمایا، تاکہ اس سے بے نیاز ہونے کو دلیل سے ثابت کیا جائے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ تمام جہاں کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے تو وہ بھی اس میں داخل ہی ہے، اور اس لیے کہ یہ کامل استغناء پر دلالت کرتی ہے، تو یہ ترکِ حج پر کمالِ ناراضگی پر زیادہ بہتر انداز سے دلالت کرے گی۔

وأما التأكيد على الجهاد فأكثر من أن يحصى، ومشقته على النفوس لا تخفى، فاحتاج إلى التأكيد فيه، وقد قال النبي عليه السلام: «الجهاد ماضي إلى يوم القيامة حتى يقاتل آخر أمتي الدجال.

جہاں تک جہاد پر تاکیدات کا تعلق ہے تو یہ بے شمار ہیں، اور نفس پر اس کی مشقت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اسی لیے اس میں تاکید کی ضرورت ہوتی ہے، اور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور یہاں تک کہ اس امت کا آخری شخص دجال کے ساتھ قتال کرے"۔

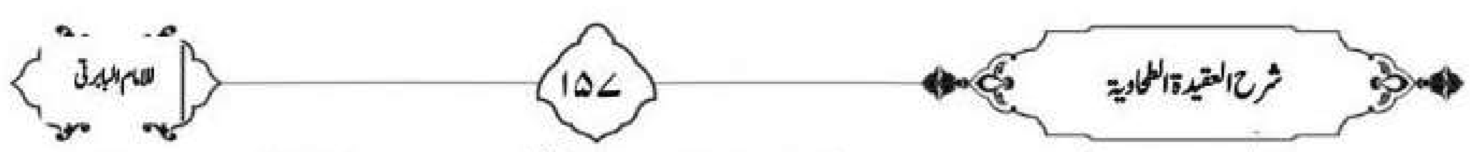
وإنَّما جمعَهَا أيضاً لِما روتْ عائشةُ رضي اللهُ عنها قالتْ: قلتُ: يا رسولَ اللهِ؛ نَرَى الجِهادَ أفضلَ، أفلا نجاهدُ؟ فقالَ: «أفضلُ الجهادِ حجٌّ مبرورٌ»، أخرجه البخاري.

اور ان دونوں کو ایک ساتھ اس حدیث کی وجہ سے جمع کر دیا کہ جسے حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم جہاد کو افضل سمجھتے ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (تمہارے حق میں) افضل جہاد "حج مبرور ہے"۔

قوله: (معَ أُولي الأمرِ مِنَ المسلمينَ، بَرِّهِم وفاجِرِهِمْ، إلى قيام السَّاعَةِ لا يُبطلهما شيء).

(حج اور جہاد قیامت تک قائم رہیں گے) مسلمانوں کے امیر کی زیرِ قیادت، چاہے وہ امیر نیک ہو یا گناہگار، کوئی چیز ان کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ ہی ختم کر سکتی ہے۔

إنَّما قالَ: «معَ أُولي الأمرِ»؛ لأنَّ الحجَّ والجهادَ متعلِّقانِ بالسَّفرِ واجتماعِ العساكِرِ والقوافِلِ، ولا بدَّ فيهِ مِنْ ضابِطٍ يضبُطُ أمورَ الناسِ عندَ اختلافِهِمْ، ويقاوِمُ العدوَّ ويحسمُ مادَّةَ السُّرَّاقِ، فلو لَمْ يكنْ فيهِمْ أميرٌ يقعُ الخللُ في أكثرِ الأمورِ، فيحتاجونَ إلىٰ مَنْ يرجعونَ إليهِ في الأمورِ ويطيعونَهُ ويكونُ نافذُ الأمرِ فيهِمْ، وهوَ السُّلطانُ أوْ نوَّابُهُ مِنَ الأُمَراءِ، سواءٌ كانَ بَرّاً أو فاجراً، لأنَّ العصمةَ ليستْ بشرطٍ في الأميرِ، فإذا كانَ فيهِ نفعٌ عامٌّ وانتظامُ مصلحةِ الرَّعِيَّةِ يصلُح للإمامةِ وإنْ كانَ فاجراً، فإنَّ فجورَهُ لا يضرُّ إلا نفسه.



مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے "امیر کی زیرِ قیادت" اس لیے فرمایا کہ حج اور جہاد کا تعلق سفر، سپاہیوں کو جمع کرنے اور قافلوں کے ساتھ ہے، اور ان جیسی چیزوں میں کسی ایسے منتظم کا ہونا ناگزیر ہے کہ جو اختلاف کے وقت لوگوں کے معاملات کو سنبھالے، اور دشمن کا مقابلہ کرے اور چوروں کا وجود ختم کر دے، اور اگر ان کا کوئی امیر نہیں ہو گا تو اکثر امور میں خلل واقع ہو جائے گا۔

لہذا ان کو کسی ایسی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ اپنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کی اطاعت کریں اور اس کا حکم ان کے درمیان نافذ ہو، اور یہ بادشاہ ہو گا یا گورنروں میں سے کوئی اس کا نائب ہو گا، چاہے وہ نیک ہو یا فاسق ہو، اس لیے کہ امیر کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے، جب اس میں نفع عام ہو یا عوام کی انتظامی مصلحت ہو تو وہ امامت کا اہل ہے اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اس کا فسق صرف اسی کو نقصان پہنچائے گا۔

الإيمانُ بالملائكةِ الكَتَبَةِ الحفظةِ

قوله: (ونُؤْمِنُ بالكرام الكاتبينَ، فإنَّ اللهَ جَعَلَهُمْ علينَا حافِظِينَ)، قال الله تعالَى: ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ، كِرَامًا كَاتِبِينَ، يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿وما يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾.

"اور ہم کراماکاتبین پر ایمان رکھتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر نگران مقرر کیا ہے"، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "حالانکہ تم پر کچھ نگران (فرشتے) مقرر ہیں، وہ معزز لکھنے والے، جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اُس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار!"۔

والحكمةُ في ذٰلكَ معَ أنَّ اللهَ تعالَى عالمٌ بِما يفعلُهُ العبادُ، ترغيبُهُمْ في الخيراتِ وتحذيرُهُمْ عَنِ ارتكابِ السَّيِّئاتِ؛ إذْ جميعُ ما يكتبُهُ الحَفَظَةُ مِنْ خيرٍ وشرٍّ فإنَّهُمْ يقرؤونَهُ عليهِ يومَ القيامةِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا﴾، فإذَا عَلِمَ العَبْدُ أنَّ عليهِ رقيباً وشاهداً يحفَظُ عليهِ أفعالَهُ، كانَ أشدَّ رغبةً في فعلِ الخَيْراتِ وأكثرُ احترازاً عَنِ المَحظُوراتِ.

اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کو جاننے والا ہے اس کے باوجود اس (فرشتے مقرر کرنے) میں حکمت بندوں کو نیکی کی ترغیب اور گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھنا ہے، اس لیے کہ ہر وہ بات کہ جسے یہ محافظین لکھتے ہیں، قیامت کے دن بندے کے سامنے اس کو پڑھیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "وہ دن یاد رکھو جس دن کسی بھی شخص نے نیکی کا جو کام کیا ہوگا اسے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور برائی کا جو کام کیا ہوگا اس کو بھی (اپنے سامنے دیکھ کر) یہ تمنا کرے گا، کہ کاش اس کے اور اس کی بدی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہو"، جب انسان کو یہ معلوم پڑے گا کہ اس کے اوپر کوئی نگران اور گواہ موجود ہے جو اس کے افعال کو محفوظ کرتا ہے، تو یہ اس کے لیے نیکی کے کام کرنے کی سخت ترغیب اور برائی سے بچنے کا اکثر ذریعہ بن جائے گا۔

قوله: (وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ المَوتِ المُوكَّلِ بِقَبْضِ أرواحِ العالَمِينَ)، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ﴾.

"اور ہم ملک الموت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جسے اہل جہاں کی ارواح قبض کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے"، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "کہہ دو کہ: تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کرلے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے"۔

القبرُ وأحواله

قوله: (وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ القَبْرِ ونَعِيمِهِ لِمَنْ كانَ لذٰلكَ أهلاً، وبسُؤالِ مُنْكَرٍ ونكيرٍ للمَيِّتِ في قَبْرِهِ عَنْ رَبِّهِ ودِينِهِ ونَبِيِّهِ، علىٰ ما جاءَتْ بِهِ الأخبارُ عَنْ رسولِ اللهِ ﷺ وعَنْ أصحابِهِ رضيَ اللهُ تعالَى عنهُمْ أجمعينَ. والقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رياضِ الجَنَّةِ، أو حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ)، كلُّ ما وَرَدَ بِهِ السَّمعُ ولا يأباهُ العقلُ، يَجِبُ قُبُولُهُ والإيمانُ بِهِ.

”اور ہم عذابِ قبر کو اس شخص کے لیے مانتے ہیں جو اس کا مستحق ہو، اور منکر نکیر کے ان سوالوں کو بھی مانتے ہیں جو وہ مردے سے قبر میں اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے بارے میں کریں گے، جیسا کہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ سے منقول ہے، اور قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا“ اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں نقلی دلیل وارد ہو جائے اور عقل اس کا انکار نہ کرے اس کو قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

ونُؤمِنُ بعذابِ القبرِ لِمَنْ هوَ أهلٌ لهُ كالفُجَّارِ، وبنعيمِهِ لِمَنْ كانَ أهلاً للنَّعِيْمِ كالأبرارِ.

اور ہم عذابِ قبر کو اس شخص کے لیے مانتے ہیں جو اس کا اہل ہو جیسے فاسق لوگ ہیں، اور اس کی نعمتوں کو اس شخص کے لیے مانتے ہیں جو نعمتوں کا اہل ہو جیسے نیک لوگ ہیں۔

ونُؤمِنُ بسؤالِ مُنكَرٍ ونَكيرٍ؛ لأنَّهُ قدْ وَرَدَتْ بهِ الأخبارُ بنقلِ الأخيارِ، منها ما رُوِيَ أنَّهُ كانَ عثمانُ بنُ عفَّانَ رضيَ اللهُ عنهُ إذا وَقَفَ على القبرِ يَبْكِيْ حتَّىٰ تبتلَّ لحيتُهُ، فقيلَ لَهُ: تَذْكُرُ الجنَّةَ والنَّارَ فلا تبكي، وتَذكُرُ القبرَ فتَبْكِيْ! فقالَ: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول: «القبرُ أوَّلُ منزِلٍ مِنْ منازِلِ الآخرةِ، فإنْ نَجا منهُ فَمَا بعدَهُ أيسرَ منهُ، وإنْ لمْ ينجُ منْهُ فما بعدَهُ أشدُّ منهُ» أخرجَهُ الترمذيُّ، وعَنِ ابنِ عُمَرَ أنَّهُ قالَ: قالَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ: «إذا ماتَ أحَدُكُمْ عُرِضَ عليهِ مَقْعَدُهُ بالغداةِ والعَشيِّ، إنْ كانَ مِنْ أهلِ الجنَّةِ فَمِنْ أهلِ الجنَّةِ، وإنْ كانَ مِنْ أهلِ النَّارِ فَمِنْ أهلِ النَّارِ، فيقالُ: هٰذا مَقْعَدُكَ حتَّىٰ يبعثَكَ اللهُ يومَ القيامةِ». أخرجه البخاري ومسلم.

اور ہم منکر نکیر کے سوال کو بھی مانتے ہیں، کیونکہ اس سے متعلق احادیث کو امت کے بہترین لوگوں نے نقل کیا ہے، انہی میں سے ایک وہ روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ: آپ جنت اور جہنم کو یاد فرماتے ہیں لیکن نہیں روتے جبکہ قبر کو یاد کرنے پر آپ روتے ہیں، تو فرمایا کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: "قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، اگر بندہ اس منزل پر نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں آسان ہوں گی، اور اگر یہاں اس نے نجات نہ پائی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہیں"، اس حدیث کی تخریج امام ترمذی نے کی ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے، تو اس کے سامنے اس کا ٹھکانا صبح وشام پیش کیا جاتا ہے، اگر اہل جنت میں سے تھا تو اہل جنت کا ٹھکانا، اور اگر جہنمی تھا تو جہنمیوں کا ٹھکانا، اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ"، اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور مسلم نے کی ہیں۔

ومصداقُهُ قولُهُ تعالَى: ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا﴾، وعَنْ زيدِ بنِ ثابتٍ رضيَ اللهُ عنهُ قالَ: «بينَما رسولُ اللهِ ﷺ في حائطٍ لبني النَّجَّارِ، ونحنُ معهُ إذْ حادتْ بِهِ بَغْلَتُهُ فكادتْ تلقيهُ، وإذا أقْبُر ستة أو خمسة، فقالَ: مَنْ يعرفُ أصحابَ هٰذهِ القبورِ؟» فقالَ رجلٌ: أنا، قالَ: متىٰ ماتوا؟» قالَ: في الشِّركِ، فقالَ: «إنَّ هذه الأمة تُبتَلى في قبورِها، فلولا ألَّا تَدَافنوا لَدَعَوْتُ اللهَ أنْ يُسمِعَكُمْ عذابَ القبرِ الذي أسمعُ منهُ» ثمَّ قالَ: «نعوذُ باللهِ مِنْ عذابِ القبرِ». أخرجه مسلم.

اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے قول: "آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے" سے ہوتی ہے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: "ایک دفعہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے ایک باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے، ہم آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدک گیا وہ آپ ﷺ کو قریب قریب گرانے لگا تھا (دیکھا تو) وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے؟" ایک آدمی نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ لوگ کب مرے تھے؟" اس نے کہا: شرک کی حالت میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ لوگ اپنی قبروں کے اندر عذاب میں مبتلا ہیں اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم (اپنے مردوں کو) دفن نہ کروگے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے جس عذاب کی آواز کو میں سن رہا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو" اس حدیث کی تخریج امام مسلم نے کی ہے۔

وأمَّا في سؤالِ منكرٍ ونكيرٍ فقدْ روىٰ أنسٌ عَنِ النَّبيِّ ﷺ: أنَّ العبدَ إذا وُضِعَ في قبرِهِ وتوَلَّىٰ عَنْهُ أصحابُهُ، يسمعُ قرعَ نعالِهِمْ، أتاهُ مَلَكانِ، فيُقعدانِهِ فيقولانِ لهُ: ما كنتَ تقولُ في هٰذا الرَّجُلِ - يعني: محمَّداً عليهِ السَّلامُ -، أمَّا المؤمنُ فيقولُ: أشهدُ أنَّهُ عبدُ اللهِ ورسولُهُ، فيقالُ لهُ: انظرْ إلىٰ مقعدِكَ مِنَ النارِ بدَّلكَ اللهُ بهِ مقعداً مِنَ الجنَّةِ، فيراهما جميعاً، ويفتح له من قبره باب إليها، وأما الكافر أو المنافق

فيقول : لا أدري، كنت أقول كما يقول الناس فيه، فيقال : لا دَرَيْتَ، ثم يُضرب بمطرقة من حديد ضربة، فيصيح صيحة فيسمعها من يليه إلا الثقلان، أخرجه البخاري ومسلم .

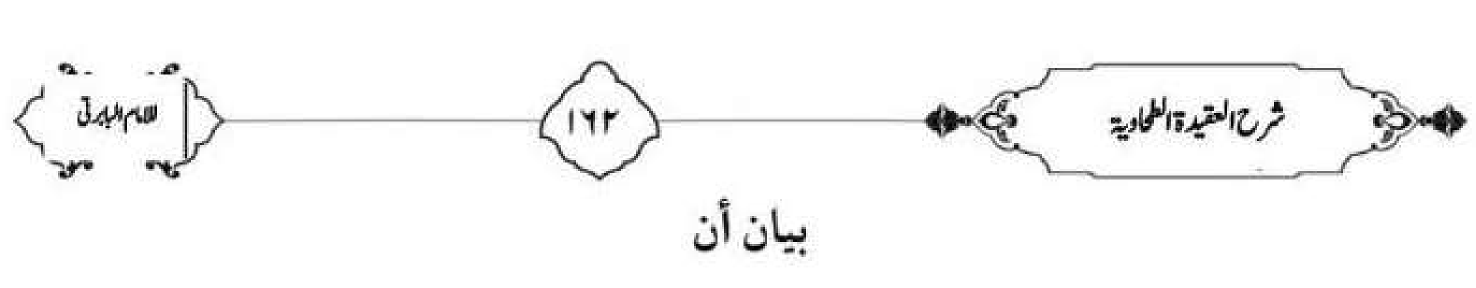
اور جہاں تک منکر نکیر کے سوال کا تعلق ہے تو حضرت انس نے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے روایت کی ہے کہ: آدمی کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور جنازہ میں شریک ہونے والے لوگ اس سے رخصت ہوتے ہیں تو ابھی وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ دو فرشتے (منکر نکیر) اس کے پاس آتے ہیں، وہ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو کیا اعتقاد رکھتا تھا؟

مومن تو یہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس جواب پر اس سے کہا جائے گا کہ تو یہ دیکھ اپنا جہنم کا ٹھکانا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہارے لیے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے، اس وقت اسے جہنم اور جنت دونوں ٹھکانے دکھائے جائیں گے، اور اس کے لیے اس کی قبر میں جنت سے ایک دروازہ کھولا جائے گا۔

اور منافق و کافر جواب دے گا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، میں بھی وہی کہتا تھا جو دوسرے لوگ کہتے تھے، پھر اس سے کہا جائے گا تو نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی، پھر اسے لوہے کے گرزوں سے بڑی زور سے مارا جائے گا کہ وہ چیخ پڑے گا اور اس کی چیخ کو جن اور انسانوں کے سوا اس کے آس پاس کی تمام مخلوق سنے گی، اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور مسلم نے کی ہیں۔

والأصح أن الأنبياء لا يسألون في قبورهم.

جبکہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ انبیاء سے ان کی قبروں میں سوال نہیں ہوگا۔



بيان أن

البعث من القبور حق

قوله: (وَنُؤْمِنُ بالبَعثِ، وجَزَاءِ الأَعْمَالِ يَوْمَ القيامةِ، والعَرْضِ، والحسابِ، وقراءةِ الكتابِ، والثَّوابِ والعقابِ، والصِّراطِ، والميزانِ).

"ہم بروزِ قیامت اُٹھائے جانے، اعمال کا بدلہ ملنے، خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونے، حساب کتاب ہونے، اعمال نامہ کے پڑھے جانے، ثواب وعذاب ملنے، پل صراط پر گزرنے اور میزان پر ایمان رکھتے ہیں"۔

والمرادُ بالبعثِ: حَشْرُ الأَجْسادِ وإِحْياؤُها يومَ القيامةِ للجزاءِ بما فَعَلَ في الدُّنيا من خيرٍ أو شرٍّ. وهوَ حقٌّ لأنَّه مُمْكنٌ في نفسِهِ، وقدْ أخبرَ الصَّادِقُ بوُقُوعِهِ فَوَجَبَ الإيمانُ بِهِ.

اور بعث سے مراد قیامت کے دن دنیا کے اندر کیے ہوئے نیک اور بد اعمال کا بدلہ دینے کے لیے اجسام کا اُٹھایا جانا اور ان کو زندہ کرنا ہے، اور یہ حق ہے، اس لیے کہ یہ بذاتِ خود ممکن کام ہے، جبکہ اس کے واقع ہونے سے متعلق سچے خبر دینے والے نے خبر دی ہے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

أمَّا أنَّهُ مُمْكِنٌ فلأنَّ الابتداءَ لمَّا كانَ ممكناً، فالحشرُ الذي هوَ عبارةٌ عَنِ الإعادةِ أولىٰ بالإمكانِ، واللهُ تعالَى قادرٌ علىٰ جميعِ المُمْكِناتِ، عالمٌ بجميعِ الكلِّيَّاتِ والجزئيَّاتِ، فيقدُرُ علىٰ جَمْعِ أجْزائِهِ بعدَ تَفَرُّقِهَا وخَلْقِ الحياةِ فيهِ. وإليهِ الإشارةُ في قولِهِ تعالَى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾، وفي قوله: ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ إلى قوله: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾.

رہا یہ کہ یہ ممکن ہے اس لیے کہ جب ابتداءً یہ ممکن تھا تو حشر جو اعادہ سے عبارت ہے ممکن ہونے کا زیادہ حقدار ہے، اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے، تمام جزئیات اور کلیات پر قادر ہے، وہ اجزاء کے متفرق ہونے کے بعد ان کو جمع کرنے اور ان میں زندگی پیدا کرنے پر قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اُس کے لیے بہت آسان ہے" اور اللہ تعالیٰ کے قول: "کہہ دو کہ: ان کو وہی زندگی دے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا" سے لے کر اللہ تعالیٰ کے قول: "بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟۔۔۔ کیوں نہیں؟ جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے!" تک اسی کی طرف اشارہ ہے۔

أَمَّا أَنَّهُ أَخْبَرَ بِوقوعِهِ قولُهُ تعالَى: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ﴾، وقال تعالَى: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ﴾. والآياتُ والأخبارُ فيهِ أكثرُ مِنْ أَنْ تُحصىٰ، وهُوَ معلومٌ بأَنَّهُ مِنْ ضَرورِياتِ الدِّينِ، فَوَجَبَ الإيمانُ بِهِ.

اور اس کے وقوع سے متعلق خبر دینے والے اللہ تعالیٰ کا قول: "اور صور پھونکا جائے گا تو یکایک یہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے روانہ ہو جائیں گے" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: "اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے، پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو سب پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے" ہیں۔

اس کے لیے اس حوالے سے بے شمار آیات اور احادیث موجود ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے، تو اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

أَمَّا الجَزاءُ فثابِتٌ بقولِهِ تعالَى: ﴿إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، وقولُهُ: ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾، والآياتُ فيهِ أيضاً أكثرُ مِنْ أَنْ تُحصىٰ.

اور جزاء اللہ تعالیٰ کے قول: "تمہیں اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے"، اور اللہ تعالیٰ کے قول: "ان کے اعمال کا بدلہ ہے" سے ثابت ہے، اور اس حوالے سے بھی آیات بے شمار ہیں۔

وأَمَّا العَرْضُ على اللهِ فثابتٌ بقولِهِ تعالَى: ﴿وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾، وقولُهُ: ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ﴾.

اور خدا کے حضور پیش ہونا اللہ تعالیٰ کے قول: "اور سب کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا، آخر تم ہمارے پاس اُسی طرح آ گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا" اور اللہ تعالیٰ کا قول: "اُس دن تمہاری پیشی اس طرح ہو گی کہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہیں رہے گی" سے ثابت ہے۔

وأَمَّا الحسابُ فثابتٌ بقولِهِ تعالَى: ﴿وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ﴾.

اور حساب اللہ تعالیٰ کے قول: "اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا، تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے، اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں" سے ثابت ہے۔

وأمَّا قراءةُ الكِتابِ فثابتةٌ بقولِهِ تعالَى: ﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا، اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾، ويُعطىٰ كتابُ المُؤمنِ بيمينِهِ، وكتابُ الكافِرِ بشمالِهِ أوْ مِنْ وراءِ ظَهْرِهِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا،وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا، وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا﴾

اور اعمال نامہ کا پڑھا جانا اللہ تعالیٰ کے قول: "اور قیامت کے دن ہم (اُس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اُس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا" سے ثابت ہے، اور مومن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں جبکہ کافر کو اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں یا اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "پھر جس شخص کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا، لیکن وہ شخص جس کو اُس کا اعمال نامہ اُس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا"۔

وأمَّا الصِّراطُ فهوَ جِسْمٌ ممدودٌ علىٰ مَتْنِ جَهَنَّمَ، أَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ، وَأَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ، يَمُرُّ عليها الخلائقُ، منهُمْ كالبَرْقِ الخاطفِ ومنهُمْ كالرِّيحِ، ومنهُمْ كالجَوَّادِ المُسْرِعِ، ومنهُمْ كالماشِيِّ، ومنهُمْ كالنَّمْلَةِ تَدُبُّ على قدرِ تفاوُتِ الدَّرَجاتِ وأعمالِهِمْ في الدُّنيا. وثبتَتْ حقيقَتُهُ بقولِهِ تعالَى: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾، وبِمَا رُوِيَ أَنَّ عائشةَ رضيَ اللهُ عنها قالت: فذَكَرْتُ النَّارَ فبكيتُ، فقالَ عليهِ السَّلامُ: «ما يُبْكِيكِ؟» قلتُ: ذَكَرْتُ النَّارَ فبكيتُ، فهلْ تذكرونَ أَهْلِيكُمْ يومَ القيامةِ، فقالَ: «أمَّا في ثلاثِ مواطنٍ فلا يَذْكُرُ أحدٌ أحداً: عندَ الميزانِ حتَّى يعلمَ أيخفُّ ميزانُهُ أمْ يَثْقُلُ، وعندَ تطائرِ الصُّحُفِ، حتَّى يعلمَ أينَ يقعُ كتابُهُ، في يمينِهِ أمْ في شمالِهِ أمْ وراءَ ظهرِهِ، وعندَ الصِّراطِ إذا ضُرِبَ بينَ ظهرانَي جهنَّم حتَّى يجوزه»، أخرجه أبو داود.

جہاں تک پُل صراط کا تعلق ہے تو یہ جہنم کے اوپر ایک پھیلا ہوا جسم ہے، جو کہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، لوگ اس کے اوپر سے گزریں گے، اس میں بعض لوگ چمکتی بجلی، اور ان میں سے بعض لوگ ہوا، بعض لوگ تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض لوگ پیدل چلنے والے کی طرح اور بعض لوگ زمین پر رینگنے والی چیونٹی کی طرح دنیا میں اپنے کیے گئے اعمال اور تفاوتِ درجات کے مطابق گزر جائیں گے۔

اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمان: "پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں تو ہم نجات دے دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ میں) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے" سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے جہنم کو یاد کر کے رونے لگی، تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کیوں رو رہی ہو؟"، میں نے عرض کیا: مجھے جہنم یاد آگئی تو رونے لگی، کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین جگہوں پر تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا: ایک میزان کے پاس یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا میزان ہلکا ہے یا بھاری ہے، دوسرا کتاب ملنے کے وقت، یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو کتاب کس طرح دی جائے گی آیا دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں، یا پھر پشت کے پیچھے سے، اور تیسرا پل صراط کے پاس جب وہ جہنم کے اوپر ہو گا یہاں تک اس کو عبور کرلے" اس حدیث کی تخریج امام ابو داود نے کی ہے۔

وأمَّا الميزانُ فهوَ عبارةٌ عمَّا يُعرفُ بِهِ مقاديرُ الأعمالِ، فتوزنُ أعمالُهُمْ خيراً كانَ أوْ شرّاً. ونتوقَّفُ في كيفيتِهِ، والأصلُ فيهِ قولُهُ تعالَى: ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾، ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾، ﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ﴾.

اور جہاں تک میزان کا تعلق ہے تو یہ اس چیز سے عبارت ہے جس کے ذریعے اعمال کے مقدار کو معلوم کیا جاسکے، ان کے اعمال کو وزن کیا جائے گا چاہے وہ اچھے ہوں یا بُرے، اور ہم اس کی کیفیت کے بارے میں توقُّف کریں گے، اور اس کے بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کا قول: "اور اس دن (اعمال کا) کا وزن ہونا اٹل حقیقت ہے"، اور "اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی"، اور "اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے" ہیں۔

بيان أن

الجنة والنار مخلوقتان ولا تفنيان

قولُهُ: (**والجنَّةُ والنَّارُ مخلوقتانِ، لا تَفْنيانِ أبداً ولا تَبيدانِ**)، وكذا أهلُهما، لقولِه تعالَى: ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾، وقدْ صَرَّحَ بخُلُودِ الفَرِيقَينِ، والأبديَّةُ تنافِي الفناءَ والزَّوالَ، وقدْ وردَ في الحديثِ: «أهلُ الجنَّةِ لا يموتونَ، ولا يهرَمونَ، ولا تُبلىٰ ثيابُهُمْ، ولا يفنىٰ شبابُهُمْ.

"جنت و جہنم پیدا کی جاچکی ہیں، یہ کبھی فنا ہوں گی نہ ختم ہوں گی" اس طرح ان کے اندر داخل ہونے والے، اللہ تعالیٰ کے قول: "جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے" کی وجہ سے، اور دونوں فریقوں کے ہمیشہ رہنے کی تصریح کردی، جبکہ ابدیت فناء اور زوال کے منافی ہے، اور حدیث میں آیا ہے کہ: "اہل جنت نہ مریں گے نہ بوڑھے ہوں گے، نہ ان کے کپڑے پرانے ہوں گے، اور نہ ہی ان کی جوانی ختم ہو جائے گی"۔

قولُهُ: (**وأنَّ اللهَ تعالَى خَلَقَ الجنَّةَ والنَّارَ قبلَ الخَلقِ**)، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ، عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ، عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾. وفيهِ ردٌّ لقولِ المعتزلةِ القائلينَ بأنَّهما ليستَا بِمخلوقتَينِ الآنَ، وإنَّما تُخلقانِ بعدَ القيامةِ.

"اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جنت و جہنم کو پیدا کر لیا تھا" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اور حقیقت یہ ہے کہ اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، اُس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے، اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے"، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو"، اور اس میں معتزلہ کے مذہب کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان دونوں (جنت و جہنم) کو ابھی پیدا نہیں کیا گیا ہے، ان کو قیامت کے بعد پیدا کیا جائے گا۔

قولُهُ: (**وخَلَقَ لهُما أهلاً، فَمَنْ شاءَ مِنْهُم للجنَّةِ فَضْلاً منهُ، وَمَنْ شَاءَ لِلنَّارِ عَدْلاً منهُ**)، لِما رُوِيَ عَنْ عائشةَ رضيَ اللهُ عنهَا أنَّها قالَتْ: توفِّيَ صبيٌّ فقلتُ: طُوبىٰ لهُ عصفورٌ مِنْ عَصَافيرِ الجنَّةِ، فقال ﷺ: «أوَلا تدرينَ أنَّ اللهَ خلقَ الجنَّةَ وخَلَقَ النَّارَ، فخَلَقَ لهٰذهِ أهلاً، ولهٰذهِ أهلاً، وقالَ: هٰؤلاءِ للجنَّةِ ولا أُبالي، وهٰؤلاءِ للنَّارِ ولا أبالي».

"اور جنہوں نے ان میں جانا تھا ان کو بھی پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنے فضل سے جنت کا حقدار بنایا اور جس کو چاہا اپنے قانونِ عدل سے جہنم کا مستحق بنایا" اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہے کہ: ایک بچے کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ: اس کو مبارک ہو یہ جنت کے چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: کیا آپ کو

معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور جہنم کو پیدا فرمایا پھر اس کے لیے کچھ لوگوں کو پیدا فرمایا اور اس کے لیے بھی کچھ لوگوں کو پیدا فرمایا، اور فرمایا کہ: یہ لوگ جنت کے لیے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، اور یہ لوگ جہنم کے لیے ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ثمَّ دخولُ الجنَّةِ بفضلِ اللهِ لا بالعملِ، قالَّ اللهُ تعالَى: ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ﴾. وقالَ النبيُّ عليهِ السَّلامُ: «لا يدخلُ أحدٌ الجنَّةَ إلَّا برحمةِ اللهِ، قيلَ: ولا أنتَ يا رسولُ؟ قالَ: ولا أنا إلَّا أنْ يتعمَّدَنِيَ اللهُ بِرحمةٍ». وفيهِ ردٌّ لقولِ المعتزلةِ القائلينَ بالوجوبِ على اللهِ.

پھر جنت میں داخل ہونا اللہ کے فضل سے ہے عمل سے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے، یہ اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، یہ اللہ کا فضل وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے“۔
اور نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ”کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ تو فرمایا: میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے“

ودخولُ النَّارِ بِعَدْلِهِ لأنَّهُ كلَّفَهُمْ بالإيمانِ عَنْ اختيارٍ، وأخبرَهُمْ بالعذابِ بتركِ الإيمانِ والأوامرِ وارتكابِ المَنَاهِي، ومَنْ أَنْذَرَ فقد أَعْذَرَ، فكانَ التَّعذيبُ عدلاً منهُ وحكمةً.

اور جہنم میں دخول اس کے قانونِ عدل کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ اس نے تو ان کو اختیار کے ساتھ ایمان کا مکلف بنایا، اور ایمان اور احکام کے ترک کرنے اور ممنوعات کے ارتکاب پر عذاب کی خبر بھی دیدی ہے، اور جس نے ڈرادیا اس نے عذر بھی مکمل کرلیا، اس لیے عذاب دینا اس کے قانون اور حکمت کے طور پر ہے۔

قولُهُ: ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ﴾، وقال النَّبيُّ ﷺ: «جفَّ القلمُ بما هوَ كائنٌ إلىٰ يومِ القيامةِ»، «وكلٌّ ميسَّرٌ لما خُلِقَ لهُ». وقد مرَّ أنَّ الخيرَ والشَّرَّ بإرادةِ اللهِ ومشيئتِهِ وقضائِهِ وقَدَرِهِ، فهما مقدَّرانِ على العبادِ، قالَ الله تعالَى: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾، وإليهِ أشارَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ حيثُ قالَ: «والقَدَرُ خَيْرُهُ وشَرُّه مِنَ اللهِ»، وحديثُ جبريلَ مشهورٌ وقدْ مرَّ أيضاً فلا حاجةَ إلى الإعادةِ.



”کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے“، اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”قیامت تک پیش آنے والے تمام امور کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے“ اور ”ہر شخص کو ان اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جن کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے“۔

اور یہ گزر چکا ہے کہ خیر اور شر انہی کے ارادے، مشیئت، قضا اور قدر سے ہے، اور یہ دونوں بندوں پر مقدر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے“، اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے“، اور حدیث جبریل علیہ السلام بھی اس حوالے سے مشہور ہے، جو کہ گزر چکی ہے، جس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

الاستطاعةُ معَ الفعلِ

قولُهُ: (والاستطاعةُ الَّتي يَجِبُ بها الفِعْلُ مِنْ نَحْوِ التَّوفيقِ الذي لا يجوزُ أَنْ يُوصفَ بِهِ المخلوقُ تكونُ مَعَ الفعلِ، وأمَّا الاستطاعةُ مِنْ جهةِ الصِّحةِ والوَسْعِ والتَّمكينِ وصِحَّةِ الآلاتِ، فهِيَ قبلَ الفِعْلِ، وبها يتعلَّقُ الخِطابُ، وهوَ كما قالَ اللهُ تعالَى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾).

"وہ استطاعت جس کی وجہ سے جس کی وجہ سے کوئی فعل واجب ہوتا ہے، جیسے توفیق کا ملنا ہے کہ یہ بندے کے اختیار میں بھی نہیں ہے، یہ فعل کے ساتھ ہوتی ہے، اور استطاعت بمعنی صحت، وسعت، طاقت اور اسباب کا میسر ہونا یہ فعل سے پہلے حاصل ہوتی ہے، اسی استطاعت کی بناء پر بندے کو مکلف بنایا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلف بناتے ہیں"۔

اعلمْ بأنَّ الاستطاعةَ علىٰ قِسمينِ: باطنةٌ وظاهرةٌ:

أمَّا الباطنةُ فهِيَ التي يُوجَد بِها الفعلُ، يُحدِثها اللهُ تعالَى مقرونةً بالفعلِ، ففي الطَّاعاتِ تسمَّى «توفيقاً»، وفي المعاصي «خِذلاناً»، ولا يوصفُ بِهِ المخلوقُ، لأنَّها مِنَ اللهِ، فهٰذِهِ الاستطاعةُ معَ الفعلِ كحَركةِ الأصبعِ معَ حركةِ الخاتَمِ، ليكونَ العبدُ دائماً مفتقراً إلىٰ توفيقِ اللهِ ومشيئتِهِ وتأييدِهِ، ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾، ولا استقلالَ للعبدِ في إيجادِ الفعلِ، وهوَ في كلِّ لمحةٍ ولحظةٍ محتاجٌ إلى اللهِ، وهيَ حقيقةُ العبوديَّةِ والافتقارِ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾.

جان لو کہ استطاعت دو قسم پر ہے: باطنہ اور ظاہرہ:

جہاں تک استطاعتِ باطنہ کا تعلق ہے تو یہ وہ ہے کہ جس کے ذریعے فعل کا وجود ہوتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ فعل کے ساتھ ہی پیدا فرماتے ہیں، طاعات میں اس کو "توفیق" اور معاصی میں اس کو "خذلان" کا نام دیا جاتا ہے، اور مخلوق کو اس کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس استطاعت کا فعل کے ساتھ ہونا ایسا ہے جیسے انگوٹھی کی حرکت کے ساتھ انگلی کی حرکت ہے، تاکہ بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توفیق، مشیئت اور تایید کا محتاج رہے، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:) "اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے حکمت کا بھی مالک ہے"، فعل کو وجود دینے میں بندے کا کوئی کردار نہیں ہے، وہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اللہ کا محتاج ہے، اور یہی بندگی اور عاجزی کی حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "تم سب اللہ کے محتاج ہو"۔

وفيهِ ردٌّ لقولِ المعتزلةِ حيثُ قالوا: إنَّ هٰذِهِ القدرةَ سابقةٌ على الفعلِ، مقدورةٌ للعبدِ.

اس میں معتزلہ کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ: یہ قدرت فعل سے پہلی ہوتی ہے، اور بندے کی طاقت میں ہوتی ہے۔

- وأمّا الاستطاعةُ الظَّاهرةُ، فهيَ القدرةُ مِنْ جهةِ الوَسْعِ والتَّمكُّنِ وصحَّةِ الآلاتِ والجوَارحِ وسَلامةِ الأعضاءِ، وهيَ مقدَّمةٌ على الفعلِ. ومدارُ التَّكيُّفِ علىٰ هٰذِهِ؛ لأنَّ الخِطابَ بالتَّكاليفِ مَنوطٌ بِها؛ إذِ الأُولىٰ باطنةٌ ولا يقفُ العبدُ عليهَا، فَمَنْ كانَ قادراً على العباداتِ مِنَ الصَّلاةِ والصَّومِ والحَجِّ تجبُ عليهِ بناءً على القدرةِ الظَّاهرةِ، وإنْ لمْ يُوجدْ منهُ شيءٌ منها بناءً علىٰ إحداثِ اللهِ الاستطَاعةَ الَّتي بِها يُوجَدُ الفعلُ.

اور جہاں تک استطاعتِ ظاہرہ کا تعلق ہے تو یہ وسعت، طاقت، آلات واسباب کی صحت اور اعضاء کی سلامتی کی جہت سے ایک قدرت ہے، اور یہ فعل سے مقدم ہوتی ہے، اور تکلیف کا مدار اسی پر ہوتا ہے، اس لیے کہ مکلف بنانے کا خطاب اسی کے ساتھ مشروط ہے اور اس لیے کہ پہلی استطاعت باطنی ہے، بندہ اس پر مطلع نہیں ہو سکتا ہے، پس جو شخص عبادات میں سے نماز، روزہ اور حج پر قادر ہو تو قدرتِ ظاہرہ کی بنا پر یہ اس پر واجب ہوں گے، اگرچہ ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس استطاعت کی بنا پر نہ پائی جائے جس کے ذریعے سے فعل موجود ہوتا ہے۔

وفي قولِهِ تعالَى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ دليلٌ علىٰ أنَّ التَّكليفَ لا يكونُ إلَّا علىٰ ما في الوَسْعِ، بناءً على الاستطاعةِ الظَّاهرةِ.

اور اللہ تعالیٰ کے قول: "اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلف بناتے ہیں" میں اس بات پر دلیل ہے کہ استطاعتِ ظاہرہ کی بنا پر تکلیف صرف اس چیز کی ہوتی ہے جو طاقت میں ہو۔

وفيهِ ردٌّ لقولِ الأشاعرةِ حيثُ جوَّزوا التَّكليفَ بما لا يُطاقُ.

اس میں اشاعرہ کے قول کی تردید ہے "جنہوں نے تکلیف مالا یطاق" کو جائز قرار دیا ہے،

أفعال العباد

قولُهُ: (**وأفعالُ العبادِ بخَلْقِ اللهِ تعالَى وكَسْبٍ مِنَ العبادِ**)، وفيهِ ردٌّ لقولِ المعتزلةِ والجبريَّةِ: فإنَّ المعتزلةَ قالوا: أفعالُ العِبادِ بِخلقِهِمْ لا يخلقُ اللهُ. والجبريَّةُ قالوا: أفعالُهُمْ بخلقِ اللهِ لا كسبَ للعبادِ فيهِ ولا اختيارَ، والمذهبانِ علىٰ طرفَي نقيضٍ في الغُلوِّ والتَّقصيرِ، والطَّريقُ المستقيمُ والمَنهجُ القويمُ ما قالَهُ أهلُ السُّنَّةِ، وهوَ أنَّ الأفعالَ بخَلقِ اللهِ وكَسبِ العبادِ.

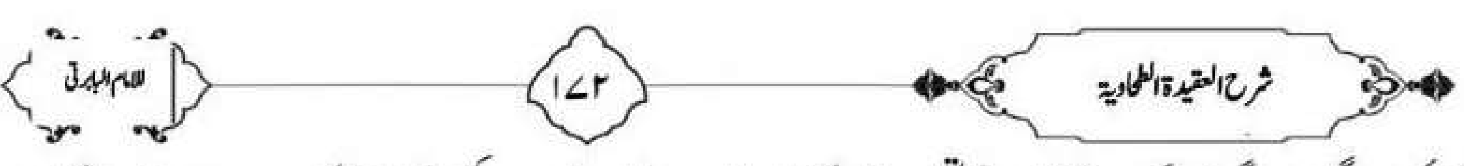
”بندہ کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور بندوں کے کسب کردہ ہیں“، اس میں معتزلہ اور جبریہ کے قول کی تردید ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ: بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرماتے ہیں بلکہ یہ ان کی اپنی تخلیق سے ہوتے ہیں، جبکہ جبریہ کہتے ہیں کہ: ان کے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتے ہیں، بندے کا اس میں نہ کوئی کسب ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اختیار ہوتا ہے، یہ دونوں مذاہب غلو اور تقصیر کے دو متناقض انتہاؤں پر ہیں، جبکہ سیدھا راستہ اور صحیح منہج وہی ہے جو اہل السنہ کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ: افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندوں کے کسب سے ہوتے ہیں۔

أمَّا الدَّليلُ علىٰ أنَّ الأفعالَ بخلقِ اللهِ، فقولُهُ تعالَى: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾، ولأنَّ جميعَ المُمْكناتِ واقعٌ بخلقِهِ، وفعلُ العبدِ مِنْ جُملةِ المُمْكناتِ.

اس پر دلیل کہ افعال اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: ”حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو اُس کو بھی“، اور اس لیے کہ تمام ممکنات اُسی کی تخلیق سے واقع ہوتے ہیں، اور بندے کا فعل بھی من جملہ ممکنات میں سے ہے۔

وأمَّا الدَّليلُ علىٰ أنَّهُ بكسبِهِمْ، فقولُهُ تعالَى: ﴿ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ﴾، وقولُهُ تعالَى: ﴿فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾، وقولُهُ: ﴿وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾، وقولُهُ: ﴿وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا﴾، وقولُهُ: ﴿وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾، ففيمَا قالَهُ الفريقانِ تَرْكٌ لأحدِ الدَّليلينِ، وفيما قلنا جَمْعٌ بينَهما فكانَ أولىٰ.

اور اس پر دلیل کہ یہ بندوں کے کسب سے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: ”یہ سب کچھ تیرے اُس کرتوت کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا“، اور اللہ تعالیٰ کا قول: ”وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے“، اور اللہ تعالیٰ کا قول: ”اور جو شخص کوئی گناہ کمائے تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے“ اور اللہ تعالیٰ کا قول: ”اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو“ اور اللہ تعالیٰ کا قول: ”البتہ جو قسمیں تم نے اپنے دلوں کے ارادے سے



کھائی ہوں گی ان پر گرفت کرے گا"، اور فریقین نے جو کہا اس میں دو دلیلوں میں سے کسی ایک کا ترک ہے، اور جو ہم نے کہا اس میں دونوں کو جمع کرنا ہے، لہذا یہ بہتر ہے۔

انتفاعُ الأمواتِ بدعاءِ الأحياءِ وهباتهم

قولُه: (وفي دُعَاءِ الأَحْيَاءِ وصَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلأمواتِ)، أَمَّا في الدُّعاءِ فلِقولِهِ تعالَى: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾، ومَدَحهُمْ بذٰلكَ، فلوْ لمْ يَكُنْ للدُّعاءِ والاستغفارِ نفعٌ للأمواتِ ما استحقُّوا المدحَ؛ لأنَّ الصَّلاةَ واجبةٌ على الميِّتِ وليسَ فيهَا إلَّا الثَّناءَ وَالدُّعاءَ «اللَّهُمَّ اغفِرْ لحيِّنا وميِّتِنا»، فلولا أنَّ الدُّعاءَ نافعٌ لَمَا وجبتْ الصَّلاةُ على الميِّتِ لعدمِ الفائدةِ.

"زندہ لوگوں کی دعا کرنے اور صدقہ کرنے سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے" جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے کہ: "اور (یہ مالِ فیئ) ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے، وہ یہ کہتے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار ہماری بھی مغفرت فرمایئے اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں" اور اس پر ان کی تعریف کی، اگر دعا اور استغفار میں میت کا فائدہ نہ ہوتا تو یہ مدح کے مستحق بھی نہ ہوتے، اس لیے کہ میت پر نماز جنازہ واجب ہے جبکہ اس میں ثناء اور دعا "اے اللہ ہمارے زندوں اور مردوں کی مغفرت فرما" کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اگر دعا نفع مند نہ ہوتی تو بے فائدہ ہونے کی وجہ سے میت پر نماز جنازہ بھی واجب نہ ہوتی۔

وأمَّا في الصَّدقَةِ فلِقولِهِ عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ: «تَصَدَّقوا عَنْ موتَاكُمْ»، ولو لمْ تكُنْ تنفعُ الصَّدقةُ لَمَا أمرَ بِها.

اور جہاں تک صدقے کا تعلق ہے تو یہ حضور ﷺ کے قول: "اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرو" کی وجہ سے ہے، اور اگر صدقہ نفع مند نہ ہوتا تو اس کا حکم بھی نہ دیا جاتا۔

قولُه: (واللهُ تعالَى يَسْتَجِيبُ الدعواتِ)؛ لأنَّهُ تعالَى أمرَ بالدُّعاءِ ووَعَدَ الاستجابةَ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾، وقالَ تعالَى: ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾.

"اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے اور قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "مجھے پکارو، میں تمہاری دُعائیں قبول کروں گا" اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"۔

قولُه: (وَيَقْضِي الحاجاتِ)؛ لأنَّهُ موصوفٌ بكمالِ الرَّحمةِ، قادرٌ علىٰ كلِّ شيءٍ، ولا يلحَقُهُ مشقَّة في قضائِها، وفيهِ نفعٌ للمحتاجينَ، فالظَّاهرُ أنَّهُ يقضيها وهوَ قاضي الحاجاتِ ومُجيبُ الدَّعواتِ.

"اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں" اس لیے کہ وہ کمالِ رحمت کے ساتھ متصف ہے، ہر چیز پر قادر ہے، اس کو پورا کرنے سے اس کو کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی ہے اور اس میں محتاجوں کے لیے نفع ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کو پورا فرمائیں گے اور وہی ضرورتوں کو پورا فرمانے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

وإنَّما قالَ ذٰلكَ دفعاً لِمَا قالَهُ بعضُ المعتزلةِ: إنَّ الدُّعاءَ ليسَ لهُ تأثيرٌ.

اور مصنف نے یہ بات بعض معتزلہ کے اس بات کی تردید کے لیے کہی ہے کہ: دعا کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔

قولُه: (**ويَمْلِكُ كُلَّ شَيءٍ**)، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾.

"اللہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہے" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے"۔

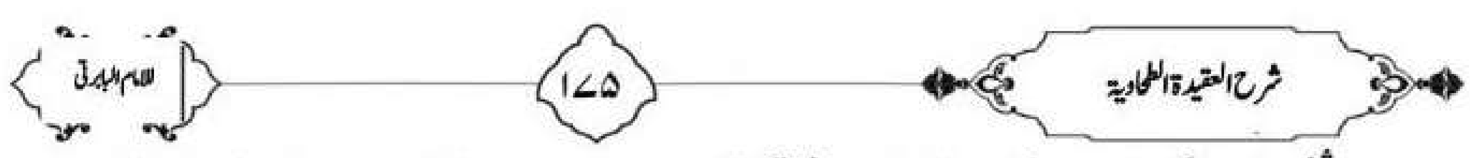
قولُه: (**ولا يَمْلِكُهُ شَيءٌ**)؛ لأنَّ المالكَ لا يصيرُ مملوكاً.

"اور اللہ کا کوئی مالک نہیں ہے" اس لیے کہ مالک کبھی مملوک نہیں بن سکتا ہے۔

قولُهُ: (**ولا غِنَى عنهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ**)؛ لأنَّ كلَّ شيءٍ سواهُ ممكنٌ، والممكنُ في وجودِهِ وبقائِهِ محتاجٌ إلى الواجبِ، فلا يكونُ غنيّاً، فالافتقارُ والحاجةُ إليهِ لازمةٌ لكلِّ شيءٍ، قالَ اللهُ تعالَى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾، فهوَ قيّومٌ لِكُلِّ شيءٍ، إذْ قيامُ الأشياءِ بإقامتِهِ، فلولا عنايتُهُ بالأشياءِ لتَلاشتْ واضمحلَّتْ جميعُها.

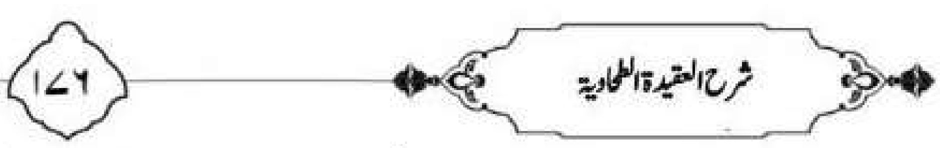
"پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی شخص اللہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے"، اس لیے کہ اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے، اور ممکن اپنے وجود اور بقا میں واجب کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا عاجزی اور اسی کی طرف محتاجی ہر چیز کے لیے لازم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اے لوگوں تم سب اللہ کے محتاج ہو"، وہ ہر چیز کے لیے قیوم ہے، اس لیے کہ چیزوں کا قیام اسی کے قائم کرنے سے ہے، اگر چیزوں کے ساتھ اس کی عنایت نہ ہو تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو جائیں گے۔

قوله: (**وَمَنِ اسْتَغْنَى عَنِ اللهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ**)؛ لأنَّ الافتقارَ صفةٌ لازمةٌ للعبدِ، والغِنَى صفةٌ للرَّبِّ، فإذا ظنَّ العبدُ أنَّهُ مستغنٍ عَنِ الرَّبِّ صارَ جاهِلاً بربِّهِ وبنفسِهِ، مشاركاً لهُ في صفةِ الغِنَى، فيكونُ كافِراً، (**وصارَ مِنْ أهلِ الحَيْنِ**) أيْ: أهلِ الهلاكِ؛ فإنَّ الكافرَ مخلَّدٌ في العذابِ الشَّديدِ، وأيُّ هلاكٍ أشَدُّ مَنْ هٰذا؟!



"جو شخص پلک جھپکنے کے برابر بھی خود کو اللہ سے مستغنی سمجھے وہ کافر ہے" اس لیے کہ بندے کے لیے محتاجی ایک لازمی صفت ہے، اور غنیٰ رب کی صفت ہے، پس جب وہ یہ سمجھے کہ وہ رب سے مستغنی ہے تو وہ اپنے رب اور اپنی ذات سے جاہل اور اپنے آپ کو اس کے ساتھ صفتِ غنی میں شریک کرنے والا ہو گا، تو کافر ہو جائے گا۔

"اور گناہگار ہے" یعنی اہلِ ہلاک میں سے ہے، اس لیے کہ کافر سخت عذاب کے اندر ہمیشہ کے لیے رہے گا، اور اس سے زیادہ کون سی ہلاکت ہو گی۔



بيانُ معنى غضبِ اللهِ ورضاهُ

قولُهُ: (واللهُ تعالَى يَغْضَبُ ويَرْضَى لا كأحدٍ مِنَ الوَرَى)؛ وذٰلكَ لأنَّ اللهَ وصفَ نفسَهُ بالغضبِ والرِّضا، حيثُ قالَ: ﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾، وقالَ: ﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾، فثبتَ أنَّهُ يوصَفُ بالرِّضا والغضبِ، لٰكنَّهُ لا يُرادُ بغضبِهِ ورضاهُ مثلَ غَضَبِ الخلقِ ورضاهُمْ، لأنَّ الغَضَبَ في الخَلْقِ: عبارةٌ عَنْ حالةٍ يتغيَّرُ بها الوجهُ فيحمَرُّ، وتنتفخُ بِهِ الأوداجُ والرِّضا: عبارةٌ عَنْ نَضارةٍ في الوجهِ وسرورٍ في النَّفسِ، واللهُ تعالَى منزَّهٌ عَنِ التَّغيُّرِ وتَبَدُّلِ الأحوالِ.

"اللہ تعالیٰ غصہ فرماتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا غصہ اور رضامندی مخلوق کی طرح نہیں ہے"، اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو غضب اور رضا کے ساتھ متصف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: "اور اللہ ان سے ناراض ہے" اور فرمایا کہ: "اللہ اُن سے خوش ہوگا اور وہ اُس سے خوش ہوں گے"، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ رضا اور غضب کے ساتھ متصف ہوتے ہیں، لیکن اس کے غضب اور رضا سے مراد مخلوق کے غضب اور رضا کی طرح نہیں ہے، اس لیے کہ مخلوق کے اندر غضب: ایک ایسی حالت سے عبارت ہے جس سے چہرہ کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ سرخ ہو جاتا ہے، اور رگیں پھول جاتی ہیں، جبکہ رضا: چہرے میں بشاشت اور نفس میں سرور سے عبارت ہے، اور اللہ تعالیٰ تغیر اور تبدیلی احوال سے پاک ہے۔

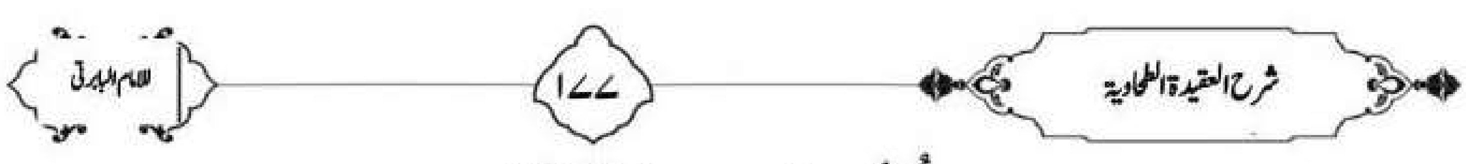
فنقولُ: بأنَّ المرادَ مِنْ «غضبِ اللهِ» هوَ إرادةُ الانتقامِ مِنَ العصاةِ وإنزالُ العقوبةِ بِهِمْ، وأنْ يفعلَ بِهِمْ كما يفعلُ المَلِكُ إذا غَضِبَ علىٰ مَنْ تحتَ يدِهِ. نعوذُ باللهِ مِنْ غَضَبِهِ، والمرادُ مِنْ «رضا اللهِ» هوَ إرادةُ الثَّوابِ لِمَنْ أطاعَهُ، والعفوُ عَمَّنْ عصاهُ، وأنْ يفعلَ بعبيدِهِ كما يفعلُ المَلِكُ بِمَنْ تحتَ يدِهِ إذا رَضِيَ مِنَ الإكرامِ وزيادةِ الإنعامِ.

ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد نافرمانوں سے انتقام لینے اور ان پر عقوبت نازل کرنے کا ارادہ کرنا ہے، اور یہ کہ وہ ان کے ساتھ اس طرح کرے جس طرح بادشاہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کرتا ہے، ہم اللہ کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور اللہ کی رضا سے مراد فرمانبرداروں کے لیے ثواب اور نافرمانوں کے لیے معافی کا ارادہ کرنا ہے، اور یہ کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ وہی کرے جیسا کہ بادشاہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس وقت کرتا ہے کہ جب وہ راضی ہوتا ہے کہ ان کے اکرام اور انعام میں اضافہ کرتا ہے۔

نسألُ اللهَ رضاهُ ورحمتَهُ.

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی اور رحمت کا سوال کرتے ہیں۔



حبُّ أصحابِ رسولِ اللهِ ﷺ

قولُهُ: (ونُحِبُّ أصحابَ رسولِ اللهِ ﷺ، ولا نُفْرِطُ في حبِّ أحدٍ منهُمْ، ولا نتبرَّأُ مِنْ أحدٍ منهُمْ، ونُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهمْ وبغيرِ الحقِّ يذكُرُهُمْ، ولا نَذْكُرُهُم إلّا بخيرٍ، وحُبُّهمْ دينٌ وإيمانٌ وإحسانٌ، وبُغْضُهُمْ كُفْرٌ ونفاق وطُغيانٌ).

"ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں، البتہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے براءت کرتے ہیں، ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھے اور برائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرے، ہم جب بھی صحابہ کا تذکرہ کریں تو خیر ہی سے کریں گے، صحابہ کرام ﷡ سے محبت کو دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں، اور ان سے نفرت کرنے کو کفر، منافقت اور سرکشی سمجھتے ہیں"۔

أمَّا محبَّتُهُمْ فلأنَّ اللهَ تعالَى رضيَ عنْهُمْ ورضوا عنهُ، وأثنىٰ عليهِمْ في التَّوراةِ والإنجيل والفرقانِ حيثُ قالَ: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ إلىٰ قولِهِ: ﴿ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ . . .﴾. وهُمْ بَذَلُوا مجهودَهُمْ في إظهارِ الدِّينِ وإعلاءِ كلمةِ الحقِّ، وهاجَرُوا مِنْ أوطانِهِمْ لمحبَّةِ الرَّسولِ، وآوَوْهُ ونصروهُ وقاتَلوا بينَ يديهِ، فوجبتْ محبَّتُهُمْ، وقدْ قالَ النَّبيُّ ﷺ: «اللهَ اللهَ في أصحابي، لا تتَّخذوهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ، فَمَنْ أحبَّهُمْ فبحُبِّيْ أحبَّهمْ، وَمَنْ أبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذاهُمْ فكأنَّما آذاني، ومَنْ آذاني فكأنَّما آذى اللهَ، وَمَنْ آذى اللهَ كانتِ النَّارُ بهِ أولىٰ».

جہاں تک ان کی محبت کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے توراۃ، انجیل اور قرآن میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں" سے لیکر "یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں اور انجیل میں۔۔۔" تک، اور انہوں نے دین کے غلبہ اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کردی، اور محبتِ رسول کی وجہ سے اپنے علاقوں سے ہجرت کرگئے، آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیا، آپ ﷺ کی نصرت کی اور آپ کی طرف سے لڑے، لہذا ان کی محبت واجب ہے،

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اور میرے بعد انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا، جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، جس نے انہیں ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو اس کے لیے جہنم ہی زیادہ بہتر ہے"۔

وأمَّا أنَّهُ لا نُفْرِطَ في حبِّ أحدٍ منهم؛ لأنَّ الإفراطَ في الشَّيءِ يوجبُ الفسادَ والبغضَ لغيرِهِ، ألا ترىٰ أنَّ الرَّافضةَ أفرطوا في حبِّ عليٍّ رضيَ اللهُ عنهُ فوقعوا في بُغضِ أبي بكرٍ الصِّدِّيقِ وعمرَ وعثمانَ رضيَ اللهُ عنهُمْ، ونعوذُ باللهِ مِنْ ذٰلكَ، وادَّعوا في عليٍّ الإلهيَّةَ والنُّبوَّةَ كما هوَ اعتقادُ الغُلاةِ مِنَ الرَّافضةِ، وقدْ قالَ النَّبيُّ عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ لعليٍّ رضيَ اللهُ عنهُ: «يهلكُ فيكَ اثنانِ: مُبغِضٌ مُفرِّطٌ، ومُحبٌّ مُفرِطٌ»، وقدْ كانَ كما قالَ عليهِ السَّلامُ، فإنَّ الخوارجَ هلكوا بإفراطِ بغضِهِ كهلاكِ الرَّافضةِ بإفراطِ محبَّتِهِ.

رہا یہ ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک کی محبت میں افراط سے کام نہیں لیں گے، اس لیے کہ کسی بھی چیز میں افراط فساد اور دوسرے کے بغض کو کھینچ لاتا ہے، آپ نہیں دیکھتے کہ روافض نے حضرت رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط سے کام لیا، تو حضرت ابو بکر صدیق، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بغض میں پڑ گئے، اور ہم اس چیز سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اور انہوں نے حضرت علی کے بارے میں معبودیت اور نبوت تک کا دعویٰ کر دیا، جیسا کہ غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "تمہارے معاملے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے: ایک بغض رکھنے والے اور (تمہاری شان میں) تفریط (تنقیص) کرنے والے، اور دوسرے محبت میں افراط سے کام لینے والے" اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ خوارج آپ رضی اللہ عنہ کے بغض میں ہلاک ہو گئے اور روافض محبت میں افراط سے کام لینے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

وأمَّا التَّبرِّي منهم فزيغٌ وضلالٌ؛ لأنَّهم على المنهجِ القويمِ والدِّينِ المستقيمِ، والاهتداءُ منوطٌ بالاقتداءِ بِهِمْ، حيثُ قالَ عليهِ السَّلامُ: «أصحابي كالنُّجومِ بأيِّهِمْ اقتديتُمْ اهتديتُمْ»، ففي التَّبرِّي منهم عدمُ الاهتداءِ، وهوَ الضَّلالُ.

جہاں تک ان سے براءت کا تعلق ہے تو یہ کج روی اور گمراہی ہے، اس لیے کہ وہ صحیح منہج اور دین مستقیم پر ہیں، اور ہدایت ان کی اقتداء کے ساتھ مشروط ہے، کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے"، جبکہ ان سے براءت ہدایت کی نفی ہے، اور یہ گمراہی ہے۔

ونبغضُ مَنْ يُبغضِهُمْ؛ لأنَّ بُغْضَهُمْ إنَّما ينشأُ مِنْ بُغضِ دينِهِمُ الذي ارتضاهُ اللهُ، حيثُ قالَ: ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾، وذٰلكَ دليلُ خبثِ الاعتقادِ، ونتيجةُ النِّفاقِ والفسادِ، فيجبُ بُغضُ مَنْ يُبغضُهُمْ وبغيرِ الخيرِ يذكرُهُمْ.



اور ہم اس شخص سے بغض رکھیں گے جو ان سے بغض رکھے گا، اس لیے کہ یہ بغض اس دین کے بغض سے پیدا ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے کہ فرمایا کہ: "اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا" اور یہ سوءِ اعتقاد کی دلیل اور نفاق اور فساد کا نتیجہ ہے، لہٰذا ان لوگوں سے بغض رکھنا واجب ہے جو ان سے بغض رکھے یا ان کا تذکرہ برے طریقے سے کرے۔

ولا نخوضُ فيما شجرَ بينَهُمْ، ونحملُ حالَهُمْ على الاجتهادِ، ولا نذكرُهُمْ إلَّا بخيرٍ لأنَّهُمْ أصولُ هٰذا الدِّينِ، فالطَّعنُ فيهِمْ طعنٌ في الدِّينِ.

ان کے درمیان چلنے والے مشاجرات میں غور نہیں کریں گے، اور ان کی حالت کو اجتہاد پر محمول کریں گے، اور ان کا تذکرہ صرف خیر کے ساتھ کریں گے، اس لیے کہ وہ اس دین کی بنیاد ہیں، ان پر طعنہ زنی کرنا دین پر طعنہ زنی کرنا ہے۔

وحبُّهم دينٌ وإيمانٌ وإحسانٌ، وبغضُهُمْ كفرٌ ونفاقٌ وطُغيانٌ، وهٰذا كلُّه ظاهرٌ مِنْ ضرورياتِ الشَّرعِ.

ان کی محبت کی دین، ایمان اور احسان ہے، اور ان کا بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے، اور یہ سب واضح طور پر ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔

ترتيبُ الخلافةِ بعدَ وفاتِهِ ﷺ

قولُهُ: (ونُثبِتُ الخلافةَ بعدَ رسولِ اللهِ ﷺ لأبي بكرٍ الصِّدِّيقِ، تَفْضِيلاً لهُ وتَقْدِيماً علىٰ جَميعِ الأُمَّةِ، ثُمَّ لعُمَرَ بنِ الخَطَّابِ، ثُمَّ لِعثمانَ بنِ عَفَّانَ، ثُمَّ لِعليِّ بنِ أبي طالبٍ رضيَ اللهُ عنهُمْ، وهُمُ الخلفاءُ الرَّاشدونَ والأئمَّةُ المَهديُّونَ)، الإمامُ الحقُّ بعدَ رسولِ اللهِ ﷺ أبو بكرٍ الصِّدِّيقِ. وخالفَ الشِّيعةُ جمهورَ المسلمينَ، وزعموا أنَّ الإمامَ الحقَّ بعدَ الرَّسولِ ﷺ عليٌّ رضيَ اللهُ عنهُ.

ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں، کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں، یہی چار خلفاءِ راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں، جنہوں نے حق وصداقت سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور برحق فیصلے کیے، رسول اللہ ﷺ کے بعد امامِ برحق حضرت ابو صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ شیعوں نے جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

وحجَّةُ جمهورِ المسلمينَ أنَّ الصَّحابةَ مِنَ المهاجرينَ والأنصارِ أجمعوا علىٰ إمامةِ أبي بكرٍ رضيَ اللهُ عنهُ، وهوَ مِنْ أقوى الحُجَجِ في إثباتِ الإمامةِ، وسندُ ذٰلكَ الإجماعِ قولُهُ عليهِ السَّلامُ: «مُرُوا أبا بكرٍ فَلْيُصلِّ بالنَّاسِ»، استخلَفَهُ في حياتِهِ في الصَّلاةِ الَّتي هيَ أعظمُ أركانِ الدِّينِ، فيبقىٰ بعدَ موتِهِ خليفتُهُ في الصَّلاةِ، وفي غيرِ الصَّلاةِ بطريقِ الأَولىٰ، ولِهٰذا قالَ عُمَرَ رضيَ اللهُ عنهُ: رضيكَ رسولُ اللهِ لدينِنا أفلا ترضاكَ لدنيانا؟، ولأنَّهُ أفضلُ النَّاسِ بعدَ الأنبياءِ، لِقولِهِ عليهِ السَّلامُ: «واللهِ ما طلعتِ الشَّمسُ ولا غربتْ علىٰ أحدٍ بعدَ النَّبيِّينَ أفضلَ مِنْ أبي بكرٍ.

اور جمہور مسلمانوں کی دلیل یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کے تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر اجماع کرلیا، اور امامت کے اثبات میں یہ قوی ترین دلیل ہے، اور اس اجماع کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ: ”حضرت ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“ اپنی حیات میں ہی حضرت ابو بکر نماز کا خلیفہ بنایا جو کہ دین کا سب سے بڑا رکن ہے، تو وہ آپ کی وفات کے بعد بھی نماز میں آپ کا خلیفہ رہیں گا تو نماز کے علاوہ معاملات میں بطریق اولیٰ رہیں گے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تو کیا ہم آپ کو اپنی دنیا کے لیے پسند نہیں کریں گے؟ اور اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں، حضور ﷺ کے اس قول کی وجہ سے: ”اللہ کی قسم انبیاء کے بعد حضرت ابو بکر سے زیادہ افضل شخص پر نہ سورج طلوع ہوا ہے اور نہ ہی غروب ہوا ہے“۔

وإذا ثبتتْ خلافةُ أبي بكرٍ رضيَ اللهُ عنهُ بالإجماعِ، وقدْ أوصىٰ بالخلافةِ لعمرَ رضيَ اللهُ عنهُ واتّفقَتِ الصَّحابةُ على بيعتِهِ، ثبتتْ خلافةُ عمرَ رضيَ اللهُ عنهُ بعدَهُ. وإليهِ أشارَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ: «اقتدوا باللَّذينَ مِنْ بعدي، أبي بكرٍ وعمرَ رضيَ اللهُ عنهُما.

اور جب اجماع کے ذریعے سے حضرت ابو بکر کی خلافت ثابت ہوگئی اور انہوں نے حضرت عمر کی خلافت کی وصیت کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی بیعت پر متفق ہوگئے تو اس کے بعد حضرت کی خلافت بھی ثابت ہوگئی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرنا“۔

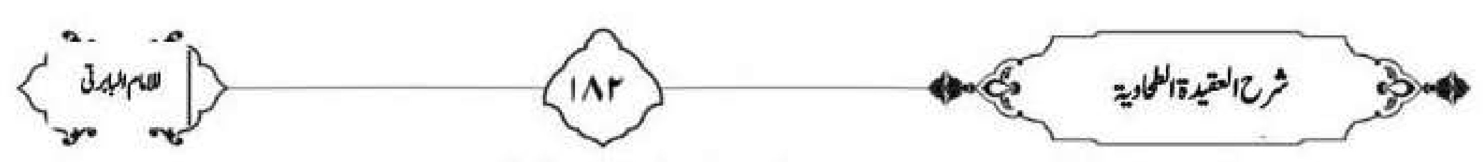
ثمَّ عمرُ رضيَ اللهُ عنهُ لمْ يستخلفْ أحداً عندَ وفاتِهِ، وتركَ الأمرَ شورىٰ بينَ ستَّةٍ مِنَ الصَّحابةِ، كُلُّهُمْ مشهودٌ لَهُمْ بالجنَّةِ: عثمان، وعليّ، وعبد الرّحمن بن عوف، وطَلحة، والزُّبير، وسعد بن أبي وقّاص، فبايع عبدُ الرَّحمن بن عوف عثمانَ بنِ عفَّان ورضيَ بِهِ الباقونَ مِنْ أهلِ الشُّورىٰ وغيرِهِمْ مِنَ الصَّحابَةِ، فثبتتْ خلافتُهُ بإجماعِ الصَّحابةِ.

پھر حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت کسی کو خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا، اور معاملے کو چھ افراد پر مشتمل شوری کے حوالے کر کے چھوڑ دیا، اور یہ چھ سب کے سب وہ ہیں جن کے لیے جنت کی گواہی دی گئی ہے، حضرت عثمان، علی، عبد الرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، پس عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عثمان عفان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور باقی شوریٰ اور غیر شوریٰ کے تمام صحابہ اس پر راضی ہوگئے، لہذا ان کی خلافت بھی اجماعِ صحابہ سے ثابت ہوگئی ہے۔

ثمَّ استشهدَ عثمانُ ولمْ يستخلفْ أحداً، فاتّفقَ مَنْ بَقِيَ مِنْ أهلِ الشُّورىٰ وغيرِهِمْ علىٰ خلافةِ عليٍّ رضيَ الله عنهُ، فانعقدتْ خلافتُهُ بمبايَعَتِهِمْ.

پھر حضرت عثمان شہید ہوگئے لیکن کسی کو بھی خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا، پس شوریٰ کے باقی ماندہ افراد اور دوسرے حضرات حضرت علی کی خلافت پر متفق ہوگئے، ان کی بیعت سے حضرت علی کی خلافت منعقد ہوگئی۔

وقدِ انتهتِ الخلافةُ بعدَ عليٍّ رضيَ اللهُ عنهُ لقولِهِ عليهِ السَّلامُ: «الخلافةُ بعدي ثلاثونَ سنةً، ثمَّ يصيرُ ملكاً وجبروتاً، ثمَّ يصيرُ عَزَّ بزَّ»، مأخوذٌ من «بَزَّ» يقالُ: «مَنْ عزَّ بزَّ»، أيْ: مَنْ غَلَبَ سَلَبَ. والنَّبيُّ ﷺ عَرَف بالوحيِ - وهوَ معجزةٌ باهرةٌ - أنَّ الخلافةَ تنتهي إلىٰ ثلاثينَ سنةً، وهٰكذا كانتْ، فإنَّ مُدَّةَ خلافةِ أبي بكرٍ رضيَ اللهُ عنهُ كانتْ سنتَينِ، ومدَّةَ خلافةِ عمرَ رضيَ اللهُ عنهُ كانتْ عشرَ سنينَ، ومدَّةُ خلافةَ عثمانَ كانتِ اثنتي عشرةَ سنةً، ومدَّة خلافةِ عليٍّ رضيَ اللهُ عنهُ كانتْ ستَّ سنينَ،

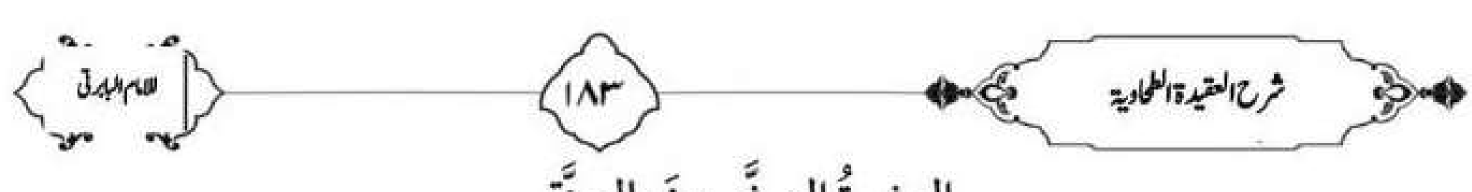


والمجموعُ ثلاثونَ سنة. وهُمُ الخلفاءُ الرَّاشدونَ والأئمَّةُ المهديُّونَ الذين ساروا سيرةَ الرَّسولِ عليهِ السَّلامُ، ولمْ يَعْدلوا عنْ طريقتِهِ في شيءٍ، وهُمُ الذينَ أشارَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ إليهِمْ بقولِهِ: «عليكُمْ بسنَّتِي وسنَّةِ الخلفاءِ الرَّاشدينَ المهديِّينَ من بعدي، تمسَّكوا بِها».

حضور ﷺ کے اس قول کی بنا پر حضرت علی کے بعد خلافت ختم ہوگئی کہ: "خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی، پھر جابر بادشاہ ہوں گے، پھر طاقت کا استعمال ہوگا اور زبردستی ہوگی" (لفظ عزَّ وبزَّ میں بزَّ) "بزَّ" سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے کہ: "مَن عزَّ وبزَّ" یعنی جو غالب آیا اور چھین لیا، اور اسی طرح ہوا۔

اس لیے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت دو سال تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت دس سال تھی، اور حضرت عثمان کی خلافت کی مدت بارہ سال تھی، اور حضرت علی کی خلافت کی مدت چھ سال تھی، اور ان کا مجموعہ تیس سال ہوتا ہے۔

اور یہی خلفاءِ راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں جو رسول ﷺ کے راستے پر چلے، اور کسی بھی چیز میں آپ کے راستے سے نہیں ہٹے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضور ﷺ نے اپنے قول: "تمہارے اوپر میری سنت اور میرے بعد خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا واجب ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑو" سے اشارہ فرمایا۔



العشرةُ المبشَّرونَ بالجنَّةِ

قوله : (وإنَّ العَشَرَةَ الذينَ سمَّاهُمْ رسولُ اللهِ وَبَشَّرهُم بِالجَنَّةِ، نَشْهَدُ لَهُمْ بِالجِنَّةِ علىٰ ما شَهِدَ لَهُمْ رسولُ اللهِ، وقَوْلُهُ الحقُّ، وهُمْ: أبو بكرٍ، وعُمرُ، وعثمانُ، وعليٌّ، وطلحةُ، والزبيرُ، وسعدٌ، وسعيدٌ، وعبدُ الرَّحمنِ بنُ عوفٍ، وأبو عبيدةَ بنِ الجرَّاحِ، وهُمْ أُمناءُ هٰذهِ الأُمَّةِ رِضوانُ اللهِ عليهِمْ أجمعينَ)، ومعناهُ ظاهرٌ.

اور وہ دس جن کا نام لے کر نبی کریم ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے، ہم ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے، آپ ﷺ کی بات بالکل سچی ہے، اور وہ دس حضرات یہ ہیں: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور یہ سب اس امت کے امین ہیں، اس کا معنی واضح ہے۔

قوله: (ومَنْ أحسنَ القولَ في أصْحابِ رسولِ اللهِ ﷺ وأزواجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ فقدْ برِئَ مِنَ النِّفاقِ)؛ وذٰلكَ لأنَّ الصَّحابةَ قدْ أثنىٰ عليهِمْ سبحانَهُ وتعالَى في مواضعَ كثيرةٍ، منها قولُهُ تعالَى: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ﴾، وقولُهُ: ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾، وقولُهُ: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ فيجبُ تعظيمُهُمْ، فمَنْ أحسنَ القولَ فيهِمْ فقدْ برِىءَ مِنَ النِّفاقِ.

"جو شخص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی اولاد کے بارے میں اچھی بات کرے تو ایسا شخص منافق نہیں ہو سکتا" اور یہ اس لیے ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر کی ہے، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: "اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے ہیں"، اور اللہ تعالیٰ کا قول: "اُس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اُن کو رُسوا نہیں کرے گا"، اور اللہ تعال کا قول: "وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحمدل ہیں، تم اُنہیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں"، ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے، جو ان کے بارے میں اچھی بات کرے تحقیق وہ نفاق سے بری ہو گیا۔

وكذٰلكَ أزواجُ النَّبيِّ عليهِ السَّلامُ مِنْ أمَّهاتِ المؤمنينَ، ومَعَهُنَّ بركةُ صحبةِ خاتَمِ النَّبيينَ.

اور اسی طرح امہات المؤمنین آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں جن کے ساتھ خاتم النبیین کی صحبت کی برکت ہے۔



وكذلكَ ذريَّاتُهُ عِتْرَتُهُ الطَّاهِرَةُ، قدْ أذهبَ اللهُ عنهُمُ الرِّجسَ وطهَّرَهُمْ تطهيراً، فمحبَّتُهُمْ آيةُ الإيمانِ، والبراءةُ منهُمْ أمارةُ النِّفاقِ، وإساءَةُ القولِ فيهِمْ إنَّما يكونُ لخُبثِ الباطنِ وسوءِ الاعتقادِ.

اور اسی طرح آپ ﷺ کی پاک اہل بیت ہیں، جن سے اللہ نے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو پاک صاف کر دیا، ان کی محبت ایمان کی علامت ہے، اور ان سے براءت نفاق کی نشانی ہے، ان کے بارے میں بری بات باطنی خباثت اور سوءِ اعتقاد کی وجہ سے ہے۔



كلمة حق في علماء السَّلف

قولُهُ: (وعلماءُ السَّلفِ مِنَ الصَّالِحِينَ والتَّابِعِينَ ومَنْ بَعدَهُم مِنْ أهلِ الخيرِ والأثرِ وأهلِ الفقهِ والنَّظرِ، لا يُذْكرونَ إلَا بالجميلِ، وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بسوءٍ فَهُوَ علىٰ غيرِ السَّبيلِ)، لأنَّ تعظيمَ هؤلاءِ مِنْ تعظيمِ الدِّينِ؛ لأنَّهُمْ ورثةُ الأنبياءِ ونقَلَةُ الشَّريعةِ، فوَجَبَ اتِّباعُهُمْ والثَّناءُ عليهِمْ، وكفُّ اللِّسانِ عَنِ الطَّعنِ فيهِمْ، فَمَنْ ذكرَهُمْ بالسُّوءِ وطَعَنَ فيهِمْ، فقدْ طَعَنَ في الدِّيْنِ وعَدَلَ عَنْ سُنَنِ المُرْسَلِينَ، وذٰلكَ علامةُ النِّفاقِ والشِّقاقِ.

”پہلے والے علماءِ صالحین اور تابعین اور ان کے بعد کے اہلِ خیر محدثین صاحبِ نظر فقہاء ہیں، ان کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے، اور جو ان کی برائی کرے وہ سیدھے راستے پر نہیں ہے“ اس لیے کہ ان حضرات کی تعظیم دین کی تعظیم ہے، اس لیے کہ یہ انبیاء کے وارث اور شریعت کے نقل کرنے والے ہیں، ان کی اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے بارے میں طعنہ زنی کرنے سے زبان کو بچانا واجب ہے، اور جو شخص برے الفاظ میں ان کا تذکرہ کرے اور ان کے بارے میں طعنہ زنی کرے تو اس نے دین میں طعنہ زنی کی اور رسولوں کے طریقے سے ہٹ گیا، اور یہ نفاق اور بدبختی کی علامت ہے۔

بيان أنَّ درجة الولايةِ دونَ درجةِ النُّبُوَّةِ

قولُه: (وَلا نُفَضِّلُ أحداً مِّنَ الأولياءِ علىٰ أحدٍ مِنَ الأنبياءِ، ونَقولُ: نبيٌّ واحدٌ أفضلُ مِنْ جميعِ الأولياءِ، ونُؤْمِنُ بما جاءَ مِنْ كَرامَاتِهِمْ، وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رواياتِهِمْ).

"اور ہم کسی ولی کو کسی نبی سے افضل نہیں سمجھتے، بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ فقط ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے، اور ہم اولیاء کی کرامات کو برحق سمجھتے ہیں، اور جو قصے معتبر حضرات سے مروی ہیں ان کو بھی درست سمجھتے ہیں"۔

لا يبلغُ وليٌّ قطُّ درجةَ النَّبيِّ؛ لأنَّ الوليَّ تابعٌ للنبيِّ، والتَّابعُ درجتُهُ دونَ درجةَ المتبوعِ؛ ولأنَّ كلَّ نبيٍّ وليٌّ، وليسَ كلَ وليٍّ نبياً، ففي النَّبيِّ اجتمعتِ النُّبُوَّةُ والولايةُ، فيكونُ أفضلَ مِنَ الوليِّ.

کبھی بھی کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے، اس لیے کہ ولی نبی کا تابع ہوتا ہے، اور تابع کا درجہ متبوع کے درجہ سے کم ہوتا ہے، اور اس لیے کہ ہر نبی ولی ہوتا ہے، جبکہ ہر ولی نبی نہیں ہوتا ہے، پس نبی میں نبوت اور ولایت دونوں جمع ہیں لہٰذا وہ ولی سے افضل ہوں گے۔

وفيهِ ردٌّ لِمَا يزعمُهُ بعضُ جُهَّالِ الصُّوفيةِ مِنْ ترجيحِ الولايةِ على النُّبوَّةِ. ولأنَّ النَّبيَّ ﷺ قالَ: «واللهِ ما طلعتِ الشَّمسُ ولا غربتْ علىٰ أحدٍ بعدَ النَّبيِّينَ أفضلَ مِنْ أبي بكرٍ، وهٰذا الحديثُ يقتضي أنَّ أبا بكرٍ الصديقُ رضيَ اللهُ عنهُ أفضلَ مِنْ جميعِ الأولياءِ الذينَ ليسوا بأنبياءٍ، فإذا كانَ الصديقُ أفضلَ مِنَ الأولياءِ فالأنبياءُ أولىٰ.

اور اس (عبارت) میں بعض جاہل صوفیوں کی تردید ہے جو ولایت کو نبوت پر ترجیح دیتے ہیں، اور اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "خدا کی قسم! انبیاء کے بعد ابو بکر سے زیادہ افضل آدمی پر نہ سورج طلوع ہوا ہے اور نہ ہی غروب ہوا ہے" اور یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام اولیاء سے افضل ہوں جو نبی نہیں ہیں، پس جب صدیق اولیاء سے افضل ہے تو انبیاء بطریق اولی افضل ہوں گے۔

بيان

أن كرامات الأولياء حق

ونُؤمِنُ بما جاءَ في كرامةِ الأولياءِ، لأنَّهُ قدْ وَرَدَ في القرآنِ قصَّةُ عرشِ بلقيسَ وقولُ ذلكَ الوليِّ، وهوَ آصفُ بنُ بَرخيا، وهوَ رجلٌ مَنْ أصحابِ سليمانَ عليهِ السَّلامُ، لمْ يكنْ نبيّاً علىٰ ما حكى اللهُ تعالَى بقولِهِ: ﴿قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي﴾، وقصَّةُ مريمَ وما ظَهَرَ لَها مِنَ الخوارقِ مِنْ رِزقِ الشِّتاءِ في الصَّيفِ، ورزقِ الصَّيفِ في الشِّتاءِ، وظهورُ النَّخلةِ في الصَّحراءِ، وتَساقطِ الرُّطَبِ عنها، مِنْ أعظمِ الكراماتِ لمريمَ علىٰ ما حكى اللهُ تعالَى بقولِهِ: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا﴾، وبقوله: ﴿وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾، والآثارُ والأخبارُ في كراماتِ الأخيارِ مستفيضةٌ.

اور اولیاء کی کرامات کو بھی ہم برحق سمجھتے ہیں، اس لیے کہ قرآن میں بلقیس کے تخت کا واقعہ اور اس ولی کا قول مذکور ہے، جس کا نام آصف بن برخیا ہے، اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک بندہ تھا، اللہ تعالیٰ کے قول: "جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اُٹھا: میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں، چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے" کی حکایت کے مطابق وہ نبی نہیں تھا۔

اور حضرت مریم کا واقعہ اور ان سے ظاہر ہونے والے خوارق جیسے گرمی میں سردیوں کی خوراک اور سردی میں گرمی کی خوراک، اور صحراء میں کھجور کے درخت کا ظہور، اور اس سے تازہ کھجوروں کا گرنا اللہ تعالیٰ کے قول: "جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے"، اور "کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، اُس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی" کی حکایت کے مطابق حضرت مریم کی بڑی کرامات میں سے ہیں۔

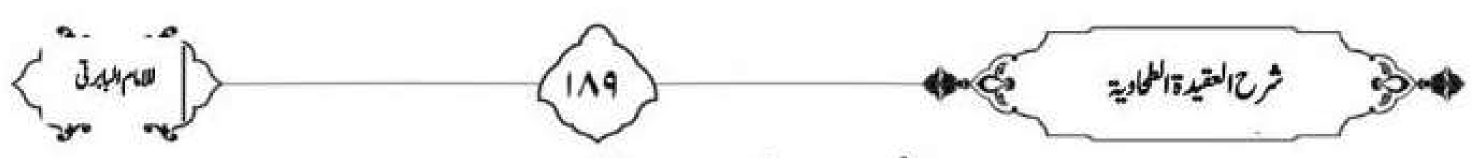
اور نیک لوگوں کی کرامات سے متعلق احادیث واخبار مشہور ہیں۔

وكلُّ كرامةٍ تظهرُ علىٰ يدِ وليٍّ فهيَ معجزةٌ لنبيٍّ؛ لأنَّهُ إنَّما أكرمَ اللهُ الوليَّ بتلكَ الكراماتِ ببركةِ متابعةِ النَّبيِّ، فكلُّ ما يظهرُ علىٰ يدِهِ يكونُ دليلاً علىٰ صدقِ النَّبيِّ، فلا تكونُ الكرامةُ قطُّ قادحةً في المعجزةِ، بلْ هيَ مؤيِّدةٌ لها، دالَّةٌ عليها، خلافاً لما زعمتِ المعتزلةُ مِنْ حيثُ أنَّهُ لا يبقىٰ فرقٌ بينَ الوليِّ والنَّبيِّ لوْ جوَّزنا ظهورَ المعجزةِ علىٰ يدِ الوليِّ.

اور ہر وہ کرامت کہ جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ کسی نبی کا معجزہ بھی ہوتی ہے، اس لیے کہ اللہ نے ولی کو ان کرامات کے ذریعے نبی کی متابعت کی برکت سے شرف بخشا ہے، پس ہر وہ چیز جو اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوگی وہ نبی کی سچائی پر دلیل ہوگی، لہذا کرامت کسی طرح سے بھی معجزہ کے لیے قادح نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی تائید کنندہ ہے، اس پر دلالت کرنے والی ہے، بر خلاف معتزلہ کی اس سوچ کے کہ اگر ہم نے ولی کے ہاتھ پر معجزہ کے ظہور کو جائز قرار دیا تو ولی اور نبی کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

قلنا: المعجزةُ تقارنُ دعوى النُّبوَّةِ، ولو ادَّعى الوليُّ النُّبوَّةَ لكفرَ مِنْ ساعتِهِ. ولأنَّ الوليَّ يجوزُ أنْ يعلمَ أنَّهُ وليٌّ ويجوزُ ألَّا يعلمَ، بخلافِ النَّبيِّ، ويجوزُ إظهارُ الكرامةِ للوليِّ، ترغيباً للمسترشدِ لا إعجاباً وفخراً.

ہم کہتے ہیں کہ: معجزہ نبوت کے دعوی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، جبکہ ولی اگر نبوت کا دعوی کر بیٹھے تو اسی وقت کافر ہو جائے گا، اور اس لیے کہ ولی کے لیے یہ ممکن ہے کہ اسے اپنے ولی ہونے کا علم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے معلوم نہ ہو، بر خلاف نبی کے (کہ اسے اپنی نبوت کا ہر حال میں معلوم ہونا ضروری ہے) اور ولی کے لیے مسترشد کی ترغیب کے لیے کرامت کا اظہار جائز ہے نہ کہ تکبر اور فخر کے لیے۔



بيانُ بعضِ أشراطِ السَّاعةِ

وقولُه: (**ونُؤمِنُ بِخروجِ الدَّجَّالِ وَنُزُولِ عيسى بنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ، وَنُؤْمِنُ بطلوعِ الشَّمسِ مِنْ مَغْرِبِها، وخُرُوجِ دَابَّةِ الأرضِ مِنْ مَوضِعِها**)، لأنَّ النَّبِيَّ ﷺ أخبرَ بِهٰذهِ الأشياءِ، وهوَ صادقٌ، فيجبُ الإيمانُ بما أخبرَ بِهِ، والأحاديثُ فيها مستفيضةٌ.

"اور ہم خروجِ دجال، حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونے، سورج کا مغرب سے طلوع ہونے اور دابۃ الارض کا اپنی جگہ سے نکلنے پر ایمان رکھتے ہیں"، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے متعلق خبر دی ہے، اور وہ سچے ہیں، اسی لیے ان چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے جن کی آپ نے خبر دی ہے، اور اس حوالے سے احادیث مشہور ہیں۔

بيانُ حكمِ الكاهِنِ والعرَّافِ

قولُهُ: (ولا نُصدِّقُ كاهنًا، ولا عرافًا، ولا مَنْ يَدَّعِي شيئًا بِخِلافِ الكتابِ والسُّنَّةِ وإجماعِ الأمَّةِ)، أمَّا تكذيبُ الكاهِنِ والعرَّافِ فلأنَّ الاطلاعَ على الغَيبِ ممَّا استأثَرَ اللهُ بِهِ نفسَهُ، لا يطَّلِعُ عليهِ أحدٌ إلَّا مَنِ ارتضاهُ اللهُ تعالَى مِنْ أنبيائِهِ بالوحْيِ إليهِمْ، علىٰ ما قالَ اللهُ تعالَى: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾.

"ہم کسی کاہن اور نجومی کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ ہی اس شخص کو مانتے ہیں جو کتاب اللہ، سنت اور اجماعِ امت کے خلاف کسی بات کا دعویٰ کرے"، جہاں تک کاہن اور نجومی کو جھٹلانے کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ یہ غیب کی ایسی چیزوں کی بارے میں اطلاع ہے کہ جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر دیا ہے، اس پر کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا ہے سوائے انبیاء میں سے اس کے کہ جس کو اللہ پاک وحی کے ذریعے مطلع کرنے کو پسند کرے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر کہ: "چنانچہ وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے کسی پیغمبر کے جسے اُس نے (اس کام کے لیے) پسند فرمالیا ہو"۔

والكاهِنُ والعرَّافُ ليسا مِنَ الأنبياءِ فلا نُصدِّقُهُما، وقدْ صحَّ عنِ النَّبيِّ عليهِ السَّلامُ: «مَنْ أتىٰ عرَّافًا أو كاهِنًا فصدَّقَهُ فقدْ كَفَرَ بما أُنزِلَ علىٰ محمَّدٍ».

اور کاہن اور نجومی انبیاء میں سے نہیں ہیں تو ہم ان کی تصدیق بھی نہیں کریں گے، اور یہ بات نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ: "جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، تو اس نے محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین سے کفر کیا"

وكذا لا نُصدِّقُ مَنْ يدَّعي شيئًا مخالفًا لكتابِ اللهِ وسُنَّةِ رسولِهِ وإجماعِ الأمَّةِ، لأنَّ هٰذِهِ الأدلَّةُ هِيَ أصولُ الشَّرعِ، فمَنِ اعتقَدَ شيئًا علىٰ خلافِ ما في أدلةِ الشَّرْعِ يكونُ بدعةً، وكلُّ بدعةٍ ضلالةٌ.

اور اسی طرح ہم اس شخص کی تصدیق نہیں کریں گے جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماعِ امت کے خلاف کسی بات کا دعویٰ کرے، اس لیے کہ یہ دلائل ہی شریعت کے اصول ہیں، پس جو شخص شرعی دلائل کے اندر موجود کسی چیز کے برخلاف کا اعتقاد رکھے تو وہ بدعت ہو گی اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

لزومُ الجماعةِ

قولُه: (وَنَرَى الجَمَاعَةَ حَقًّا وصَوَابًا، والفُرقةَ زيغًا وعذابًا)، أرادَ بـ«الجماعة» ما كانَ عليهِ الصَّحابةُ والتابعونَ وأهلُ الحلِّ والعقدِ في كلِّ عصرٍ، لأنَّهُ عبارةٌ عنِ الإجماعِ، وقدْ قالَ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ: «لا تجتمعُ أمَّتي على الضَّلالةِ»، و«ما رآهُ المسلمونَ حَسَنًا فهوَ عندَ اللهِ حسنٌ».

"ہم جماعت (امت کے اجماعی مسائل) کو برحق اور درست سمجھتے ہیں، اور اس سے الگ ہونے کو گمراہی اور (آخرت کے) عذاب کا سبب سمجھتے ہیں"، "جماعت" سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ ہے جس پر صحابہ، تابعین اور ہر زمانے کے اہل حل وعقد ہیں، اس لیے کہ یہی اجماع سے عبارت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی" اور "جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوگی"۔

وأرادَ بـ«بالفُرقةِ» مخالفةَ الإجماعِ وما اتَّفقَ عليهِ أهلُ الحِلِّ والعقدِ، فإنَّ مخالفةَ الإجماعِ زَيغٌ، أي: مَيلٌ عنِ الطَّريقِ المُستقيمِ، وعذابٌ لأنَّه يوصلُ إلى العذابِ الأليمِ، وقدْ نهى اللهُ عنْ ذٰلكَ حيثُ قالَ: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾، وقدْ ثبتَ في الأخبارِ عَنِ النَّبيِّ المُختارِ: «مَنْ فارَقَ الجماعةَ قيدَ شِبْرٍ فقدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الإسلامِ مِنْ عُنُقِهِ»، «يَدُ اللهِ على الجماعةِ، فَمَنْ شَذَّ شَذَّ في النَّارِ».

اور "فُرقہ" سے مراد اجماع اور اس بات کی مخالفت ہے کہ جس پر اہل حل وعقد متفق ہیں، اس لیے کہ اجماع کی مخالفت کج روی ہے، یعنی صراط مستقیم سے ہٹ جانا ہے، اور عذاب ہے، اس لیے کہ یہ عذابِ الیم تک پہنچانے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے"، اور محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں ثابت شدہ منقول ہے کہ: "جس نے جماعت سے بالشت برابر علیحدگی اختیار کی تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی (یعنی پابندی) اتار پھینکی"، "جو جماعت سے الگ ہوا، اسے تنہا آگ میں ڈالا جائے گا"۔

قولُه: (ودِينُ اللهِ في السَّماءِ والأرضِ واحدٌ، وهوَ دينُ الإسلامِ)، كما قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾، ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾، وذٰلكَ لأنَّ أهلَ السَّماءِ والأرضِ مِنَ الملائكةِ والجِنِّ والإنسِ، كلَّهُمْ مكلَّفُونَ بالتَّوحيدِ والإيمانِ باللهِ بأسمائِهِ وصفاتِهِ، وتصديقِ ما جاءَ بِهِ الأنبياءُ، وبالمَبْدَأِ والمعادِ، وذٰلكَ واحدٌ لا يختلفُ فيهِ أحدٌ مِنَ المكلَّفِينَ، ولا يُقبلُ غيرُ دينِ الإسلامِ مِنْ أحدٍ، كما قالَ اللهُ تعالَى: ﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾، فدلَّ علىٰ أنَّ أصلَ الدِّينِ - وهوَ

الإسلامُ - واحدٌ كما قالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾، ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾، والخِطابُ بِهِ لجميعِ المكلَّفِينَ مِنْ أهلِ السَّماءِ والأرضِ، فلا يختلفونَ في أصلِ الدِّينِ.

"آسمان اور زمین میں اللہ کا دین ایک ہی ہے اور وہ دینِ اسلام ہے"، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"، "اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا"، اور یہ اس لیے ہے کہ آسمان اور زمین میں رہنے والے ملائکہ، جن اور انسان سب کے سب توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے اسماء اور صفات پر ایمان اور انبیاء کی لائی ہوئی باتوں اور مبدأ اور معاد کی تصدیق کے مکلف ہیں، اور ان چیزوں میں کوئی ایک مکلف بھی دوسروں سے مختلف نہیں ہے، اور دین اسلام کے علاوہ کسی سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دِین قبول نہیں کیا جائے گا"، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل دین "جو کہ اسلام ہے" ایک ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"، "اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا"، اور یہ خطاب آسمان اور زمین کے تمام مکلفین سے ہے، جو کہ اصل دین میں مختلف نہیں ہیں۔

قولُه: (هو) أيْ: دينُ اللهِ (بينَ الغُلُوِّ والتَّقْصِيرِ)، أي: متوسِّطٌ بينهما؛ لأنَّ الميلَ إلىٰ أحدِ الطَّرفَينِ خروجٌ عَنِ الصِّراطِ المستقيم. والغُلُوُّ: هوَ مجاوزةُ الحدِّ. والتَّقصيرُ: هوَ النُّزولُ عَنِ الحدِّ، وكلٌّ منهما مذمومٌ؛ لأنَّ العبدَ ليسَ لهُ التَّجاوزُ عمَّا حدَّ لهُ مولاهُ، ولا التَّقصيرُ عمَّا أمرَهُ بِهِ، وكذٰلكَ دينُ اللهِ.

"وہ" یعنی اللہ کا دین "افراط اور تفریط کے بین بین ہے" یعنی دونوں کے درمیان ہے، اس لیے کہ کسی ایک طرف کا میلان صراطِ مستقیم سے نکل جانا ہے، اور "غلو" حد سے تجاوز کرنا ہے، اور "تقصیر" حد سے کم کرنا ہے، اور دونوں مذموم ہیں، اس لیے کہ بندے کے لیے اس حد سے تجاوز کرنا بھی جائز نہیں ہے جسے اس کے مولی نے اس کے لیے مقرر کیا ہے، اور نہ ہی اس سے کم کرنا جائز ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، اور اللہ کا دین اسی طرح ہے۔

قولُه: (بينَ التَّشبيهِ والتَّعطيلِ)، وهو: أنْ نُثبتَ للهِ تعالَى نعوتَ الجلالِ وصفاتِ الكمالِ، علىٰ ما نطقَ بِهِ الكتابُ العزيزُ والآثارُ المرويَّةُ عنِ النَّبيِّ عليهِ السَّلامُ، مِنْ غيرِ تشبيهٍ كما هوَ مذهبُ المشبِّهةِ المجسِّمةِ، حيثُ شبَّهوا الخالِقَ بالخَلْقِ، وهوَ ليسَ كمثْلِهِ شيءٌ، ولا تعطيلٍ كما هوَ مذهبُ المعتزلةِ، حتَّى نفَوا عنِ اللهِ تعالَى جميعَ الصِّفاتِ حقيقةً فعطَّلوه عنْها.

"اور تشبیہ و تعطیل کے درمیان ہے" اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے صفاتِ جلال و کمال کو ثابت مانیں، جس طرح کتابِ عزیز اور احادیثِ مرویہ میں مذکور ہے، بغیر کسی تشبیہ کے جیسا کہ مشبہہ مجسمہ کا مذہب ہے، کہ انہوں نے خالق کو مخلوق کے

ساتھ تشبیہ دیدی، جبکہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور بغیر تعطیل کے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے یہاں تک کہ انہوں نے حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے تمام صفات کی نفی کر دی، اللہ کو ان صفات سے معطل کر دیا۔

وكذلك الدِّينُ: (بينَ الجَبْرِ والقَدَرِ)، وهوَ طريقةُ أهلِ الحقِّ، حيثُ قالوا: أفعالُ العبادِ مِنَ الخيرِ والشَّرِّ بخلقِ اللهِ تعالَى وكسبِهِمْ، لا كما هوَ مذهبُ الجبريَّةِ حيثُ قالوا: لا صُنْعَ للعبادِ في أفعالِهِمْ بلْ هُمْ مُجبَرونَ علَى ذٰلكَ، ولا كما هوَ مذهبُ القدريَّةِ حيثُ قالوا: أفعالُ العبادِ بخلقِهِمْ لا بصُنْعِ اللهِ، تعالَى اللهُ عنْ ذٰلكَ عُلوّاً كبيراً.

اور اسی طرح دین "جبر وقدر کے درمیان ہے" اور یہ اہل حق کا راستہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں: بندوں کے نیک اور بد افعال اللہ کی تخلیق اور بندوں کے کسب سے ہوتے ہیں، نہ کہ جبریہ کے مذہب کی طرح، وہ کہتے ہیں کہ: اپنے افعال میں بندوں کا کوئی کردار نہیں ہے، بلکہ وہ مجبورِ محض ہیں، اور نہ ہی قدریہ کے مذہب کی طرح کہ وہ کہتے ہیں کہ: بندوں کے افعال اللہ کی صنعت سے نہیں بلکہ ان کی اپنی تخلیق سے ہیں، اللہ تعالیٰ اس طرح کی چیزوں سے بہت بلند (اور پاک) ہے۔

وكذٰلكَ الدِّينُ: (بينَ الأمنِ واليَأسِ)، أيْ: بينَ الخوفِ والرَّجاءِ، إذْ في الأمنِ عَنِ العقابِ ظَنُّ العجزِ عنهُ، ومخالفةُ النُّصوصِ النَّاطقةِ بالوعيدِ والعذابِ الشَّديدِ للفُجَّارِ والأشرارِ، كما هوَ مذهبُ المُرجِئَةِ حيثُ قالوا: لا يضُرُّ ذنبٌ معَ الإيمانِ، ولا يدخلُ أحدٌ مِنَ المؤمنينَ النَّارَ.

اور اسی طرح دین "(عذاب سے) بے خوفی اور (رحمت سے) ناامیدی کے درمیان راہِ اعتدال کا نام ہے" یعنی خوف اور امید کے درمیان ہے، اس لیے کہ عذاب سے بے خوفی میں (اللہ تعالیٰ کو) اس سے عاجز گمان کرنا ہے، اور گناہگاروں اور بدلوگوں کے لیے وعید اور عذابِ شدید بیان کرنے والے نصوص کی مخالفت ہے، جیسا کہ مرجئہ کا مذہب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، اور نہ ہی مؤمنین میں سے کوئی شخص جہنم میں داخل ہو سکتا ہے۔

وكذا في اليأسِ عَنْ رحمةِ اللهِ ظَنُّ العجزِ عَنِ العَفْوِ، ومخالفةُ النُّصوصِ النَّاطقةِ بالوَعدِ والشَّفاعةِ والعفوِ للمؤمنينَ، كما هوَ مذهبُ الخوارجِ والمعتزلةِ حيثُ قالوا: لا ينفعُ الإيمانُ بدونِ الأعمالِ، فلو ماتَ صاحبُ الكبيرةِ بلا توبةٍ يُخلَّدُ في النَّارِ.

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے میں (اللہ تعالیٰ کو) معاف کرنے سے عاجز سمجھنا ہے، اور مؤمنین کے لیے وعدہ، شفاعت اور معافی بیان کرنے والے نصوص کی مخالفت ہے، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ وہ کہتے ہیں: اعمال کے بغیر ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا، اگر کوئی مرتکبِ کبیرہ توبہ کے بغیر مر جائے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔



وكِلَا المذهبينِ مخالفٌ للكتابِ والسُّنَّةِ: أمَّا الأمنُ فقالَ اللهُ تعالَى: ﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾، وأمَّا اليأسُ فقالَ اللهُ تعالَى: ﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ والسُّننُ فيهِ كثيرةٌ.

اور یہ دونوں مذاہب (بے خوفی اور ناامیدی) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہیں، جہاں تک بے خوفی کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو کر بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اُٹھانے والے ہوتے ہیں" اور مایوسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نااُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں"۔

الخاتمةُ

قولُه: (فهٰذا)، أي: جميعُ ما ذكرْنا مِنْ أوَّلِ الكتابِ إلىٰ ها هُنا، (دينُنا واعتقادُنا ظاهراً وباطناً)، لأنَّهُ قدْ شهدَتْ علىٰ صحَّةِ ما ذكرْنا الأدلَّةُ المنقولةُ والبراهينُ المعقولةُ، فيجبُ أنْ نعتقدَهُ ظاهراً وباطناً؛ لأنَّ المخالفةَ بينَ الظَّاهرِ والباطنِ مِنْ أوصافِ المنافقينَ، وهُمْ في الدَّركِ الأسفلِ مِنَ النَّارِ.

"یہ "یعنی وہ تمام باتیں کہ جو ہم نے ابتداءِ کتاب سے لے کر یہاں تک ذکر کر دیا ہے "ہمارا دین اور عقیدہ ہے، ظاہر میں بھی اور دل میں بھی" اس لیے کہ ہماری ذکر کردہ باتوں کی صحت پر نقلی اور عقلی دلائل دلالت کرتے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ہم ظاہراً وباطناً انہی کا اعتقاد رکھیں، اس لیے کہ ظاہر اور باطن کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا منافقین کی صفات میں سے ہے، اور منافقین تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

قولُه: (ونحنُ براءُ إلى اللهِ مِنْ كُلِّ مَنْ خَالَفَ الذي ذَكَرْنَاهُ وبَيَّنَّاهُ، وَنَسْأَلُ اللهَ تعالَى أن يُثَبِّتَنا على الإيمانِ، ويَخْتِمَ لنا بهِ، ويَعْصِمَنا من الأهواءِ المُختلفةِ، والآراءِ المُتفرِّقةِ، والمذاهبِ الرَّديَّةِ، مثلِ المُشبِّهةِ والجَهْمِيَّةِ والقَدَريَّةِ والجبريَّةِ، وغيرِهِمْ مِنَ الذينَ خالفوا الجماعةَ وحالفوا الضَّلالةَ، ونَحْنُ بُرَاءُ مِنْهُم، وَهُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ وأرديِاءُ).

"اور جو شخص ان عقائد کا مخالف ہو جو ہم نے بیان کر دیا اور واضح کر دیا تو ہم اللہ کے سامنے ایسے شخص سے براءت کا اعلان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت فرمائیں، اور ایمان پر ہی ہمارا خاتمہ فرمائیں، اور ہر قسم کی خواہشاتِ نفسانیہ، جداگانہ آراء اور مشبہہ، معتزلہ، جہمیہ، اور قدریہ جیسے مردود مذاہب سے ہماری حفاظت فرمائیں، اور ان کے علاوہ ان لوگوں سے بھی ہمیں محفوظ فرمائیں جو اہل السنہ والجماعۃ کے مخالف ہیں اور گمراہی کے ساتھ ہیں، ہم ان سب سے بری ہیں، یہ تمام لوگ ہمارے نزدیک گمراہ اور مردود ہیں"۔

إنَّما قالَ: «نحنُ بُراءٌ إلى اللهِ مِنْ كلِّ مَنْ خالفَ الذي ذكرناهُ»، لأنَّ ما ذكرَهُ مِنْ أصولِ الدِّينِ مِنْ أوَّلِ الكتابِ إلىٰ آخرِهِ، هوَ مذهبُ أهلِ السُّنَّةِ والجماعةِ مِنَ الصَّحابةِ والتَّابعينَ، ثابتٌ بالمنقولِ والمعقولِ، وهوَ الطَّريقُ الذي كانَ عليهِ النَّبيُّ عليهِ السَّلامُ وأصحابُهُ، فيكونُ المخالفُ علىٰ مذهبِ أهلِ الهوىٰ والبدعةِ، فوجَبَ التَّبرِّي منهُ.

مصنف نے فرمایا: "نحنُ بُراءٌ إلى اللهِ مِنْ كلِّ مَنْ خالفَ الذي ذكرناهُ" اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے ابتداءِ کتاب سے لے کر آخر بیان فرمایا وہ صحابہ و تابعین اور اہل السنہ والجماعۃ کا مذہب ہے، جو کہ منقول اور معقول سے ثابت شدہ ہے،

اور یہ وہی راستہ ہے کہ جس پر نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ تھے، لہذا مخالف اہلِ ہویٰ اور اہلِ بدعت کے مذہب پر ہوگا، جس سے براءت کا اعلان کرنا واجب ہے۔

وإنَّما سألَ الثَّبات على دينِ الإسلامِ؛ لأنَّهُ مِنْ أهمِّ أمورِ الدِّينِ والدُّنيا، وهوَ دأبُ الأنبياءِ والأولياءِ، والاعتبارُ بحُسنِ الخاتمةِ فلا جرمَ طلبُ الختمِ على الإيمانِ لينالَ الفوزَ والنَّجاةَ والدَّرَجاتِ.

اور دینِ اسلام پر ثابت رہنے کی دعا اس لیے کی کیونکہ یہ دین اور دنیا کے اہم امور میں سے ہے، اور یہی انبیاء اور اولیاء کا طریقہ کار ہے، اور اعتبار تو حسنِ خاتمہ کا ہے، لہذا ایمان پر خاتمہ کی دعا ضروری ہے، تاکہ کامیابی، نجات اور درجات کو حاصل کرسکے۔

وإنَّما طلبَ العِصمةَ مِنَ الأهواءِ المختلفةِ؛ لأنَّ أهلَ الأهواءِ خالفوا الأدلَّةَ الظَّاهرةَ، والبراهينَ الباهرةَ الشَّرعيَّةَ والعقليَّةَ، وتعلَّقوا بأوهام وشُبُهاتٍ لا تصلُحُ دليلاً بهَوىٰ أنفسِهِمْ وميلِهِمْ إلى الباطلِ، فوجبَ التَّبرِّي ممَّا يوجبُ عداوةَ الحقِّ، ألا ترىٰ إلى قولِ ابنِ عمرَ حينَ قالَ لهُ السَّائلُ: إنَّ عندَنا أقواماً لا يُثبتونَ القدرَ، فقالَ: أبلغوهُمْ أنِّي بريءٌ منهُمْ.

اور ہر قسم کی خواہشات سے بچنے کی دعا اس لیے کی کیونکہ اہلِ اہوا نے ظاہر شدہ دلائل اور واضح شرعی اور عقلی براہین کی مخالفت کی ہیں، اور اپنی نفسانی خواہش اور باطل کی طرف میلان کی وجہ سے ایسے اوہام اور شبہات کے ساتھ اپنے آپ کو ملا وابستہ کردیا ہے، جو دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، لہذا اس چیز سے براءت کا اعلان کرنا ضروری ہے جو حق کی دشمنی کو کھینچ لائے، کیا آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کو نہیں دیکھتے کہ جب ایک سوال کرنے والے نے ان سے کہا: ہمارے ہاں کچھ لوگ ہیں جو تقدیر کو ثابت نہیں مانتے، تو آپ نے فرمایا کہ: ان کو یہ بات پہنچادو کہ میں ان سے بَری ہوں۔

ثمَّ فسَّرَ المذاهبَ الرَّديَّةَ والآراءَ المتفرِّقةَ بقولِهِ: مثل المشبِّهةِ والجهميَّةِ والقدريَّةِ والجبريَّةِ وغيرِهِمْ، كأنواعِ الشِّيعةِ والكراميَّةِ والخوارجِ والمُرجئةِ وأمثالِهِمْ.

پھر مردود مذاہب اور جداگانہ رائے کی تفسیر اپنے قول: ”مثل المشبِّهةِ والجهميَّةِ والقدريَّةِ والجبريَّةِ وغيرِهِمْ، كأنواعِ الشِّيعةِ والكراميَّةِ والخوارجِ والمُرجئةِ“ وغیرہ سے کردی۔

إنَّما بدأَ بالمشبِّهةِ؛ لأنَّ عقيدتَهُمْ أفسدُ العقائدِ، لاجتِماعِها علىٰ تجسيمِ الصَّانعِ القديرِ، وتشبيهِهِمْ إيَّاهُ بالبشرِ. قالَ الإمامُ فخرُ الدِّينِ رحمهُ اللهُ: المجسِّمُ قطُّ ما عَبَدَ اللهَ؛ لأَنَّهُ يعبُدُ ما تصوَّرَهُ في وهمِهِ مِنَ الصُّورةِ، واللهُ منزَّهٌ عَنْ ذٰلكَ.

اور بات کو مشبہہ سے اس لیے شروع کر دیا کیونکہ صانعِ قدیم کی تجسیم پر اجتماع کی وجہ سے ان کا عقیدہ سب سے زیادہ بگاڑ کا شکار ہے، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کوئی مجسم کبھی بھی اللہ کی عبادت نہیں کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ اس صورت کی عبادت کرتا ہے جسے اس نے اپنے ذہن میں گھڑ لیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

ثمَّ ثَنَّى بالجهميَّةِ لِخُبْثِ عقائدِهِمْ المشتملةِ علىٰ تعطيلِ الصَّانعِ عزَّ اسمُهُ، ونفيُهُمْ بقاءَ الجنَّةِ وأهلِها، وبقاءُ النَّارِ وأهلُها، وكونُهم فيهما خالدينَ.

پھر دوسرے نمبر پر جہمیہ کو ان کے باطل عقیدہ کی وجہ سے لایا جو کہ خالق جل جلالہ کی تعطیل، جنت اور اہلِ جنت کی بقا کی نفی، اور جہنم اور اہلِ جہنم کی بقا کی نفی اور ان میں ان کے ہمیشہ رہنے کی نفی پر مشتمل ہے۔

ثمَّ بالقدريَّةِ لنفيِهِمْ عَنِ اللهِ صفاتِ الذَّاتِ والأفعالَ حقيقةً.

پھر قدریہ کو ان کی اللہ تعالیٰ سے صفاتِ ذاتیہ اور افعال کی حقیقۃً نفی کرنے کی وجہ سے لایا۔

ثمَّ قالَ: «نحنُ بُراءُ منهُمْ، وهُمْ عندنا ضُلَّالٌ وأردِياءُ» لخلافِهِمِ الحُجَجَ الظَّاهرةَ، والآياتِ الباهرةِ، والأخبارِ المتواترةِ.

پھر فرمایا کہ: "ہم ان سب سے بَری ہیں، اور یہ سب ہمارے نزدیک گمراہ اور مردود ہیں" کھلے دلائل اور واضح نشانیوں اور متواتر احادیث کی مخالفت کی وجہ سے "ان سب براءت کا اعلان کر دیا"۔

وليكنْ هٰذا آخرُ الكتابِ.

یہ کتاب کا آخری حصہ ہے۔

والحمدُ للهِ ربِّ العالمينَ، وصلَّى اللهُ علىٰ سيِّدِنا محمَّدٍ وآلِهِ وصُحْبِهِ أجمعينَ.

واللهُ الموفِّقُ للصَّوابِ، وإليهِ المرجعُ والمآبُ.